
قومی نصاب ۲۳-۲۰۲۲ء کے مطابق
درسی کتاب

اُردو

بارھویں جماعت کے لیے

قومی نصاب کونسل
وفاقی وزارت تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت حکومت پاکستان



نیشنل بک فاؤنڈیشن

بہ طور

وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد

محکمہ تعلیم

اس درسی کتاب کی حکومتی قومی نصاب کو تسلیم، وزارت تعلیم و ثقافتی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، اسلام آباد کی جانب سے خط نمبر F.No. I-12/2024/NCC/Urdu-NBF، مورخہ 11 اپریل، 2025ء کے ذریعے دی گئی ہے

©2025 پبلشرز ایکسپریس پرائیویٹ لمیٹڈ

اس اشاعت کے تمام حقوق محفوظ ہیں۔ اس اشاعت کا کوئی بھی حصہ بغیر پبلشرز ایکسپریس پرائیویٹ لمیٹڈ کی تحریری اجازت کے کسی بھی شکل یا طریقے سے، خواہ وہ الیکٹرانک، میکانیکی، فوٹوکاپی، ریکارڈنگ یا کوئی اور طریقہ ہو دوبارہ تخلیق یا ترجمہ یا منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ غیر مجاز استعمال، نقل یا تقسیم سختی سے ممنوع ہے اور قانونی کارروائی کا سبب بن سکتی ہے۔

درسی کتاب کے دوسرے حصے صحت کے لیے

(قومی نصاب ۲۳-۲۰۲۲ء کے مطابق)

مصنفین

امجد اقبال (منتظم مصنف)، ڈاکٹر خالد اقبال یا سر۔ محمد شامین ملتان بلوچ

معاونین: شہزاد احمد، ڈاکٹر اللہ احمد، شاہدہ صریحہ (ڈیزائنرز)

معاون نصاب اور ہائر

ڈاکٹر نجم پنا

ڈائریکٹر، قومی نصاب کو تسلیم، وزارت تعلیم و ثقافتی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، حکومت پاکستان، اسلام آباد

قومی نصاب کو تسلیم کی جانے والی کمیٹی کے ممبران

ڈاکٹر فوزیہ اسلم، محترمہ وحیدہ رضوی، محترمہ جاویدہ اقبال، اچا
ڈیک آفیسر: سائرہ عباس (ایجوکیشن آفیسر) قومی نصاب کو تسلیم

معاون ہائر کمیٹی (ایگزیکیوٹو آئی سی سی)

مرزا علی، ڈائریکٹر (نیشنل ڈیولپمنٹ)

(ایگزیکیوٹو آئی سی سی) کی ہائر کمیٹی کے ممبران

ڈاکٹر سید حسن علی شاہ، سسر، محترمہ جاویدہ اقبال، محترمہ جاویدہ شاہدہ محمود
ڈیک آفیسر: سید ڈاکٹر اللہ شاہ، ڈائریکٹر تعلیم و تربیت، ایگزیکیوٹو آئی سی سی

معاون درسی کتب پبلشرز ایکسپریس پرائیویٹ لمیٹڈ

ڈاکٹر کامران بھٹا، ڈائریکٹر، بیجنگ ڈائریکٹر، پبلشرز ایکسپریس پرائیویٹ لمیٹڈ

امپریٹر درسی کتب پبلشرز ایکسپریس پرائیویٹ لمیٹڈ

معاون اور ایگزیکیوٹو ڈائریکٹر

یہ درسی کتاب پاکستان میں نمونہ کی گئی ہے

اشاعت اول: خدمات اول: جون 2025ء | صفحات: 176 | تعداد: 100000

قیمت: 240 روپے، کوڈ: STU-523، آئی سی سی ای: 978-969-37-1834-8

طابع: محکمہ تعلیم و ثقافت، اسلام آباد

پبلشرز ایکسپریس پرائیویٹ لمیٹڈ کی دیگر اشاعتوں کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ کیجیے، ویب سائٹ www.nbf.org.pk ملاحظہ کریں۔

آپ ہمیں اس نمبر پر 051-9261125 فون پائی میل books@nbf.org.pk کے ذریعے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

اس درسی کتاب کے بارے میں اپنی رائے دینے کے لیے mbfextbooks@gmail.com اور textbooks@snc.gov.pk پر ای میل بھیجیں۔

نوٹ: اس کتاب میں شامل تمام تصاویر، آرٹ ورک، نقشہ جات وغیرہ صرف تعلیمی اور تفسیری مقاصد کے لیے ہیں، جو عوامی مقام کے لیے ناکافی ہیں۔

پیش لفظ

اردو کی یہ نصابی کتاب برائے جماعت بارہویں قومی نصاب ۲۳-۲۰۲۲ء کے مطابق تیار کی گئی ہے۔

بارہویں جماعت کی سطح کے بعد زبان و بیان میں قدرے رفعت اور طرز بیان میں ادبیت کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نظم و نثر اور زبان کے دیگر اصول و اسالیب کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ مشقی سلسلے میں بھی نصابی حاصلات کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ بارہویں جماعت کی درسی کتاب کی تیاری کے دوران میں ان پہلوؤں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس میں پاکستانی اردو کے جدید تقاضوں کی طرف بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ خاص طور پر نثر کی مختلف اصناف، صحافتی اردو، دفتری اردو، عدالتی اردو، سائنسی اور تکنیکی اردو، کمپیوٹر اور موبائل فون کی زبان کے بہت سے ایسے پہلو ہیں، جن سے طلبہ کو روشناس کرانے کی ضرورت ہے۔ یاد رہے کہ ہمیں زبان کا استعمال سکھانا ہے۔ اساتذہ کو زیادہ زور اسی پہلو پر دینا ہوگا۔ خاص طور پر کمپیوٹر ٹیکنالوجی، موبائل فون اور ویب سائٹس کے حوالے سے اردو کو جو حیثیت حاصل ہے، اسے تدریس کا حصہ بنانا ہوگا۔ یہ ذمہ داری اردو کے اساتذہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے روزمرہ اسباق میں کس طرح سے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ لائبریری سے طلبہ کے ربط و ضبط اور شوق کی ترویج کے لیے کہیں کہیں اضافی معلومات اور سرگرمیاں دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بھی اساتذہ کی رہنمائی درکار ہوگی۔ اسباق، منظومات اور غزلیات کے ساتھ ہی طلباء و طالبات کی رہنمائی کے لیے اضافی معلومات کی غرض سے مصنفین اور شعر کا مختصر تعارف بھی دے دیا گیا ہے۔ معیار کی رفعت، تدریسی حاصلات، ذہنی رسائی اور اسلوب کی پیروی ہمارا نصب العین ہے۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن نے مؤثر تدریسی مراحل کو مد نظر رکھتے ہوئے اور خصوصی کاوشیں بہ روئے کار لاتے ہوئے مواد اور مثالوں سے اس درسی کتاب کو شائع کیا ہے۔ مزید یہ کہ اساتذہ کی رہنمائی کے لیے ہر سبق کے آغاز میں حاصلاتِ تعلیم بھی دے دیے گئے ہیں۔ بارہویں جماعت کی اس نصابی کتاب کی تیاری میں مؤلفین اور نیشنل بک فاؤنڈیشن کی ٹیم کی مساعی لائقِ تحسین ہیں۔ قومی نصاب ۲۳-۲۰۲۲ء کی پانچوں مہارتوں سننا، بولنا، پڑھنا، لکھنا اور قواعد / زبان شناسی کے تمام حاصلاتِ تعلیم کی روشنی میں اسباق کی مشقیں تیار کی گئی ہیں اور تمام مجوزہ عنوانات کو بھی شامل کتاب کر دیا گیا ہے۔

حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک ہو۔ حکومتِ پاکستان کی ہدایات کے مطابق کتابوں میں اس بات کو بھی یقینی بنایا گیا ہے کہ مختلف حوالوں سے وزارت مذہبی امور کی جانب سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے جو نوٹیفکیشن جاری ہوتے رہے ہیں ان پر بھی مکمل طور پر عمل کیا جائے۔ ان نوٹیفکیشنز پر دی گئی ہدایات اور سفارشات پر حتی الامکان عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ چوں کہ یہ کتاب قومی نصاب ۲۳-۲۰۲۲ء کی روشنی میں ٹیسٹ ایڈیشن کے طور پر شائع کی جارہی ہے اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اگر اس کتاب میں کسی قسم کی لسانی اور علمی نوعیت کی غلطیاں ملیں تو ہمیں ان سے آگاہ فرمائیں اور مزید بہتری کے لیے اپنی تجاویز پیش کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی درستی کی جاسکے۔ اس کے لیے ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ڈاکٹر کامران جہانگیر

نیجنگ ڈائریکٹر

اس نصابی کتاب کی روزمرہ زندگی میں افادیت

دنیا کے تمام معاشروں اور تہذیبوں میں قومی زبان کو ایک بنیادی پہچان اور شناخت سمجھا جاتا ہے اور اسی بنا پر زبان و ادب کی تدریس و تعلیم کو بھی لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے انسان کو اپنے اظہار و ابلاغ میں نکھار پیدا کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے تاکہ زندگی میں آگے چل کر وہ کسی بھی شعبے یا علم و فن کا انتخاب کر سکے۔ اس طرح وہ اپنی بات کو بہتر اور متاثر کن انداز میں بیان کرنے سے قاصر نہیں رہتا۔ اسی نقطہ نظر کو پیش نظر رکھ کر ہر صوبے جماعت کی اردو لازمی کی کتاب کے مواد کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اسے پڑھ کر طلبہ کو زبان و ادب کے مختلف انداز بیان اور محضروں کی خصوصیات سے واقفیت ہو جائے گی۔ تمام اسباق میں مصنفین اور شعرا کے تعارف میں حوالے کے طور پر دیگر کتب کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے تاکہ طلبہ میں وسعت مطالعہ اور تحقیق کا ذوق و شوق پیدا ہو۔ اردو زبان کی وسعت، مطالعے، زرخیزی، اہمیت اور افادیت کا احساس جاگزیں ہو سکے۔

شاعری کی تدریس و تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ طلباء و طالبات اپنی داخلی دنیا کی واردات، اپنی ذات اور شعور و آگہی کا انکشاف و اظہار کر سکیں کیوں کہ ایک انسان کے جذبات و احساسات، تخیل کے ساتھ مل کر ایک خاص نظم کے تحت مخصوص ہیئت میں اظہار کی راہ پاتے ہیں تو اس سے شاعری وجود میں آتی ہے۔ یہ اظہار دوسرے انسانوں کو فرحت اور لذت بخشتا ہے ان کے احساسِ حسن اور ذوقِ جمال کی تشفی کا باعث بنتا ہے۔ ادب اور فن اس جمالیاتی پہلو کے بغیر وجود میں ہی نہیں آسکتے۔

حمد اور نعت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت و عقیدت اور لطف و کرم کو اجاگر کیا گیا ہے تاکہ حمد کو پڑھ کر طلبہ ربِّ کریم کی کرشمہ سازیوں سے آگاہ ہو سکیں اور نعت پڑھنے سے طلبہ، رسول کریم ﷺ کی اس عظیم نعمت سے آگاہ ہو سکیں جو آپ ﷺ کی بعثت سے بنی نوع انسان کو حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ نظمیہ اشعار پڑھ کر نہ صرف ان کا خلاصہ لکھنا بلکہ مصرعوں، شعروں، نظموں کے تلفظ، آہنگ، لحن، اور ادائی سے لطف اندوز ہونا بھی سیکھ سکیں گے۔ معلوماتی کتب، انسائیکلو پیڈیا، انٹرنیٹ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کرنے کی بھی مشق ہو جائے گی۔

عہدِ جدید میں سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل کی ضرورت و اہمیت دو چند ہو گئی ہے۔ ایسے میں اُسوۂ حسنہ بنی نوع انسان کے لیے ایک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے جس سے زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا ہر انسان روشنی حاصل کر کے اپنی زندگی کی تیرہ راتوں کو جگمگا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پہ چلنے کے قوموں اور نسلوں کے مستقبل کو سنوارا جاسکتا ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر ”مکمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق“ سبق کو شامل کیا گیا ہے۔ مشقی سوالات میں طلبہ کو ذرائع ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور فیچروں میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات کو سمجھ کر ان پر گفتگو کرنا بھی سکھایا گیا ہے۔

سبق ”محشر“ پڑھنے سے طلبہ پر یہ بات واضح ہوگی کہ اقوامِ عالم کی پہچان اور شناخت دراصل ان کا عمل اور کردار ہوتا ہے۔ ہمیں مثبت اقدار و روایات کا علم بردار ہونا چاہیے تاکہ ہم شخصی اور انفرادی طور پر دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو سکیں۔ ہر کوئی انفرادی طور پر اپنی عادات و اطوار کی اصلاح

کرتے ہوئے ذہن و دل سے حسد، بغض، نفرت، ریاکاری، دھوکے اور فریب جیسی شخصی خامیوں کو ختم کر کے اخوت، بھائی چارے، رواداری، جذبہ ایثار و قربانی کو فروغ دے گا تو آگے چل کر یہ قوم کا مزاج بن جائے گا کیوں کہ قومیں افراد سے بنتی ہیں اور ہر فرد ملت کے مقدّر کا ستارہ ہوتا ہے۔

انسانی رشتوں میں سب سے خوب صورت ماں کا رشتہ ہوتا ہے۔ گھر بھر میں ماں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ماں ہی ہے جس کے دم سے گھر کی چار دیواری میں رونقیں اور چہل پہل قائم دائم رہتی ہے۔ سبق ”ماں جی“ کی تدریس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ماں کس طرح براہ راست یا بالواسطہ اپنی اولاد کی ذہنی، فکری، نفسیاتی اور جسمانی تربیت کر کے اُسے عملی زندگی کی باریکیاں اور نزاکتیں سکھاتی ہے۔

ڈراما ”رستم و سہراب“ پڑھنے سے انسانی رویوں کے مطالعے اور مشاہدے ضرورت اُجاگر ہوتی ہے۔ اولاد معاشی، سماجی اور جسمانی اعتبار سے کتنی ہی قد آور اور مضبوط و مستحکم ہو جائے اُسے اپنے والد کے سامنے سر اٹھانے کی جرات نہ ہوتی ہے اور نہ ہونی چاہیے۔ سہراب اپنی جان تو دے دیتا ہے لیکن رستم پر اپنی جسمانی طاقت کی برتری ثابت نہیں کرتا محض اِس بنیاد پر کہ اُسے احوال و آثار سے لگتا ہے کہ یہ اُس کا والد ہے۔ اسی لیے تو دورانِ جنگ وہ بار بار رستم سے اس کا نام پوچھتا ہے۔ اسی طرح روزمرہ زندگی میں ہمیں یہ سیکھنے کا موقع بھی ملے گا کہ اپنی طاقت کے رُعم میں مبتلا ہو کر ضد بازی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے ورنہ ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے جو عمر بھر کے لیے پچھتاوا بن جائے گا۔ جس طرح رستم اپنے ہی بیٹے کو قتل کر دیتا ہے اگرچہ اُس کا بیٹا سہراب اُس سے برابر استفسار کرتا رہا کہ اپنا نام بتاؤ۔ سہراب مرتے وقت بھی اپنے والد کی عظمت بیان کرتے ہوئے اُسے کہتا ہے کہ تم نے مجھے مار دیا ہے، اب تمہیں میرا باپ رستم نہیں چھوڑے گا۔ تب رستم کی آنکھیں کھلتی ہیں کہ یہ میں نے کیا کر دیا؟

”شاخوں پہ جلے بیرے“ پڑھ کر روزمرہ زندگی میں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ وقت ہمیشہ ایک سانس نہیں رہتا۔ عروج کے دنوں میں زوال کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ حالات کسی وقت بھی پلٹا کھا سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے دلوں میں کینہ پروری کا جذبہ رکھنے کے بہ جائے پیار، محبت اور رواداری سے پیش آنا چاہیے۔

”شروع قصے کا“ پڑھ کر طلبہ کو یہ معلوم ہو گا کہ روزمرہ زندگی میں حالات کی تلخیاں جس قدر بھی بڑھ جائیں، ہمارے ہاتھ پاؤں نہیں پھولنے چاہئیں۔ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، امید کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹے۔ خدا نے اگر دنیاوی طور پر اپنے لطف و کرم سے نوازر کھا ہے تو شکر اُٹھانے کے طور پر خلوص دل سے مخلوق خدا کی خدمت اور رفاہ عامہ کو اپنا شیوہ اور شعار بنائیں۔ ایسا کرنے سے خدا ہماری زندگی میں جو کی رہ گئی ہوگی وہ بھی پوری کر دے گا۔ اس کے علاوہ اس سبق کے مشقی سوالات میں درخواست، خط، دعوت نامے یا ای میل (Email) کی تیاری بھی سکھانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

سبق ”بہادر خان کی سرگزشت“ ایک لوک کہانی ہے۔ اسے پڑھنے سے پاکستان کے دیگر علاقوں کے رسم و رواج، تہذیب و ثقافت سے آگاہی حاصل ہوگی۔ قومی سطح پر محبت و یگانگت کی فضا پیدا کرنے میں مدد حاصل ہوگی۔ مزید یہ کہ ہمیں توہمات اور ضعیف الاعتقادی سے کس طرح خود کو بچانا ہے، طلبہ یہ بھی جان سکیں گے۔ مشقی سوالات میں اس بات کی تدریس کو بھی حصہ بنایا گیا ہے کہ طلبہ کسی خبر، کالم، رپورٹ کی جزئیات کو پڑھ کر تنقید و تبصرہ بھی کر سکیں یعنی انھیں کسی موضوع پر فی البدیہہ متاثر کن انداز میں کی بولنے کی مہارت بھی حاصل ہو جائے۔

روزمرہ معاملات و معمولات میں ضرورت سے زیادہ سنجیدگی کے احساس نے بھی ہمیں مضطرب کر رکھا ہے۔ ایسے میں طنز و مزاح اور ثقافتِ بیانی ہمیں ذہنی تناؤ سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سبق ”کافی“ کی تدریس و تعلیم سے یہ آگاہی دی جاسکے گی کہ ہم پر دوسری تہذیبوں کے اثرات کس حد تک مرتب ہو رہے ہیں۔

سبق ”مینار“ اور ”نظریہ پاکستان“ کو پڑھ کر طلبہ پاکستان، پاکستانیت اور اس کی تاریخ اور شناخت کی غلم بردار علامتوں کے پس منظر اور پیش منظر سے آگاہ ہو سکیں گے۔ اسلامی اور مغربی نظریہ قومیت اور وطنیت سے واقفیت حاصل ہوگی۔ جذبہ حب الوطنی کو فروغ حاصل ہوگا۔

نظم ”میں روزے سے ہوں“ میں شاعر نے طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں ہمارے ایک سماجی رویے کو بیان کیا ہے کہ ہم ایک مذہبی فریضے کی ادائیگی کرتے ہوئے روزمرہ زندگی کے معاملات سے کس طرح پہلو تہی برتتے ہیں۔ نظم کی تدریس سے طلبہ کو یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ مذہبی فرائض کی ادائیگی ہمیں تساہل پسند اور ست نہ بنائے۔ طنز و مزاح کا تو مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ اُن خامیوں کی ہلکے پھلکے انداز میں نشان دہی کر دی جائے جنہیں ہم سنجیدہ الفاظ میں سننا شاید پسند نہ کریں۔

نظم ”نثار میں تیری گلیوں پہ“ پڑھنے سے یہ شعور اجاگر ہوتا ہے کہ ملک و قوم کی ترقی کے لیے سماجی انصاف اور مساوات کس قدر اہم ہے۔ ظالم کو ظالم اور ظلم کو ظلم کہنا صرف شاعروں ادیبوں کی نہیں بلکہ ہم سب کی ذمہ داری ہونی چاہیے، یہی زندہ قوموں کا شیوہ اور شعار ہوتا ہے۔ نظم ”انسان کامل کی برکات“ پڑھنے سے اُن فیوض و برکات سے آگاہی ہوگی جو بعثت نبوی ﷺ سے عالم انسانیت کو حاصل ہوئے۔ نظم ”نئی نسل کا نوحہ“ پڑھ کر طلباء طالبات اپنی ذمہ داریوں اور مستقبل کے تقاضوں سے خود کو ہم آہنگ کر سکیں گے کہ رائیگانی کے سفر سے خود کو کس طرح محفوظ رکھنا ہے۔ اس کے علاوہ مشقی سوالات میں کسی موضوع پر مدلل اور مؤثر انداز میں تقریر کرنے کے فن سے بھی طلبہ آگاہ ہو سکیں گے۔ ”داستان تیاری میں باغ کی“ پڑھ کر طلبہ کو یہ بات سمجھ آئے گی کہ حقیقی اور شاعری کی دنیا میں کتنا فرق ہے؟ انسان اپنے تخیل میں فکری طور پر اس دنیا کو کتنا خوب صورت باغ بنانے کی خواہش رکھتا ہے؟ اس نظم میں طرح طرح کے پھولوں کے ناموں سے آگاہی ملے گی جنہیں ہم نے اپنی روزمرہ زندگی سے بے دخل کر دیا ہے۔

”حصہ غزل“ کی تدریس سے یہ سمجھ میں آئے گا کہ الفاظ کو درست تلفظ اتار چڑھاؤ اور آہنگ سے کس طرح ادا کیا جائے۔ مختلف قسم کے خیالات، آر اور ردیوں کا تعلق سمجھ کر اپنی رائے دے سکیں۔ لغت، تھیسارس، قاموس مترادفات، انسائیکلو پیڈیا، لغات سے مواد کی تلاش اور کسی موضوع کے حق یا مخالفت میں مدلل بات کرنا سیکھ سکیں گے۔ حصہ غزل پڑھ کر طلبہ یہ بات بھی سیکھیں گے کہ ایک ہی بات کو مختلف اور منفرد اسالیب اور ذریعوں سے بیان کر سکیں۔ مباحثے، سیمیناروں میں اپنی بات کو کس طرح جوش و ولولے، تاثر اور دلیل کے ساتھ پیش کرنا ہے، اس حوالے سے بھی غزلیات کی مشقوں کو ترتیب دیا گیا ہے۔ ڈیجیٹل لائبریری / لائبریری کی درجہ بندی اور فہرست کو سمجھ کر اسے استعمال کرنے کی مہارت بھی طلبہ کو حاصل ہو جائے گی۔

فرہنگ سے مشکل الفاظ کے معانی سمجھنے اور ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ممکن ہو سکے گا۔ اہل علم و دانش، اساتذہ کرام اور والدین سے بھی گزارش ہے کہ اس موضوع سے متعلق اپنے مثبت افکار و خیالات سے بھی مستفید فرمائیں تاکہ اس عبارت کو مزید جامع اور اثر انگیز بنایا جاسکے۔

امجد اقبال

ایسوسی ایٹ پروفیسر

(منتظم مصنف)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

فہرست اسباق

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
حصہ نثر		
۸	مولانا صفی الرحمن مبارک پوری	۱۔ کمال نفس اور مکارم اخلاق
۱۸	غوث بہار	۲۔ محشر
۲۷	قدرت اللہ شہاب	۳۔ ماں جی
۳۷	آغا حشر کاشمیری	۴۔ رستم و سہراب
۴۵	شمس الرحمن فاروقی	۵۔ شاخوں پر چلے ہوئے بسیرے
۵۸	میر امن دہلوی	۶۔ شروع قصے کا
۷۰	انور رومان	۷۔ بہادر خان کی سرگزشت
۷۷	مشتاق احمد یوسفی	۸۔ کافی
۸۳	عقار مسعود	۹۔ مینار
۹۳	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	۱۰۔ نظریہ پاکستان
حصہ نظم		
۱۰۰	سید صفی الدین رحمانی	۱۔ حمد
۱۰۵	افتخار عارف	۲۔ نعت
۱۱۲	سید ضمیر جعفری	۳۔ میں روزے سے ہوں
۱۱۵	فیض احمد فیض	۴۔ ثار میں تری گلیوں کے...
۱۲۲	حفیظ جالندھری	۵۔ انسان کامل کی برکات
۱۲۸	امجد اسلام امجد	۶۔ نئی نسل کا نوحہ
۱۳۳	میر حسن	۷۔ داستان تیاری میں ہار کی
حصہ غزل		
۱۴۰	خواجہ میر درد	۱۔ جگ میں آکر اوہر اوہر دیکھا
۱۴۵	مرزا اسد اللہ غالب	۲۔ سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
۱۴۹	علامہ اقبال	۳۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
۱۵۵	محسن احسان	۴۔ وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے جو نشاطِ شام وصال دے
۱۶۲	ادو جعفری	۵۔ یہ فخر تو حاصل ہے بڑے ہیں کہ بھلے ہیں
۱۶۷		*۔ فرہنگ



کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہارِ رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔
- کلامِ ابیات کو آغاز اور میان سے سن کر نظم و نثر کے مرکزی خیال، نکتے یا تصویر تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ اور موضوع کو بیان کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر مصنف / شاعر اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- بات کو درمیان سے سن کر سیاق و سباق کے ساتھ بیان کر سکیں۔
- ذرائعِ ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور نچروں وغیرہ میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات سن کر استہسانی اور تنقیدی گفتگو کر سکیں۔
- حروفِ فانیہ: تحریر و تقریر میں تاثر لانے والے الفاظ (ندا، قہمیں، نفرت، تاسف، انبساط، تہنید، استعجاب، تہنیت، تمنا اور قسم) کی نشان دہی کرتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کریں۔

خاص	جوامع الکلام	فصاحت و بلاغت	قوتِ تخیل و تخیل	شعری الفاظ	بدویوں
الفاظ	زورِ بیان	حاشیہ بردار	صلہ رحمی	خبر گیری	شمال و خصائل

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اپنے کردار اور شخصیت کے سنوارنے کے حوالے سے معلومات بہم پہنچائیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو یہ سبق پڑھنے پہ مجبور نہ کیا جائے۔



پڑھتے سے پہلے پوچھیں
مولانا شبلی نعمانی کی ”سیرت النبی ﷺ“
اور ”الرحیق المختوم“ کے موضوع کا کیا فرق ہے؟

پڑھیں



نبی ﷺ فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ آپ طبیعت کی روانی، لفظ کے نکھار، فقرات کی جزالت، معانی کی صحت اور تکلف کی دوری کے ساتھ ساتھ جوامع الکلام (جامع باتوں) سے نوازے گئے تھے۔ آپ ﷺ کو نادر حکمتوں اور عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ ہر قبیلے سے اسی کی زبان اور محاوروں میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ ﷺ میں بدویوں کا زورِ بیان اور قوتِ تخیل اور شہریوں کی شعری الفاظ و شائستگی جمع تھی اور وحی پر مبنی تائیدِ ربانی الگ سے۔

برہماری، قوت برداشت، قدرت پاکر ڈر گذر اور مشکلات پر صبر؛ ایسے اوصاف تھے جن کے ذریعے اللہ نے آپ ﷺ کی تربیت کی تھی۔ ہر حلیم و بردبار کی کوئی نہ کوئی لغزش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلند ی کردار کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی ایذا رسانی اور بد معاشیوں کی خود سری و زیادتی جس قدر بڑھتی گئی آپ ﷺ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا، جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اس سے دور رہتے۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا۔ البتہ اگر اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

آپ ﷺ سب سے بڑھ کر غیظ و غضب سے دور تھے اور سب سے جلد راضی ہو جاتے تھے۔ مجود و کرم کا وصف ایسا تھا کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ﷺ اس شخص کی طرح بخشش و نوازش فرماتے تھے جسے فقر کا اندیشہ ہی نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر پیکرِ مجود و سخا تھے اور آپ ﷺ کا دریائے سخاوت، رمضان میں اس وقت زیادہ جوش پر ہوتا جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملاقات فرماتے اور قرآن کا دور کراتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ ﷺ نے ”نہ“ کہہ دیا ہو۔

شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی آپ ﷺ کا مقام سب سے بلند اور معروف تھا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کنٹھن اور مشکل مواقع پر جب کہ اچھے اچھے جاں بازوں کے پاؤں اکھڑ گئے، آپ ﷺ اپنی جگہ برقرار رہے اور پیچھے ہٹنے کی نہ جائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسپا ہوئے ہیں مگر آپ ﷺ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب زور کا زور پڑتا تھا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا۔ لوگ شور کی طرف دوڑے تو راستے میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ کر، خطرے کے مقام کا جائزہ لے چکے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے، بغیر زین کے گھوڑے پر سوار تھے۔ گردن میں تلوار حائل کر رکھی تھی اور فرما رہے تھے: ”ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔“ (کوئی خطرہ نہیں)

آپ ﷺ سب سے زیادہ حیادار اور تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ جب آپ ﷺ کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پٹا لگ جاتا۔ اپنی نظریں کسی کے چہرے پر گاڑتے نہ تھے۔ نگاہ پست رکھتے تھے اور آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف نظر زیادہ دیر تک رہتی تھی۔ عموماً نیچی نگاہ سے تاکتے۔ حیا اور کرم نفس کا یہ عالم تھا کہ کسی سے ناگوار بات زود بہ زود نہ کہتے اور کسی کی کوئی ناگوار بات آپ ﷺ تک پہنچتی تو نام لے کر اس کا ذکر نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کچھ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ فر زوق کے اس شعر کے سب سے زیادہ صحیح مصداق آپ ﷺ تھے:

یغضی حیاء ویغضی من مہابة
فلا یکلم الاہین یتسم

(ترجمہ: آپ ﷺ حیا کے سبب اپنی نگاہ پست رکھتے تھے اور آپ کی ہیبت کے سبب نگاہیں پست رکھی جاتی تھیں، چنانچہ آپ ﷺ سے اسی وقت محبت ہوئی جاتی ہے جب آپ ﷺ تبسم فرما رہے ہوں۔)

آپ ﷺ سب سے زیادہ عادل، پاک دامن، صادق اللہ اور عظیم الامانہ تھے۔ اس کا اعتراف آپ ﷺ کے دوست و دشمن سب کو ہے۔ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو امین کہا جاتا تھا اور ذہرِ جاہلیت میں آپ ﷺ کے پاس فیصلے کے لیے مقدمات لائے جاتے تھے۔ جامع ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار ابو جہل نے آپ ﷺ سے کہا: ”ہم آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں کہتے البتہ آپ ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں، اُسے جھٹلاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين (۶، ۲۳)

(ترجمہ: یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں)

ہر قل نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ کیا اس نبی ﷺ نے جو بات کہی ہے، اس کے کہنے سے پہلے تم لوگ اُس پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ”نہیں۔“

آپ ﷺ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے۔ جس طرح بادشاہوں کے لیے ان کے خدام و حاشیہ بردار کھڑے رہتے ہیں اس طرح اپنے لیے آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کو کھڑے ہونے سے منع فرماتے تھے۔ مسکینوں کی عیادت کرتے تھے، فقرائے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، غلام کی دعوت منظور فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے بچوتے خود نکلتے تھے، اپنے کپڑے خود دیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر کے کام کاج کرتا ہے۔ آپ ﷺ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنی بکری خود دوہتے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔

آپ ﷺ سب سے بڑھ کر عہد کی پابندی اور صلہ و رحمی فرماتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت و رحم و مروت سے پیش آتے تھے۔ رہائش اور ادب میں سب سے اچھے تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق سب سے زیادہ کشادہ تھا۔ بد خلقی سے سب سے زیادہ دور و انفور تھے۔ نہ لعنت کرتے تھے، نہ بازار میں چیختے چلاتے تھے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیتے تھے۔ کسی کو اپنے پیچھے چلتا ہوا نہ جھوڑتے تھے اور نہ کھانے پینے میں اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے ترفع اختیار فرماتے تھے۔ اپنے خادم کا کام خود ہی کر دیتے تھے۔ کبھی اپنے خادم کو آف نہیں کہانہ اس پر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر عتاب فرمایا۔ مسکینوں سے محبت کرتے، ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ان کے جنازوں میں حاضر ہوتے تھے۔ کسی فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے۔ ایک بکری کانٹے پکانے کا مشورہ ہوا۔ ایک نے کہا: ذبح کرنا میرے ذمے۔ دوسرے نے کہا: کھال اتارنا میرے ذمے۔ تیسرے نے کہا: پکانا میرے ذمے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ابندھن کی لکڑیاں جمع کرنا میرے ذمے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم آپ ﷺ کا کام کر دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں جانتا ہوں کہ تم لوگ میرا کام کر دو گے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تم پر امتیاز حاصل کروں کیوں کہ اللہ اپنے بندے کی یہ حرکت ناپسند فرماتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے رفقاء سے ممتاز سمجھے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے اٹھ کر لکڑیاں جمع فرمائیں۔

آئیے! ذرا ہندو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سنیں۔ حضرت ہندو رضی اللہ عنہ اپنی ایک طویل روایت میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہمیشہ غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ بلا ضرورت نہ بولتے تھے۔ دیر تک خاموش رہتے تھے، از اول تا آخر بات پورے منہ سے کرتے تھے یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے تھے۔ جامع اور دو ٹوک کلمات کہتے تھے جن میں نہ فضول گوئی ہوتی تھی نہ کوتاہی۔ نرم و خُوش تھے۔ نعت معمولی بھی ہوتی تو اس کی تعظیم کرتے تھے۔ کسی چیز کی مذمت نہیں فرماتے تھے۔ حق کو کوئی نقصان پہنچاتا تو جب تک انتقام نہ لے لیتے آپ ﷺ کے غضب کو روکا نہ جاسکتا تھا۔ جب آپ ﷺ اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت ہتھیلی پلٹتے۔ آپ ﷺ کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی، مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔ ساتھیوں کو جوڑتے تھے، توڑتے نہ تھے۔ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے تھے اور اسی کو ان کا والی بناتے تھے۔ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی خبر گیری کرتے اور لوگوں کے حالات دریافت فرماتے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے قریب رہتے تھے، وہ سب سے اچھے لوگ تھے اور ان میں بھی آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہ تھا جو سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہو اور سب سے زیادہ قدر آپ ﷺ کے نزدیک اُس کی تھی جو سب سے اچھا غم کُسا و مددگار ہو۔

آپ ﷺ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے، جگہیں متعین نہ فرماتے۔۔۔ یعنی اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مقرر نہ فرماتے۔۔۔ جب قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم فرماتے۔ سب اہل مجلس پر برابر توجہ فرماتے حتیٰ کہ کوئی جلیس یہ محسوس نہ کرتا کہ کوئی شخص آپ ﷺ کے نزدیک اس سے زیادہ با عزت ہے۔ کوئی کسی ضرورت سے آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ ﷺ اتنے صبر کے ساتھ اُس کے لیے رُکے رہتے کہ وہ خود ہی واپس ہوتا۔ کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ ﷺ اُسے عطا کیے بغیر یا اچھی بات کہے بغیر واپس نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی خندہ جبینی اور اخلاق سے سب کو نوازا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ سب کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپ ﷺ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے، کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ ﷺ کی مجلس حلم و حیا اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور نہ خُرماتوں پر عیب لگتے تھے۔۔۔ یعنی کسی کی بے آبروئی کا اندیشہ نہ تھا۔۔۔ لوگ تقویٰ کی بہ دولت، باہم محبت و ہم دردی رکھتے تھے۔ بڑے کا احترام کرتے تھے، چھوٹے پر رحم کرتے تھے۔ حاجت مند کو نوازتے تھے اور اجنبی کو اُنس عطا کرتے تھے۔ خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اپنے پاؤں وغیرہ نہ پھیلاتے۔

حاصل یہ کہ نبی ﷺ بے نظیر صفات کمال سے آراستہ تھے۔ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو بے نظیر ادب سے نوازا تھا حتیٰ کہ اُس نے خود آپ ﷺ کی تعریف میں فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلِقْتَ عَظِيْمٌ (القلم: آیت ۴)

(ترجمہ: یقیناً آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔)

اور یہ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کی طرف کھنچ آتے۔ دلوں میں آپ ﷺ کی محبت بیٹھ گئی اور آپ ﷺ کو قیادت کا وہ مقام حاصل ہوا کہ لوگ آپ ﷺ پر وارفتہ ہو گئے۔ ان ہی خوبیوں کے سبب آپ ﷺ کی قوم کی اکڑ اور سختی، نرمی میں تبدیل ہوئی۔ یہاں تک کہ یہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئی۔ یاد رہے کہ جن خوبیوں کا ذکر ہم نے کیا ہے وہ آپ ﷺ

کے کمال اور عظیم صفات کے مظاہر کی چند چھوٹی چھوٹی لکیریں ہیں۔ ورنہ آپ ﷺ کے شرف اور شمائل و خصائل کی بلندی اور کمال کا یہ عالم تھا کہ ان کی حقیقت اور تہ تک نہ رسائی ممکن ہے نہ اس کی گہرائی ناپی جاسکتی ہے۔ بھلا عالم وجود کے اس سب سے عظیم بشری عظمت کی انتہا تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجدد کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نشیمن بنایا اور اپنے رب کے نور سے اس طرح منور ہوا کہ کتاب الہی ہی کو اس کا وصف اور خلق قرار دیا گیا یعنی:

ع قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

(الحق المختوم)

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری (۱۹۳۳ء-۲۰۰۶ء)

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری ایک سوانح نگار، عالم اور معروف مصنف تھے۔ اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں میں پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے دادا جان اور چچا جان سے حاصل کی جو زیادہ تر فارسی، عربی اور قرآن مجید سے متعلق تھی۔ اس کے بعد باقاعدہ تعلیم کے لیے مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا۔

آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ”الحق المختوم“ ہے جو سیرت رسول ﷺ یا حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں اور زاویوں پر مستند ترین دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ پہلے یہ کتاب عربی میں لکھی اور بعد میں خود ہی اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیا۔ اسلام اور عدم تشدد، تذکرہ مولانا محمد بن عبد الوہاب، قادیانیت اپنے آئینے میں، کے علاوہ دیگر تصانیف بھی مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کے علمی ترقی اور مقام و مرتبے کا ثبوت ہیں۔ آپ کو فارسی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ”الحق المختوم“ کو رابطہ اسلامی مکہ کی طرف سے منعقدہ مقابلہ سیرت النبی ﷺ میں پہلے انعام سے نوازا گیا۔ ۱۹۷۹ء میں منعقد ہونے والے اس مقابلے میں ساری دنیا سے دس ہزار سے زائد مقالے / مضامین پیش کیے گئے تھے۔ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری تریسٹھ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے اور مبارک پور میں سپرد خاک کیے گئے۔

مشق



i۔ مناسب ترین جواب کا انتخاب کریں:

(i) نبی کریم ﷺ فصاحت و بلاغت میں تھے:

الف۔ سب سے بڑھ کر ب۔ ممتاز ج۔ قابلِ فخر د۔ بے مثال

(ii) جب نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کو محفوظ کرنا شروع کیا گیا تو اسی دن سے شروع ہو گئی:

الف۔ نعت گوئی ب۔ قصیدہ گوئی ج۔ سیرت نگاری د۔ تاریخ نگاری

(iii) سبق ”ممالِ نفس اور مکارمِ اخلاق“ کس کتاب سے لیا گیا ہے؟

الف۔ سیرت النبی ﷺ ب۔ الحق المختوم ج۔ خاتم المرسلین د۔ اسوۂ کامل

(iv)۔ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو کہا جاتا تھا:

الف۔ امین ب۔ امیر مکہ ج۔ رئیس مکہ د۔ سردارِ اعلیٰ

(v) آپ ﷺ مسکراتے تو دانت چمکتے:

الف۔ ستاروں کی طرح ب۔ چاند کی طرح ج۔ اولوں کی طرح د۔ بجلیوں کی طرح

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:

الف۔ مصنف نے آپ ﷺ کے لیے ”جوامع الکلام“ کی لفظی ترکیب کس بنیاد پر استعمال کی ہے؟

ب۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تربیت کن اوصاف کے ذریعے کی تھی؟

ج۔ اس سبق کو پڑھنے کے بعد حضور ﷺ کی شخصیت کے تین اوصاف اپنے الفاظ میں لکھیں۔

د۔ آپ ﷺ کی بلندی کردار کن باتوں سے ظاہر تھی؟

ہ۔ حضور ﷺ کے جود و سخا کے متعلق ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کا کیا بیان ہے؟

و۔ حضور ﷺ کی شخصیت میں بہادری اور دلیری کس حد تک تھی؟ وضاحت کریں۔

ز۔ حضور ﷺ کی بہادری سے متعلق بیان کیے گئے واقعے کو اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

ح۔ حضرت ابو خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے حیا دار ہونے کے متعلق کیا فرمایا؟

ط۔ اپنے روزمرہ کے معاملات (کاموں) میں حضور ﷺ کا کیا معمول تھا؟

ی۔ حضور ﷺ کی مجالس کی کیفیت کیا ہوا کرتی تھی؟

مرکزی خیال:

مرکزی خیال کا لغوی مطلب وہ خاص معنی جسے ادبی اظہار کا روپ دینا، فن کار کا مقصد ہوتا ہے۔ اس لیے ادب پارے کو ایک دائرہ سمجھ لیا جاتا ہے اور مقصد کو مرکز۔ اصطلاحی اعتبار سے کسی بھی نظم یا نثر پارے کا نچوڑ یا اصلی مفہوم جس کو سامنے رکھ کر شاعر یا ادیب اسے تخلیق کرتا ہے، مرکزی خیال کہلاتا ہے۔ مرکزی خیال شاعر یا مصنف کے بنیادی پیغام کو سمجھ کر انتہائی مختصر الفاظ میں دو سے تین سطروں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

خلاصہ:

کسی تحریر کے اہم نکات کو بیان کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے۔ زائد الفاظ، جملوں اور خیالات و تصورات کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ خلاصے میں واقعات اور جملوں کی تکرار سے بچا جاتا ہے۔ طویل جملوں کو مختصر بنایا جاتا ہے جب کہ متعدد پیرا گرافوں کو ایک یا کم سے کم پیرا گراف میں لکھا جاتا ہے۔ گویا خلاصہ کسی بھی تحریر کا مختصر تحریری اظہار ہوتا ہے لیکن اس میں اصل تحریر کا کوئی اہم نکتہ چھوڑا نہیں جاتا۔ اگر تحریر مکالمے کی صورت میں ہو تو خلاصے یا تلخیص کو رواں عبارت کی صورت میں پیرا گراف میں لکھیں گے۔

۳۔ سبق ”کمال نفس اور مکارم اخلاق“ کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۴۔ سبق کو پڑھ کر مصنف اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کریں۔

درج ذیل عبارت سبق کے درمیان سے لی گئی ہے، ایک طالب علم اسے بلند آواز میں درست تلفظ کے ساتھ پڑھے جب کہ باقی طلبہ اس کے مرکزی خیال تک رسائی حاصل کر کے اس کے سیاق (دی گئی عبارت کے بعد کا حصہ) اور سیاق (دی گئی عبارت سے قبل کا حصہ) کے ساتھ اس کے اہم نکات کو باری باری بیان کریں:

شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی آپ ﷺ کا مقام سب سے بلند اور معروف تھا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل مواقع پر جب کہ اچھے اچھے جاں بازوں کے پاؤں اکٹڑ گئے، آپ ﷺ اپنی جگہ برقرار رہے اور پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پائے ثبات میں ذرا انفریشن نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسا ہوئے ہیں مگر آپ ﷺ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب زور کا زن پڑتا تھا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا۔ لوگ شور کی طرف دوڑے تو راستے میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ کر، خطرے کے مقام کا جائزہ لے چکے تھے۔ اُس وقت آپ ﷺ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے، بغیر زین کے گھوڑے پر سوار تھے۔ گردن میں تلوار حائل کر رکھی تھی اور فرما رہے تھے: ”ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔“ (کوئی خطرہ نہیں) سبق کے پڑھے گئے درج ذیل حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار خیال کریں جب کہ آخر میں دی گئی جزئیات کو پیش نظر رکھ کر تبصرہ تحریر کریں:

آپ ﷺ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے، جگہیں متعین نہ فرماتے۔ یعنی اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مقرر نہ فرماتے۔ جب قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم فرماتے۔ سب اہل مجلس پر برابر توجہ فرماتے حتیٰ کہ کوئی جلیس یہ محسوس نہ کرتا کہ کوئی شخص آپ ﷺ کے نزدیک اس سے زیادہ باعزت ہے۔ کوئی کسی ضرورت سے آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ ﷺ اتنے صبر کے ساتھ اُس کے لیے رُکے رہتے کہ وہ خود ہی واپس ہوتا۔

کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ ﷺ اُسے عطا کیے بغیر یا اچھی بات کہے بغیر واپس نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی خندہ جبینی اور اخلاق سے سب کو نوازا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ سب کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپ ﷺ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے، کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ ﷺ کی مجلس حلم و حیا اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور نہ خرمیوں پر عیب لگتے تھے۔ یعنی کسی کی بے آبروی کا اندیشہ نہ تھا۔۔۔ لوگ تقویٰ کی بہ دولت، باہم محبت و ہم دردی رکھتے تھے۔ بڑے کا احترام کرتے تھے، چھوٹے پر رحم کرتے تھے۔ حاجت مند کو نوازتے تھے اور اجنبی کو اُنس عطا کرتے تھے۔ خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اپنے پاؤں وغیرہ نہ پھیلاتے۔

الف۔ اس عبارت میں ان مجلسی آداب کے متعلق بیان کیا گیا ہے جنہیں حضور ﷺ پیش نظر فرماتے۔ حضور ﷺ نے جن آداب کو ملحوظ خاطر رکھا انہیں اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

ب۔ محفل میں اگر ہمارا مقام و مرتبہ ممتاز اور نمایاں بھی ہو تو ہمیں کس طرح کا طرزِ عمل اپنانا چاہیے؟ درج بالا عبارت کی روشنی میں تبصرہ تحریر کریں

عربی زبان کا لفظ ہے جو نقد سے ماخوذ ہے۔ اس کے لغوی معانی ہیں: پرکھنا، کھولنے اور کھرے کا فرق معلوم کرنا۔ اصطلاح میں کسی ادیب یا شاعر کی تخلیقی کاوش کے محاسن اور معائب کا صحیح اندازہ کرنا اور سچائی کے ساتھ اپنی رائے پیش کرنا تنقید کہلاتا ہے۔ تنقید چند ایسے اصولوں کا نام ہے جن کے باعث کسی ادیب پارے کی تمام خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ استحسان کا مطلب ہے کہ کسی ادیب پارے میں ایسی باتوں اور نکات کی تلاش ہے جن کی وجہ سے وہ ادیب پارہ لوگوں میں اہل علم طبقے میں اچھا، مستحسن یا پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر بے لاگ رائے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ان نکات کو پیش نظر رکھ کر جو گفت گو کی جائے گی اسے تنقیدی گفت گو کہیں گے۔

فیچر:

سوشل اور الیکٹرانک میڈیا کے تیز رفتور دور نے پرنٹ میڈیا کی اہمیت و افادیت کسی حد تک کم کر دی ہے۔ وہ روزنامے، رسائل اور جرائد جو کسی زمانے میں ہزاروں کی تعداد میں اشاعت پذیر ہو کر تھے، حالات کی ستم ظریفی کہیے کہ اب ان کی تعداد معدوم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ یہ اخبارات مختلف موضوعات پر خبریں، ادارے اور فیچر شامل اشاعت کرتے تھے۔ اردو صحافت میں فیچر کی اصطلاح متعدد معانی میں مستعمل ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی خبر کے کسی ایک پہلو یا زاویے کو کسی قدر نمایاں کرنا مقصود ہو تو اس پہلو کو فیچر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ایسی خبر گردش میں ہو جس میں عوام کی دل چسپی کا عنصر زیادہ ہو اور اس سے اخبار کی فروخت میں اضافے کا بھی امکان ہو تو اس خبر کو بھی فیچر کر دیا جاتا ہے۔ مستقل عنوانات کے تحت بھی فیچر تحریر کیے جاتے ہیں۔ گویا فیچر اس مضمون کو کہا جاسکتا ہے جس میں قارئین سے بہ راہ راست گفت گو کا اسلوب نمایاں ہو اور اس میں ڈرامائی، داستانی طرز اپنایا گیا ہو۔ فیچر ایک بے ساختہ، دل چسپ تحریر ہے جس میں دی گئی معلومات یا خبروں کا مفہوم، معنی اور مطلب بہ آسانی پہنچ جاتا ہے۔ چوں کہ صحافتی محضر کے مخاطب ہر ذہنی، فکری اور علمی سطح کے لوگ ہوتے ہیں اس لیے اسلوب تحریر ایسا اختیار کیا جاتا ہے کہ سب کی سمجھ میں آجائے۔ سائنسی، تحقیقی، لسانی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی اور معاشی موضوعات کے فیچر بھی ہو سکتے ہیں۔

۷۔ درج ذیل موضوعات پر کسی روزنامہ اخبار میں شائع ہونے والی تنقیدی بحث کو نوٹ کریں۔ اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی موضوع کے حامل کسی فیچر، ڈرامے یا خبر پر کی گئی اس تنقید کو پوری کلاس کے طلبہ پانچ پانچ کے گروہوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو سنائیں۔ موضوع کی مناسبت سے ہر طالب علم اپنی رائے کا اضافہ بھی کرے:

الف۔ سوشل میڈیا کے آداب

ب۔ برداشت اور رواداری

ج۔ تخفیفِ غربت

۸۔ درج ذیل عبارت پڑھ کر اس میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کریں۔
نبی ﷺ فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ آپ طبیعت کی روانی، لفظ کے نکھار، فقرہ کی جزالت، معانی کی صحت اور تکلف کی دوری کے ساتھ ساتھ جوامع الکلام (جامع باتوں) سے نوازے گئے تھے۔ آپ ﷺ کو نادر حکمتوں اور عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہوا تھا۔ چنانچہ

آپ ﷺ ہر قبیلے سے اسی کی زبان اور محاوروں میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ ﷺ میں بدویوں کا زور بیان اور قوتِ مخاطب اور شہریوں کی شگفتگی الفاظ، شگفتگی جمع تھی اور وحی پر مبنی تائیدِ ربانی الگ سے۔

بُردباری، قوتِ برداشت، قدرتِ پاکرِ گذر اور مشکلات پر صبر! ایسے اوصاف تھے جن کے ذریعے اللہ نے آپ ﷺ کی تربیت کی تھی۔ ہر حلیم و بُردبار کی کوئی نہ کوئی لغزش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلندی کردار کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی ایذا رسانی اور بد معاشیوں کی خود سری و زیادتی جس قدر بڑھتی گئی آپ ﷺ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا، جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپ ﷺ سب سے بڑھ کر اس سے دُور رہتے۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا۔ البتہ اگر اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

حروف اور ان کی اقسام:

حروفِ فحائیہ:

i۔ حروفِ ندا:

کسی کو پکارنے یا آواز دینے کے لیے استعمال ہونے والے حروف کو حروفِ ندا کہتے ہیں۔

مثلاً یا اللہ!، اوئے!، اچی!، او، اے! وغیرہ

ii۔ حروفِ تحسین یا انبساط:

کسی کی تعریف یا خوشی کے اظہار کے لیے بولے جانے والے حروف کو حروفِ تحسین یا حروفِ انبساط کہتے ہیں۔

مثلاً سبحان اللہ!، شایاش!، واہ واہ!، مرحبا! وغیرہ

iii۔ حروفِ نفرین:

نفرت یا ملامت کے اظہار کے لیے استعمال ہونے والے حروف کو حروفِ نفرین کہتے ہیں۔

مثلاً ائف!، لعنت!، پھنکار!، ہزار لعنت!، وغیرہ

iv۔ حروفِ تاسف:

یہ حروف غم یا افسوس کے اظہار کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

افسوس!، وائے!، ہائے!، اُف!، ہے ہے! وغیرہ

v۔ حروفِ تنبیہ:

وہ حروف جو خبردار کرنے اور ڈرانے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً خبردار، زہار، دیکھنا، وغیرہ

vi۔ حروف استعجاب:

تعجب اور حیرانی کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً اللہ اللہ!، اللہ اکبر!، اوہو! وغیرہ

vii۔ حروف تہنیت:

کسی خوشی یا کامیابی کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً مبارک باد!، شاہاش!، بہت خوب! وغیرہ

viii۔ حروف تمنا:

کسی تمنا، آرزو اور خواہش کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً: کاش کہ!، کاش!، اے کاش! وغیرہ

ix۔ حروف قسم:

وہ حروف جو قسم کھانے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً یہ خدا!، واللہ! وغیرہ

۹۔ درج ذیل حروف کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے چلے بنائیں تاکہ وہ تحریر و تقریر میں استعمال ہو سکیں:

اے!، بہت خوب!، اے!، سنو!، حاشا وکلا!، حیف!



کالج میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر ایک سیسی نار منعقد کرائیں جس میں صدر شعبہ اسلامیات سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ”برداشت اور رواداری“ کے موضوع پر تقریر کرائیں۔



اس سبق کی تدريس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کلام / بات کو آواز اور میان سے سن کر نظم و نثر کے مرکزی خیال، نکتے یا تصویر تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ اور موضوع بیان کر سکیں۔
- کسی بات، پیغام، کلام، نشریات، کہانی مکالمے کو سن کر اس کے حسن و قبح کا جائزہ لیتے ہوئے دہرا سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجہ، آہر چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- مختلف منظوم اور منثور اصنافِ ادب پڑھ کر مصنفین کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- ناول / سفر نامہ / انشائیہ / افسانہ / ڈراما کے اجزا اور ادبی محاسن کو شناخت کرتے ہوئے ان پر ہدایات کے مطابق عمل کر سکیں۔
- اپنی جماعت کے معیار کے مطابق روزمرہ، ضرب الامثال اور محاورات کا استعمال کرتے ہوئے سادہ اور مرکب جملے تحریر کر سکیں۔
- واحد جمع (جمع مکسر / جمع سالم) بنا سکیں اور استعمال کر سکیں۔
- جمع الجمع کا تحریر میں بر محل استعمال کر سکیں۔

خاص	سوانیزے پر	چٹھیل میداں	سفید پوش	صور	شرابور
الفاظ	ڈر بہ ڈر	بغض و عناد	قد آور	ہنگلانا	گوش گزار کرنا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو پاکستانی زبانوں پنجابی، سندھی، بلوچی، براہوی، پشتو اور کشمیر، گلگت بلتستان کی زبانوں میں لکھے جانے والے افسانوں کے تراجم سے روشناس کرائیں۔



پڑھتے ہوئے

افسانہ کس کہانی کو کہتے ہیں اور یہ صنفِ نثر کس زبان سے اردو میں وارد ہوئی؟

پڑھتے ہیں

دوپہر کا وقت تھا، سورج سوانیزے پر کھڑا تھا۔ گرمی کی شدت نے چیونٹیوں اور پرندوں سے لے کر چیتوں اور ہاتھیوں تک کو پریشان کر رکھا تھا۔ جہاں تک نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، دنیا ایک چٹیل میدان نظر آرہی تھی اور زمین ایک تپتے ہوئے توبے کی مانند تھی۔

ایکایک دور سے ایک گرد اٹھتی ہوئی نظر آنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی جان دار آ رہا ہے لیکن یہ جاننا مشکل تھا کہ وہ کوئی حیوان تھا، انسان تھا یا سواری کے ساتھ کوئی انسان!

اونچی عمارت کے دروازے کے سامنے کھڑے خوش شکل اور قد آور سفید پوش نوجوان کی نگاہیں اسی گرد پرکھی ہوئی تھیں اور وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا، جو لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر ہوتی آرہی تھی۔

جب گرد قریب پہنچی تو اس میں سے ایک ایسا بوڑھا شخص نمودار ہوا جو پچھلی ہوئی پگڑی، بیوندوں سے آئی ہوئی چوڑی شلوار اور گریبان اور آستینوں سے عاری لمبی قمیض پہنے ہوئے تھا، جس کا چہرہ گرد آلود اور پاؤں ننگے تھے اور جو جلدی جلدی اس عمارت کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جوں ہی وہ عمارت کے سامنے پہنچا اور اس میں داخل ہونے لگا تو عمارت کے پاسان نوجوان نے اسے روکتے ہوئے کہا:

”آپ پہلے کہاں تھے؟“

”میں۔۔۔ میں۔۔۔ سویا۔۔۔ ہوا۔۔۔ تھا۔۔۔“

”آپ سوئے ہوئے تھے۔ لیکن کیوں؟“ نوجوان نے حیرت سے پوچھا: ”کیا آپ نے صور کی زوردار آواز نہیں سنی تھی؟“

”نہیں تو۔۔۔۔۔“ بوڑھے نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا: ”مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔۔۔۔۔“

پھر بے چینی سے نوجوان کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا:

”مجھے۔۔۔ مجھے اس عمارت میں داخل ہونے دیں۔ تاکہ کچھ آرام تو کر سکوں۔۔۔ اف کتنی گرمی ہے۔۔۔۔۔“

نوجوان کچھ مسکرایا اور حیرانی سے بوڑھے کو دیکھتا رہا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بوڑھا اس کے لیے کوئی انوکھی چیز ہو۔ تھوڑی دیر بعد نوجوان نے کہا:

”کیا آپ کو معلوم ہے کہ آج کون سادن ہے؟“

”اوہ نہیں۔۔۔ نہیں تو۔۔۔۔۔“ بوڑھے نے جواب دیا: ”میں نے پہلے بتایا تھا کہ میں سویا ہوا تھا۔۔۔ مجھے سورج کی تپتی ہوئی شعاعوں نے جگا

دیا۔۔۔۔۔“

نوجوان کو بوڑھے پر رحم آیا کہ اس بے چارے کو کسی چیز کا احساس ہی نہیں۔ اس لیے اس نے بتایا۔ ”بابا! آج عشر ہے عشر!۔۔۔۔۔ صبح خدا نے حساب کتاب شروع کیا تھا۔ یہ ان لوگوں کی جگہ ہے، جنہوں نے دنیا میں اچھے کام کیے ہیں۔ اس جگہ کو جنت کہتے ہیں۔ لیکن۔۔۔ لیکن آپ تو نیند سے ابھی بیدار ہوئے ہیں۔ آپ کا حساب کتاب ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ آپ کو کس نے اس عمارت میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے۔۔۔۔۔؟“ پھر کچھ دیر بعد اس نے خود ہی کہا:

”تھوڑا صبر کریں، آپ کا نام جنتیوں کے رجسٹر میں دیکھ لوں۔۔۔ شاید خدا نے آپ پر رحم کیا ہو اور آپ کو جنتیوں میں شامل کیا ہو۔۔۔ وہ بے

شک بزار حیم اور مہربان ہے۔“ نوجوان رجسٹر میں اس کا نام تلاش کرنے لگا۔

”جناب! آپ کا کیا نام ہے؟“ نوجوان نے دریافت کیا۔

”میرا۔۔۔۔۔ میرا نام۔۔۔۔۔ میرا نام کلیڈ ہے۔“

”آپ کے باپ کا نام؟“ نوجوان نے ایک بار پھر دریافت کیا۔

”میرے باپ کا۔۔۔ میرے باپ کا نام ٹہلو ہے جناب!“ بوڑھے نے جواب دیا۔

”آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟“ نوجوان نے تیسرا سوال پوچھا۔

بوڑھے نے جو پسینے سے شرابور تھا، اور اپنے ننگے پاؤں گرمی کے باعث بار بار اٹھا رہا تھا، پھر جواب دیا۔ ”جناب!۔۔۔ میں پنچیس کرز بلوچستان کا رہنے والا ہوں اور میری عمر ستر سال ہے۔۔۔“ اس نے اپنی عمر پوچھے بغیر ہی بتادی۔

”اطمینان رکھیے اب آپ کا نام دیکھ لوں گا“ نوجوان نے اپنی نگاہیں سامنے رکھے ہوئے رجسٹر پر ڈال دیں جو چار اونٹوں کے بوجھ سے بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اطمینان سے اور اقل التمار ہانگر بوڑھا جو گرمی سے ننگ آچکا تھا، انتظار نہ کر سکا اس لیے اس نے پھر نوجوان سے کہا:

”میں گرمی سے مر جا رہا ہوں مجھے جنت میں جانے دیں۔“

نوجوان نے کوئی جواب نہ دیا اور کافی دیر تک اور اقل التمار رہنے کے بعد کہا:

”آپ کا نام یہاں نہیں ہے۔۔۔ یعنی آپ کا نام جنتیوں کے ناموں میں شامل نہیں ہے یعنی جناب! آپ جنتی نہیں ہیں۔ یہ عمارت آپ کے لیے نہیں۔“

بوڑھے نے دنیا میں سن رکھا تھا کہ عشر میں جو شخص جنتی نہ ہو تو اس کی جگہ دوزخ ہوگی جو آگ اور انگاروں سے بھری رہتی ہے۔ جب نوجوان کے منہ سے اس نے اپنے جنتی نہ ہونے کی بات سنی تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ عاجزی سے نوجوان کی منت سماجت کرنے لگا۔ نوجوان کو اس پر رحم آگیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس سے کہا:

”اس طرف جاؤ۔ آگے کچھ مکانات نظر آئیں گے۔ شاید وہاں آپ کا نام ہو۔ بے چارہ!“

بے چارہ بوڑھا گرمی کے مارے پسینے سے شرابور ہوتا ہوا ان جانی منزل کی جانب بھاگتا رہا اور راستے میں جب تھک جاتا تو بیٹھ کر ذرا سستالیتا اور پھر اٹھ کر بھاگتا رہتا۔ جب اسے دور سے بعض مکانات نظر آئے تو اس نے اپنی رفتار تیز کر لی اور بالآخر وہاں پہنچ گیا۔ وہ مٹی اور گارے کے مکانات تھے۔ مگر ان کے ارد گرد کے مناظر خوب صورت تھے اور وہ ایک بڑی چار دیواری کے اندر واقع تھے۔ اس چار دیواری کے دروازے کے سامنے بھی ایک نوجوان کھڑا تھا۔ یہ نوجوان پچھلے نوجوان کی مانند خوش شکل اور قد آور تو نہ تھا مگر پھر بھی اچھا لگتا تھا۔ بوڑھے نے دل میں سوچا کہ شاید یہ نوجوان پچھلے نوجوان کا بھائی ہو۔ لیکن پھر اس نے اپنا خیال خود ہی رد کر دیا۔

”نہیں، یہ بھائی تو نہیں ہو سکتے، البتہ ہم پیشہ ہو سکتے ہیں۔“ جب قریب پہنچا تو نوجوان کو سلام دے کر کہا:

”بیٹے میرے نام کو اپنے رجسٹر میں تلاش کریں۔ میں آپ کے ہم پیشہ نوجوان کے کہنے پر یہاں آیا ہوں۔ صبح میں حساب کتاب سے رہ رہ گیا ہوں خدا نے میرا نام جنتیوں کے ناموں میں شامل نہیں کیا۔ شاید آپ کے رجسٹر میں میرا نام درج ہو۔ جلدی کیجیے جلدی کیوں کہ مجھے سخت گرمی لگ رہی ہے۔ میں اس شدید گرمی کو اب مزید برداشت نہیں کر سکتا میرے بیٹے!“

بوڑھا بولتا جا رہا تھا اور نوجوان حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ بھلا کون ہو گا جو حشر کے دن بھی در بدر پھر رہا ہے۔ نوجوان ابھی تک سوچ رہا تھا کہ بوڑھے نے پھر کہا:

”میرا نام کلیڈ ہے۔۔۔ میرے باپ کا نام ٹہلو ہے۔ میری عمر ستر سال ہے۔ میں پنچیس کرز بلوچستان کا باشندہ ہوں۔ میں سو گیا تھا اور حساب کتاب سے رہ گیا تھا۔ آپ اپنے رجسٹر میں میرا نام تو دیکھیے لیکن جلدی کیجیے، کیوں کہ میں گرمی سے مر جا رہا ہوں۔“

بوڑھے نے پوچھے بغیر اپنے تمام حالات نوجوان کے گوش گزار کر دیے۔ نوجوان اپنے رجسٹر میں اس کا نام تلاش کرنے لگا، مگر کچھ دیر بعد اس نے

بوڑھے سے پوچھا:

”کیا نام بتایا آپ نے اپنا۔۔۔ کلیر اور باپ کا نام تھلو؟ یہ نام یہاں نہیں ہے۔“

بوڑھے نے دیکھا کہ نوجوان نے اس کا نام اور اس کے باپ کا نام دونوں غلط بتائے۔ شاید رجسٹر میں بھی اس نے غلط دیکھے ہیں۔ اس لیے اس نے اپنا نام اور اپنے باپ کا نام دونوں دوبارہ بتا دیے:

”میرا نام کلید اور میرے باپ ٹہلو ہے آپ یہی نام دیکھ لیں۔“

نوجوان نے پھر کلیر ولد تھلو کے نہ ہونے کا اعلان کیا۔ بوڑھے نے پھر کلید ولد ٹہلو دیکھنے کی استدعا کی۔ عربی اور بلوچی کے فرق نے دونوں کو کافی پریشان کر رکھا تھا۔ کلید ولد ٹہلو اور کلیر ولد تھلو کی الجھن سے بیزار ہو کر نوجوان نے مشرق کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

”اس طرف چلے جائیے۔ آپ کو ایک آگ جلتی ہوئی نظر آئے گی۔ اسی آگ کے پاس جائیے، آپ کو کلیر ولد تھلو کا نام وہیں مل جائے گا۔“

اتنا کہہ کر نوجوان نے اپنا منہ پھیر لیا۔ بوڑھا سمجھ گیا کہ وہ بیزار ہو گیا ہے۔۔۔ اس لیے مجبوراً وہاں سے چلنے لگا مگر پھر کچھ سوچ کر اس نے پوچھا:

”یہ بتائیے کہ اس جگہ کا کیا نام ہے جہاں کچھلی جگہ کی طرح میرا نام نہیں ہے۔“

”ہا ہا اس جگہ کو ”اعراف“ کہتے ہیں۔۔۔“ نوجوان نے عسے جواب دیا: ”یہ ان لوگوں کی جگہ ہے۔ جو یہاں چند سال گزارنے کے بعد جنت

میں جاتے ہیں۔ یہاں آپ کا نام نہیں ہے۔۔۔ میری جان تو چھوڑیے۔“

بوڑھا مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اور بے بسی اور مجبوری سے شدید گرمی میں بھاگتا رہا۔ اسی امید پر کہ شاید کہیں کوئی سایہ مل جائے۔ اس نے دور سے ایک آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ آگ کے شعلے کبھی سرخ کبھی سبز اور کبھی کالے نظر آ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد دھوپ کی گرمی کے ساتھ ساتھ آگ کے شعلوں کی گرمی نے بھی بوڑھے کو آلیا۔ لیکن وہ چلتا رہا۔ جب قریب پہنچا تو ایک شخص نے بوڑھے کا خیر مقدم کیا۔ یہ شخص ان دونوں نوجوانوں سے مختلف تھا۔ یہ شخص انتہائی کالا اور بد شکل تھا۔ ناک ہاتھی کی ناک جیسی اور آنکھیں پیشانی پر۔ ایک مونا سا ڈنڈا ہاتھ میں، جس کا سرا جھلا ہوا۔

”آپ کون ہیں اور یہاں کیسے آئے ہیں؟“ کالے شخص نے بوڑھے سے دریافت کیا: ”جائیے! یہاں سے چلے جائیے یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔“

”میں سو گیا تھا۔ حساب کتاب سے رہ گیا تھا۔۔۔ جنت اور اعراف میں میرا نام نہیں تھا۔ اب آپ مہربانی کر کے اپنے رجسٹر میں دیکھیں کہ میرا نام اس میں ہے کہ نہیں۔۔۔ میرا نام۔“

”یہاں کوئی رجسٹر و رجسٹر نہیں ہے ہا۔“ بوڑھے کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس کالے شخص نے بتایا: ”جس کے گناہ ثوابوں سے زیادہ ہوں ان کی جگہ یہیں ہے۔ یہاں نام کے ذریعے کوئی نہیں آتا۔۔۔ لیکن آپ کیسے آئے ہیں؟ یہاں تو ہر کسی کو فرشتے لاتے ہیں اور آگ سے بھرے ہوئے کنوؤں میں پھینک دیتے ہیں۔“ ”میں حیران ہوں۔“ بوڑھے نے کہا:

”دنیا میں میری ایک بڑی قوم تھی۔ لیکن یہاں تو میری قوم کا ایک فرد بھی نظر نہیں آتا؟ شاید مجھ سے پہلے آئے ہیں۔ اگر میں انھیں دیکھ لیتا تو مجھے اپنی جگہ کا بھی پتا چل جاتا۔ آپ مہربانی کر کے مجھے وہ کنوئیں تو دکھادیں، جہاں آپ کے بقول فرشتے لوگوں کو لا کر پھینک دیتے ہیں؟“

کالا شخص جو اخلاق و ہم دردی کے لحاظ سے پچھلے دونوں نوجوانوں سے بہتر تھا، بوڑھے کو دوزخ کی سیر کرانے لگا۔ تاکہ وہ اپنی قوم کو دیکھ سکے۔
 بوڑھے نے دیکھا کہ آگ اور انگاروں سے بھرے ہوئے کنوؤں میں لوگ جل رہے ہیں۔ جب وہ ایک کنوئیں کے قریب پہنچے تو کالے شخص نے پوچھا:
 ”کیا یہیں ہیں آپ کے لوگ؟“

بوڑھے نے اپنی نگاہیں اٹھا کر کنوئیں کے اندر دیکھا، جہاں لوگ خاموشی سے جل رہے تھے۔ کوئی ایک شخص بھی ہاتھ پاؤں نہیں ہلارہا تھا۔
 ”نہیں یہ میری قوم نہیں ہے۔“ بوڑھے نے جواب دیا: ”میری قوم اتنی کامل نہیں تھی۔“
 کالا شخص بوڑھے کو ایک دوسرے کنوئیں کے قریب لے گیا۔ اور اس سے پوچھنے لگا:
 ”کیا یہ ہے آپ کی قوم؟“

بوڑھے نے پھر نگاہیں اٹھا کر دوسرے کنوئیں کے اندر دیکھا، جہاں سارے لوگ آپس میں بے پناہ ہم دردی رکھتے تھے اور ہر شخص کی کوشش
 یہی تھی کہ دوسرے کے بہ جائے وہی جل جائے۔

”نہیں نہیں۔ یہ قوم میری نہیں ہو سکتی۔ میری قوم اتنی تو کبھی نہیں رہی ہے۔“
 دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک اور کنوئیں کے قریب پہنچے۔ بوڑھے نے کالے شخص کے کہنے پر اس کنوئیں میں بھی نگاہیں اٹھا کر دیکھا
 جہاں سارے لوگ رو رہے تھے اور ایک دوسرے کے نیچے گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔
 ”نہیں جی نہیں!“ بوڑھے نے کہا: ”ایسی بزدل قوم میری ہرگز نہیں ہو سکتی۔“
 پھر دونوں ایک اور بڑے کنوئیں کے قریب گئے۔ اس کنوئیں کی آگ کنوئیں کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔
 ”کیا یہی ہے آپ کی قوم؟“ کالے شخص نے پھر بوڑھے سے دریافت کیا۔

بوڑھے نے کنوئیں کے لوگوں کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی آنکھیں موند کر اچھی طرح سے دیکھنے لگا۔ ذرا اور آگے بڑھا اور اپنی آنکھیں اچھی طرح
 سے موند کر بہ غور دیکھا اور پھر بے ساختہ چیخ اٹھا: ”یہی ہے۔۔۔ یہی ہے۔۔۔ میری قوم! بے شک یہی ہے۔“

کالا شخص حیرت سے بوڑھے کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس نے اپنی قوم کو کس طرح پہچان لیا؟ پھر اس نے پوچھا:
 ”آپ کی قوم کی شناخت کیا ہے؟ ان لوگوں کی شکلیں تو مسخ ہو چکی ہیں اور کھالیں تک اتر چکی ہیں۔ اس حالت میں آپ نے کیوں کر
 انہیں پہچان لیا؟“

”آپ کی بات درست ہے۔“ بوڑھے نے جواب دیا: ”لیکن قوم شکل سے نہیں کردار سے پہچانی جاسکتی ہے۔۔۔ دیکھیے! ہر فرد اس کوشش میں
 ہے کہ کنوئیں سے باہر نکل جائے۔ جب ایک فرد کنوئیں کے کنارے تک پہنچ جاتا ہے اور باہر نکلنے ہی والا ہوتا ہے تو دوسرے افراد اس کے
 پاؤں پکڑ کر کھینچتے ہیں اور اسے دوبارہ کنوئیں میں گرا دیتے ہیں تاکہ وہ نکل نہ جائے کیوں کہ اس سے دوسرے افراد پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ کردار
 دنیا میں میری قوم کے سوا اور کسی قوم کا نہ تھا۔ یہ غیر متحد اور بغض و عناد رکھنے والی قوم میری ہے۔ مجھے جانے دیجیے اس کے پاس کہ یہی ہے
 میری قوم!“

(بلوچی سے ترجمہ: غنی پرواز)

غوث بہار (۱۹۵۲-۲۰۱۸ء)

غوث بہار بلوچی زبان کے معروف افسانہ نگار اور شاعر ہیں۔ انھوں نے بلوچی لسانیات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ انھوں نے اردو ادب سے بلوچی میں تراجم بھی کیے ہیں۔ بلوچی رسم الخط، عروض اور دیگر لسانی موضوعات پر وہ مسلسل لکھتے رہے ہیں۔ بلوچی زبان کی ترویج کے لیے انھوں نے متعدد مضامین اور مقالے تحریر کیے۔ غوث بہار کا تعلق قلم اور کتاب کے اس قبیلے سے سمجھا جاتا ہے جس نے نامساعد حالات میں بھی قلم کی حرمت کا سودا نہ کیا اور معاشی تنگی کے باوجود علم و ادب سے مجڑبے رہے۔ لسانیات پر ان کی تین کتابیں شائع ہوئیں۔ دو بلوچی افسانوی مجموعے ”زر گوات“ اور ”کرکینک“ کے علاوہ بلوچی شاعری کا ایک مجموعہ ”ایٹنکین بلور“ ان کے ادبی ورثے کا حصہ ہیں۔ غوث بہار نے کوئٹہ میں ۲۰۱۸ء میں وفات پائی۔

غنی پڑا ۱۵ اگست ۱۹۳۵ کو بلوچستان کے شہر تربت میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے ادب، ثقافت، فلسفہ، سیاسیات، صحافت، تعلیم اور انسانی حقوق سے دلچسپی رہی ہے۔ ساری عمر علم و ادب کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اپنی ادبی زندگی میں کہانیوں، شاعری، افسانہ نگاری، ناول نگاری، ڈراما، تنقید نگاری، تحقیق اور ترجمہ جیسے شعبوں میں اردو، انگریزی اور بلوچی زبان میں تصنیف و تالیف کا کام کیا۔



۱۔ درج ذیل اقتباس کو پڑھ کر دیے گئے سوالات کے جواب لکھیں:

کالا شخص حیرت سے بوڑھے کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس نے اپنی قوم کو کس طرح پہچان لیا؟ پھر اس نے پوچھا:

”آخر آپ کی قوم کی شناخت کیا ہے؟ ان لوگوں کی شکلیں تو مسخ ہو چکی ہیں اور کھالیں تک اتر چکی ہیں۔ اس حالت میں آپ نے کیوں کر انھیں پہچان لیا؟“

”آپ کی بات درست ہے۔“ بوڑھے نے جواب دیا: ”لیکن قوم شکل سے نہیں کردار سے پہچانی جاسکتی ہے۔ دیکھیے! ہر فرد اس کوشش میں ہے کہ کنوئیں سے باہر نکل جائے۔ جب ایک فرد کنوئیں کے کنارے تک پہنچ جاتا ہے اور باہر نکلنے ہی والا ہوتا ہے تو دوسرے افراد اس کے پاؤں پکڑ کر کھینچتے ہیں اور اسے دوبارہ کنوئیں میں گرا دیتے ہیں تاکہ وہ نکل نہ جائے کیوں کہ اس سے دوسرے افراد پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ کردار دنیا میں میری قوم کے سوا اور کسی قوم کا نہ تھا۔ یہ غیر متحد اور بغض و عناد رکھنے والی قوم میری ہے۔ مجھے جانے دیجیے اس کے پاس کہ یہی ہے میری قوم!“

سوالات:

- الف۔ کالا شخص بوڑھے کی کس بات سے حیران تھا؟
- ب۔ بوڑھے کے مطابق قوم کی پہچان کس سے ہوتی ہے؟
- ج۔ اس عبارت سے ہمیں کیا پیغام حاصل ہوتا ہے؟
- د۔ بوڑھے نے اپنی قوم کو کس نشانی سے پہچانا؟

۲۔ افسانہ ”محشر“ کا درج ذیل حصہ درمیان سے لیا گیا ہے۔ ایک طالب علم درست تلفظ کے ساتھ بلند خوانی کرے جب کہ باقی طلبہ اسے سن کر افسانے کے مرکزی خیال، نکتے یا تصویر تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھیں اور اپنے اپنے الفاظ میں جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے بیان کریں:

بوڑھے نے جو پسینے سے شرابور تھا، اور اپنے ننگے پاؤں گرمی کے باعث بار بار اٹھا رہا تھا، پھر جواب دیا۔ ”جناب!۔۔۔ میں پنچیس

کرز بلوچستان کا رہنے والا ہوں اور میری عمر ستر سال ہے۔۔۔“ اس نے اپنی عمر پوچھے بغیر ہی بتادی۔

”اطمینان رکھیے اب آپ کا نام دیکھ لوں گا“ نوجوان نے اپنی نگاہیں سامنے رکھے ہوئے رجسٹر پر ڈال دیں جو چار اونٹوں کے بوجھ سے بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اطمینان سے اور اراق التمار ہانگر بوڑھا جو گرمی سے تنگ آچکا تھا، انتظار نہ کر سکا اس لیے اس نے پھر نوجوان سے کہا: ”میں گرمی سے مرا جا رہا ہوں مجھے جنت میں جانے دیں۔“

نوجوان نے کوئی جواب نہ دیا اور کافی دیر تک اور اراق التمار رہنے کے بعد کہا: ”آپ کا نام یہاں نہیں ہے۔۔۔ یعنی آپ کا نام جنتیوں کے ناموں میں شامل نہیں ہے یعنی جناب! آپ جنتی نہیں ہیں۔ یہ عمارت آپ کے لیے نہیں۔“

بوڑھے نے دنیا میں سن رکھا تھا کہ محشر میں جو شخص جنتی نہ ہو تو اس کی جگہ دوزخ ہوگی جو آگ اور انگاروں سے بھری رہتی ہے۔ جب نوجوان کے منہ سے اس نے اپنے جنتی نہ ہونے کی بات سنی تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ عاجزی سے نوجوان کی منت سماجت کرنے لگا۔

۳۔ آپ نے افسانہ ”محشر“ کی کہانی اور اس میں بوڑھے اور نوجوان کے درمیان ہونے والے مکالمے کو سنا۔ اس افسانے کی عبارت کو غور سے سننے اور پڑھنے کے بعد اس میں موجود حسن و قبح کا جائزہ لیتے ہوئے دہرائیں۔ حسن و قبح سے مراد وہ خوبیاں اور خامیاں ہیں جنہیں ایک نقاد کسی ادب پارے کا معیار قائم کرنے کے لیے بیان کرتا ہے۔ یعنی زبان و بیان کا انداز کیا ہے؟ کہانی کا پلاٹ، آغاز، اختتام اور نقطہ عروج کس حد تک متاثر کن ہے؟ کردار نگاری، مکالمہ نگاری کس حد موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں؟

۴۔ عبارت کو درست تلفظ، لہجہ، لہجہ، انداز چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں۔

دراصل ماسٹر صاحب سیدھے آدمی تھے اور ان کو زمانے کے ساتھ چلنے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا۔ کچھ تو ان کی شکل ہی ایسی تھی کہ اُسے دیکھ کر لوگوں کے دل میں محبت یا ہم دردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تھا اور کچھ ان کی گفت گو اس انداز کی ہوتی تھی کہ کسی کو اس پر یقین نہیں آتا تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ ہیرا پھیری نہیں کرتے تھے۔ مہالنے سے کام نہیں لیتے تھے۔ شیخی نہیں بگھارتے تھے۔ کسی کو خوف زدہ نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے کسی کو ان کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ ان کی گفت گو میں کرام کی اور علم بیان کی بہت سی غلطیاں ہوتی تھیں اور سننے والا جھٹلا کر ان کی صحبت چھوڑ دیتا تھا۔ وہ اتنے سیدھے اور اس قدر بے بیج تھے کہ انسان ہی نہیں لگتے تھے۔ سارے محلے اور ساری سوسائٹی پر ایک بوجھ سا لگتے تھے اور چوں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ رسم و راہ پیدا کرنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا، اس لیے کوئی بھی ان کا دوست نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ محلے والے ان کی عزت کرتے تھے اور ان کے دروازے کے آگے سے گزرتے ہوئے ”السلام علیکم“ کہہ کر آگے بڑھ جاتے۔

۵۔ افسانہ ”محشر“ کو پڑھ کر ہر دلیسر غنی پر واز کی طرزِ تحریر پر تبصرہ کریں۔

i۔ ناول

ناول سے مراد ایسی طویل کہانی ہے جس میں انسانی زندگی کے معمولی واقعات اور روزانہ پیش آنے والے معاملات کو اس انداز میں بیان کیا جائے کہ پڑھنے والے کو اس میں دل چسپی پیدا ہو۔ یہ دل چسپی پلاٹ، منظر نگاری، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری سے پیدا کی جاتی ہے۔ ناول اس نثری قصے کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص نقطہ نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعاتی عکاسی کی گئی ہو۔ ناول کا مرکزی کردار اس کا ہیرو ہوتا ہے۔ واقعات میں ایک تسلسل موجود ہوتا ہے۔ حقیقت نگاری اور صداقت بیانی اس کا خاصہ ہے۔ اس کا موضوع انسانی زندگی ہوتا ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے حالات و واقعات اور معاملات کو انتہائی گہرے اور مکمل مشاہدے کے بعد کہانی کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ناول کے اجزاء: کہانی، پلاٹ، کردار، مکالمے، منظر نگاری، زبان و بیان

ii۔ ڈراما

ڈراما یونانی زبان کے لفظ ڈراما سے مشتق ہے۔ جس کے معنی عمل کر کے دکھانا۔ ڈرامے کی ابتدا بھی یونان سے ہوئی۔ برصغیر میں بھی قدیم زمانوں سے ڈرامے کا سراغ ملتا ہے۔ راجہ بکرماجیت کے عہد کا لکھا ہوا ڈراما ”شکنتلا“ دنیا بھر میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ڈراما کھیلا کرتے تھے۔ مگر بعد میں ترقی کر کے فن کی منزل تک پہنچ گیا۔ ڈرامے کی دو مشہور اقسام ہیں۔ ۱۔ طریبہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں فنی اور مزاح کے ذریعے سماج کی کم زوریوں سے پردہ اٹھایا جائے۔ ۲۔ المیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں پیش آنے والے واقعات اندوہناک ہوں اور اس کا انجام المیہ ہو۔

ڈرامے کے اجزاء ترکیبی: پلاٹ، کردار نگاری، ارتقائی عمل، کش مکش، مکالمے، اسٹیج، حرکات و سکنات، اختتامی عمل

iii۔ افسانہ

لغت میں افسانہ ایک فرضی کہانی کو کہتے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں یہ ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جو زندگی کا ایک جزو پیش کرتی ہے۔ افسانہ: اختصار اور وحدت تاثر کی حامل بھی ایک کہانی ہوتی ہے۔ افسانہ یا مختصر افسانہ کم سے آدھے گھنٹے میں پڑھا جانے والا ایسا قصہ ہوتا ہے جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو اختصار اور دل چسپی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے کے اجزاء ترکیبی میں: پلاٹ، کردار، نقطہ نظر یا مرکزی خیال، مکالمہ، آغاز و اختتام اور اسلوب بیان شامل ہیں۔

۶۔ آپ نے افسانہ ”محشر“ پڑھا ہے۔ افسانے کے اجزاء ترکیبی کے حوالے سے اوپر دی گئی ہدایات کے مطابق ”محشر“ کے ادبی محاسن کو شناخت کریں۔

روزمرہ، محاورہ، ضرب الامثال کے استعمال سے سادہ اور مرکب جملے بنانا

اہل زبان کی بات چیت جو روزمرہ زندگی میں کرتے ہیں، روزمرہ کہلاتی ہے۔ اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ جو اہل زبان کی بول چال کے موافق، حقیقی معنوں میں استعمال ہو، روزمرہ کہلاتا ہے۔ مثلاً: ہر روز، آئے دن، پانچ سات

دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ جو اپنے لغوی معنوں کی بجائے مجازی معانی میں استعمال ہو، محاورہ کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر: اپنا آئینہ سیدھا کرنا، بات کا پتنگ بنانا۔

ضرب المثل ایک ایسا مکمل جملہ ہوتا ہے جو کسی واقعے کو بتانے اور اس پر مہر تائید ثبت کرنے کا ایک نرا انداز ہے جس سے گفت گو اور کلام میں چاشنی پیدا ہوتی ہے اور مضمون نہایت عمدہ ہو جاتا ہے۔ ضرب المثل کو کہادت بھی کہتے ہیں۔ مثلاً دال میں کچھ کالا ہے، چور کی داڑھی میں تنکا اگر کوئی جملہ ایک ہی جے پر مشتمل ہو یعنی کوئی ایک خبر وغیرہ دی گئی ہو تو اسے سادہ جملہ کہیں گے۔ تاہم اگر جملہ دو یا دو سے زائد حصوں پر مشتمل ہو تو اسے مرکب جملہ کہتے ہیں۔ پہلے کو اصل جملہ جب کہ وہ سرے کو بتانے پر مشتمل ہوتا ہے۔

۸۔ درج ذیل روزمرہ، محاورات اور ضرب الامثال کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے مرکب اور سادہ جملے لکھیں:

آسمان سے گرا کجور میں الکا،	روز بہ روز،	آب آب ہونا،	ایک انار سو بیار،
ایک پتھہ دو کاج،	آسمان سے باتیں کرنا،	آفت کا پر کالہ،	پھونک پھونک کر قدم رکھنا، اونچی
دکان پھیکا پکوان،	عید کا چاند ہونا،	آنکھوں سے اترنا	

۱۔ جمع (جمع مکسر اور جمع سالم) یا جمع الجمع:

وہ لفظ جو فقط ایک شخص، شے یا جگہ کے لیے استعمال ہو۔ واحد کہلاتا ہے۔

مثلاً: اثر، کتب، عام وغیرہ، واحد کہلاتا ہے۔

وہ لفظ ایک سے زیادہ اشخاص، اشیاء یا جگہوں کے لیے استعمال ہو "جمع" کہلاتا ہے۔ مثلاً: آثار، کتب، عوام وغیرہ

جمع کی صورتیں

جمع کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

جمع مکسر، جمع سالم، تثنیہ، جمع الجمع

جمع مکسر: واحد سے جمع بناتے ہوئے واحد کی صورت بالکل بدل جائے تو اسے جمع مکسر کہتے ہیں۔ مثلاً: تصویر سے تصاویر، اکبر سے اکابر وغیرہ

جمع سالم: واحد سے جمع بناتے وقت واحد کے حروف میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو تو اسے جمع سالم کہیں گے۔ مثلاً: ماہر سے ماہرین، مجاہد سے مجاہدین وغیرہ۔

تثنیہ: عربی زبان میں دو چیزوں کے لیے جمع کی ایک الگ صورت استعمال کی جاتی ہے، اسے تثنیہ کہتے ہیں۔ مثلاً: والد سے والدین، عید سے عیدین وغیرہ

جمع الجمع: کسی واحد سے جمع کی جمع کو "جمع الجمع" کہتے ہیں۔

مثلاً: خبر سے اخبار، اخبار سے اخبارات، لقب سے القاب، القاب سے القابات۔

۸۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے جمع لکھیں۔ (جمع مکسر جمع سالم اور تثنیہ) اس کے علاوہ جن الفاظ کی جمع الجمع بن سکتی ہے بتائیں اور جملوں میں استعمال کریں:

نور، خاتون، آفت، اثر، امام، سلطان، وجہ، شجر، استعارہ، نادر، دوا، اکبر



شفیع عقیل کی تصانیف "پنجابی لوک کہانیاں" یا "پنجاب کی لوک داستانیں" کا لٹریچریری سے جاری کرا کے اس کا مطالعہ کریں۔



اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- اپنی گفتگو میں جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات ادا کر سکیں۔
- افسانوی اور غیر افسانوی اقتباس کو اس کے اسلوب اور بیان کے پیش نظر خاص مقاصد (تہنیم / تجزیہ / موازنہ) کے لیے پڑھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- کسی ادبی، علمی یا سماجی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ، اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کر سکیں۔
- حروف ربط، حروف جار، حروف اضافت، حروف استفہام، حروف عطف، حروف تردید، حروف شرط و جزاء، حروف علت، حروف انشاء، حروف بیان اور حروف تشبیہ کو تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔
- تذکیر و تاسیث (اسم اور ضمائر) کا فہم رکھتے ہوئے زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کو روزمرہ گفتگو / تحریر / تخلیق میں استعمال کر سکیں۔

خاص	غریب الحال	جوق در جوق	معاوضہ	ضرب و شکر	توفیق
الفاظ	پایادہ	مُسافت	مُصرف	بُتیار	شہوار

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سبق خوانی سے قبل طلبہ کو افسانہ، کہانی اور ناول کے فرق کے بارے میں بتائیں اور خاص طور پر اردو افسانہ نگاری کی روایت پر مختصر آگاہی دیں۔



پڑھتے سے پہلے جانیں

- کوئی سے تین افسانوں کے نام بتائیں؟
- "شہاب نامہ" کس کی تصنیف ہے؟

پڑھیں



ماں جی کی پیدائش کا صحیح سال معلوم نہ ہو سکا۔ جس زمانے میں لائل پور کا ضلع بنایا آباد ہو رہا تھا، پنجاب کے ہر قصبے سے غریب الحال لوگ زمین حاصل کرنے کے لیے اس نئی کالونی میں جوق در جوق کھینچے چلے آ رہے تھے۔ عرف عام میں لائل پور، جھنگ، سرگودھا وغیرہ کو "بار" کا علاقہ کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں ماں جی کی عمر دس بارہ سال تھی۔ اس حساب سے ان کی پیدائش پچھلی صدی کے آخری دس پندرہ سالوں میں کسی وقت ہوئی ہوگی۔

ماں جی کا آبائی وطن تحصیل روڑہ ضلع انبالہ میں ایک گاؤں منیلہ نامی تھا۔ والدین کے پاس چند ایکڑ اراضی تھی۔ ان دنوں روڑہ میں دریائے ستلج سے نہر سرہند کی کھدائی ہو رہی تھی۔ ناناجی کی اراضی نہر کی کھدائی میں ضم ہو گئی۔ روڑہ میں انگریز حاکم کے دفتر سے ایسی زمینوں کے معاوضے دیے جاتے تھے۔ ناناجی دو تین بار معاوضے کی تلاش میں شہر گئے لیکن سیدھے آدمی تھے۔ کبھی اتنا بھی معلوم نہ کر سکے کہ انگریز کا دفتر کہاں ہے اور معاوضہ وصول

کرنے کے لیے کیا قدم اٹھانا چاہئے۔ انجام کار صبر و حکم کر کے بیٹھ گئے اور مہر کی کھدائی کی مزدوری کر لے گئے۔ انھی دنوں پرچہ لگا کہ ہار میں کلائی کھل گئی ہے اور نئے آبادکاروں کو مفت زمین مل رہی ہے۔ ناناجی اپنی بیوی، دو ننھے بیٹوں اور ایک بیٹی کا کنہہ ساتھ لے کر لائل پور روانہ ہو گئے۔ سواری کی توفیق نہ تھی۔ اس لیے پانچواہ چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے۔ ناناجی جگہ بہ جگہ قلی کا کام کر لیتے یا کسی مال پر لکڑیاں چیر دیتے۔ نانی اور مال جی کی کاسوت کات دیتیں یا مکانوں کے فرش اور دیواریں لپ ویتیں۔ لائل پور کا صحیح راستہ کسی کو نہ تھا تھا جگہ جگہ بھٹکتے تھے اور پوچھ پوچھ کر دنوں کی منزل ہفتوں میں طے کرتے تھے۔

ڈیڑھ دو مہینے کی مسافت کے بعد جزائوالا پہنچے۔ پایادہ چلنے اور محنت مزدوری کی مشقت سے سب کے جسم بڑھال اور پاؤں سوخے ہوئے تھے۔ یہاں پر چند ماہ قیام کیا۔ ناناجی دن بھر غلہ منڈی میں بوریاں اٹھالے کا کام کرتے۔ نانی چرخہ کاشت کرتی تھیں اور مالی جی گھر سنبھالتی تھیں جو ایک چھوٹے سے جموینڈے پر مشتمل تھا۔ انھی دنوں بقر عید کا تہوار آیا۔ ناناجی کے پاس چند روپے جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے مالی جی کو تمنا آئے۔ یہ طور عیدی دے۔ زندگی میں پہلی بار مالی جی کے ہاتھ اتنے پیسے آئے تھے۔ انھوں نے بہت سوچا لیکن اس رقم کا کوئی مصرف الہ کی کچھ ٹیپ نہ آسکا۔ ولایت کے وقت الہ کی عمر کوئی اسی برس کے لگ بھگ تھی لیکن الہ کے نزدیک سو روپے، دس روپے، پانچ روپے کے نوٹوں میں اتنا بڑا کام نہ تھا۔ عیدی کے تین آنے کنی روز مالی جی کے دوپٹے کے ایک کونے میں بندھے رہے۔ جب روزہ جزائوالا سے رخصت ہو رہی تھیں مالی جی نے گیارہ پیسے کا تیل خریدا کہ مسجد کے چراغ میں ڈال دیا۔ باقی ایک پیسہ اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد جب کبھی گیارہ پیسے پورے ہو جاتے تو وہ فوراً مسجد میں تیل بھجو دیتیں۔ ساری عمر جمعرات کی شام کو اس عمل پر بڑی وضع داری سے پابند رہیں۔ رفتہ رفتہ بہت سی مسجدوں میں بجلی آگئی لیکن لاہور اور کراچی جیسے شہروں میں نہیں آئی تھیں ایسی مسجدوں کا علم رہتا تھا جہاں کے چراغ اب بھی تیل سے روشن ہوتے تھے۔ ولایت کی شب بھی مالی جی کے سر ہالے لہلہ کے رومال میں بندھے ہوئے چند آنے موجود تھے۔ غالباً یہ پیسے بھی مسجد کے تیل کے لیے جمع کر رکھے تھے چونکہ وہ جمعرات کی شب تھی۔

ان چند آئینوں کے علاوہ ماں جی کے پاس نہ کچھ اور رقم تھی اور نہ کوئی زپور۔ اسباب دنیا میں اللہ کے پاس گنتی کی چیز چھڑیں نہیں۔ لیکن جوڑے موٹی کپڑے، ایک جوڑا دیگی چوتا، ایک جوڑا بڑے چٹل، ایک عینک، ایک انگوٹھی جس میں تین پتھر لگے تھے اور نئے ہارے اوڑھے تھے۔ ایک جائے نماز، ایک تسبیح اور باقی اہلہ اللہ۔ پہننے کے لیے تین جوڑوں کو وہ خاص اہتمام سے رکھتی تھیں۔ ایک بہت تیز، دوسرا اپنے ہاتھوں سے دھو کر نیکے کے پیچے رکھا رہتا تھا۔ تاکہ استری ہو جائے تیسرا دھونے کے لیے تیار۔ اللہ کے علاوہ اگرچہ تھا کہ لڑائی کے واسطے آقا کا تو وہ چمکے سے ایک جوڑا مکی کو دے دیتی تھیں۔ اسی وجہ سے ساری عمر انھیں سوٹ کیس رکھنے کی حاجت محسوس نہ ہوئی۔ لمبے لمبے سفر پر وہ الہ او لے کے لیے انھیں تیار کیا تھا چند منٹ سے زیادہ نہ لگتے تھے۔ کپڑوں کی پوتلی بنا کر انھیں جائے نماز میں لپیٹا۔ چاندویں ادنیٰ مراد، گر میڈیں میں ٹیل کی دو پٹے کی بگل مار کی اور جہاں کیسے چلنے کو تیار۔ سفر آخرت بھی انھوں نے اسی سادگی سے اختیار کیا۔ میلے کپڑے اپنے ہاتھوں سے دھو کر نیکے کے پیچے رکھے۔ نہادھو کر بال سکھائے اور چند ہی منٹوں میں زندگی کے سب سے لمبے سفر پر روانہ ہو گئیں۔ جس خاموشی سے دنیا میں رہی تھیں، اسی خاموشی سے فطرت کو سدھار گئیں۔ غالباً اس موقع کے لیے وہ اکثر یہ دعا مانگا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ ہاتھ چلاتے چلائے۔ اللہ ہمیں کسی کا محتاج نہ کرے۔

کھانے پینے میں وہ کپڑے لٹے سے بھی زیادہ سادہ اور غریب مزاج تھیں۔ ان کی مرغوب لڑائی غذا کھنی کی روٹی، دھنپے پودنے کی مٹنی کے ساتھ تھی۔ باقی چیزیں خوشی سے تو کھا لیتی تھیں لیکن شوق سے نہیں۔ تقریباً ہر لوہے پر اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔ پھلوں میں کبھی بہت ہی مجبور کیا جائے

تو کبھی کبھار سیکے کی فرمائش کرتی تھیں۔ البتہ ناشتے میں چائے دو دھالے اور ٹیمبر سے پہر سادہ چائے کا ایک پیالہ ضرور پیتی تھیں۔ کھانا صرف ایک وقت کھاتی تھیں۔ اکثر و بیشتر دو پہر کا، شاد و نادر رات کا۔ گرمیوں میں عموماً ٹھنڈی لٹالی ہوئی تلی تمکین لسی کے ساتھ ایک آدھ سادہ چٹال ان کی محبوب خوراک تھی۔

دوسروں کو کوئی چیز رعبت سے کھاتے دیکھ کر خوش ہوتی تھیں اور ہیشہ دعا کرتی تھیں۔ سب کا ہنگامہ خاص اپنے اپنے بچوں کے لیے انھوں نے برابر اسٹک کبھی کبھہ دیا لگا۔ پہلے دوسروں کے لیے مانگتی تھیں اور اس کے بعد مخلوق خدا کی حاجت روائی کے طفیل اپنے بچوں یا عزیزوں کا بھلا چاہتی تھیں۔ اپنے بچوں یا بیٹیوں کو انھوں نے اپنی لڑکیاں سے کبھی ”میرے بیٹے“ یا ”میری بیٹی“ کہنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہمیشہ ان کو اللہ کا مال کہا کرتی تھیں۔ کسی سے کوئی کام لینا مانا جی پر بہت گراں گزر جاتا تھا۔ اپنے سب کام وہ اپنے ہاتھوں خود انجام دیتی تھیں۔ اگر کوئی ملازم زبردستی ان کا کوئی کام کر دیتا تو انھیں ایک عجیب قسم کی شرمندگی کا احساس ہونے لگتا تھا اور وہ احسان مندی سے سارا دن اسے وعائیں دیتی رہتی تھیں۔ سادگی اور روایتی کا یہ رکھ رکھاؤ کچھ تو قد رت لے ماں جی کی سرشت میں پیدا کیا تھا کچھ یقیناً زندگی کے زیر و بم نے سکھایا تھا۔

جڑا لوالا میں کچھ عرصہ قیام کے بعد جب وہ اپنے والدین اور خور و سال بھائیوں کے ساتھ زمین کی تلاش میں لائل پور کی کالونی کی طرف روانہ ہوئیں تو انھیں معلوم نہ تھا کہ انھیں کس مقام پر جانا ہے اور زمین حاصل کرنے کے لیے کیا قدم اٹھانا ہے؟

ماں جی بتایا کرتی تھیں کہ اس زمانے میں ان کے ذہن میں کالونی کا تصور ایک فرشتہ سیرت بزرگ کا تھا جو کہ کہیں سیراہ بیہاڑ میں کے پروانے تقسیم کر رہا ہو گا۔ کئی مہینے یہ چھوٹا سا قافلہ لائل پور کے علاقے میں پایادہ بھٹکتا رہا لیکن کسی راہ گزار پر انھیں کالونی کا خضر صورت رہ نما نہ مل سکا۔ آخر تنگ آکر انھوں نے چک نمبر ۳۹۲ جو ان دنوں لیا لیا آباد ہو رہا تھا ڈیرے ڈال دیے۔ لوگ جوق در جوق وہاں آکر آباد ہو رہے تھے۔ ناناجی نے اپنی سادگی میں یہ سمجھا کہ کالونی میں آباد ہونے کا شاید یہی ایک طریقہ ہو گا۔ چنانچہ انھوں نے ایک چھوٹا سا احاطہ گھیر کر گھاس پھوس کی چھوٹی بوائی اور بچہ راضی کا ایک قطعہ تلاش کر کے کاشت کی تیاری کرنے لگے۔ انھی دنوں محکمہ مال کا عملہ پڑتال کے لیے آیا۔ ناناجی کے پاس الاٹ منٹ کے کاغذات نہ تھے۔ چنانچہ انھیں چک سے نکال دیا گیا اور سرکاری زمین پر ناجائز چھوٹی بوائی کی پاداش میں ان کے برتن اور بستر قرق کر لیے گئے۔ محلے کے ایک آدمی نے چاندی کی دو ہالیاں بھی ماں جی کے کالوں سے اتر والیں۔ ایک ہالی اتارنے میں ڈرا دیر ہوئی تو اس نے زور سے کھینچ لی۔ جس سے ماں جی کے کان کالیریں حصہ بری طرح سے پھٹ گیا۔

چک ۳۹۲ سے نکل کر جو راستہ سامنے آیا اس پر چل کھڑے ہوئے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ دن بھر لو چلتی تھی۔ پانی رکھنے کے لیے مٹی کا پیالہ بھی پاس نہ تھا۔ جہاں کہیں کوئی کنواں نظر آیا ماں جی اپنا دوپٹہ بھگو لیتیں تاکہ پیاس لگنے سے اپنے چھوٹے بھائیوں کو چسائی جائیں۔ اس طرح وہ چلتے چلتے چک نمبر ۵۰ میں پہنچے جہاں پر ایک جان پہچان کے آباد کار نے ناناجی کو اپنا مزارع رکھ لیا۔ ناناجی مل چلاتے تھے۔ نانی موٹی چرانے لے جاتی تھیں۔ ماں جی کھیتوں سے گھاس اور چاراکاٹ کر زمین دار کی بھینسوں اور گایوں کے لیے لایا کرتی تھیں۔ ان دنوں انھیں مقدور بھی نہ تھا کہ ایک وقت کی روٹی بھی پوری طرح کھا سکیں۔ کسی وقت جنگلی بیروں پر مزارہ ہوتا تھا۔ کبھی خربوزے کے چھلکے اہال کر کھا لیتے تھے۔ کبھی کسی کھیت میں مکی انبیاں مری ہوئی مل گئیں تو ان کی چٹنی بنا لیتے تھے۔ ایک روز کہیں سے تورے اور کلتھے کا ملا جلا ساگ ہاتھ آ گیا۔ نانی محنت مزدوری میں مصروف تھیں۔ ماں جی نے ساگ چوہے پر چڑھا لیا۔ جب چک کر تیار ہو گیا اور ساگ کو گھونٹنے کا وقت آیا تو ماں جی نے ڈوٹی ایسے زور سے چلائی کہ ہڈیا کا پینڈا ٹوٹ گیا اور سارا ساگ بہ کر

چوہے میں آپڑا۔ ماں جی کونانی سے ڈانٹ پڑی اور مار بھی۔ رات کو سارے خاندان نے چوہے کی لکڑیوں پر گرا ہوا ساگ اگلیوں سے چاٹ چاٹ کر کسی قدر پیٹ بھرا۔

چک نمبر ۵۰ ناناجی کو خوب راس آیا۔ چند ماہ کی محنت مزدوری کے بعد نئی آباد کاری کے سلسلے میں آسان قسطوں پر ان کو ایک مربع زمین مل گئی۔ رفتہ رفتہ دن پھرنے لگے اور تین سال میں ان کا شمار گاؤں کے کھاتے پیتے لوگوں میں ہونے لگا۔ جوں جوں فارغ البالی بڑھتی گئی توں توں آبائی وطن کی یاد ستانے لگی۔ چنانچہ خوش حالی کے چار پانچ سال گزارنے کے بعد سارا خاندان ریل میں بیٹھ کر منیلہ کی طرف روانہ ہوا۔ ریل کا سفر ماں جی کو بہت پسند آیا۔ وہ سارا وقت کھڑکی سے باہر منہ نکال کر تماشا دیکھتی رہیں۔ اس عمل میں کونسلے کے بہت سے ذرے ان کی آنکھوں میں پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے کئی روز تک وہ آشوب چشم میں مبتلا رہیں۔ اس تجربے کے بعد انھوں نے ساری عمر اپنے کسی بچے کو ریل کی کھڑکی سے باہر منہ نکالنے کی اجازت نہ دی۔

ماں جی ریل کے تھرڈ کلاس ڈبے میں بہت خوش رہتی تھیں۔ ہم سفر عورتوں اور بچوں سے فوراً گھل مل جاتیں۔ سفر کی تھکان اور راستے کے گرد و غبار کا ان پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ اس کے برعکس اونچے درجوں میں بہت بے زار ہو جاتیں۔ ایک دو بار جب انھیں مجبوراً انٹر کنڈیشن ڈبے میں سفر کرنا پڑا تو وہ تھک کر چور ہو گئیں اور سارا وقت قید کی صعوبت کی طرح ان پر گراں گزرا۔ منیلہ پہنچ کر ناناجی نے اپنا آبائی مکان درست کیا۔ عزیز واقارب کو تحائف دیے۔ دعوتیں ہوئیں اور پھر ماں جی کے لیے بڑھونڈنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس زمانے میں لاکل پور کے مربیعہ داروں کی بڑی دھوم تھی۔ ان کا شمار خوش قسمت اور باعزت لوگوں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ چاروں طرف سے ماں جی کے لیے پے در پے پیام آنے لگے۔ یوں بھی ان دنوں ماں جی کے بڑے ٹھاٹھ ہاتھ تھے۔ برادری والوں پر رعب گانٹنے کے لیے نانی جی انھیں ہر روز نئے کپڑے پہناتی تھیں اور ہر وقت دلہنوں کی طرح سجا کر رکھتی تھیں۔ کبھی کبھار پرانی یادوں کو تازہ کرنے کے لیے ماں جی بڑے معصوم فخر سے کہا کرتی تھیں: ان دنوں میرا تو گاؤں میں نکلنا ڈوبھرا ہو گیا تھا۔ میں جس طرف سے گزر جاتی لوگ ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے اور کہا کرتے: یہ خیال بخش مربیعہ دار کی بیٹی جا رہی ہے۔ دیکھیے! کون خوش نصیب اسے بیاہ کر لے جائے گا۔ ”ماں جی! آپ کی اپنی نظر میں کوئی ایسا خوش نصیب نہیں تھا!“ ہم لوگ چھیڑنے کی خاطر ان سے پوچھا کرتے۔ ”توبہ توبہ پُت!“ ماں جی کانوں پر ہاتھ لگاتیں ”میری نظر میں بھلا کوئی کیسے ہو سکتا تھا۔ ہاں میرے دل میں اتنی سی خواہش ضرور تھی کہ اگر مجھے ایسا آدمی ملے جو دو حرف پڑھا لکھا ہو تو خدا کی بڑی مہربانی ہو گی۔“ ساری عمر میں غالباً ہی ایک خواہش تھی جو ماں جی کے دل میں خود اپنی ذات کے لیے پیدا ہوئی۔ اس کو خدا نے یوں پورا کر دیا کہ اسی سال ماں جی کی شادی عبد اللہ صاحب سے ہو گئی۔

ان دنوں سارے علاقے میں عبد اللہ صاحب کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ ایک امیر کبیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن پانچ چھ برس کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے اور بے حد مفلوک الحال بھی۔ جب باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو یہ انکشاف ہوا کہ ساری آبائی جائیداد ہن پڑی ہے۔ چنانچہ عبد اللہ صاحب اپنی والدہ کے ساتھ ایک جھونپڑے میں اٹھ آئے۔ زر اور زمین کا یہ انجام دیکھ کر انھوں نے ایسی جائیداد بنانے کا عزم کر لیا جو مہاجنوں کے ہاتھ گروی نہ رکھی جاسکے۔ چنانچہ عبد اللہ صاحب دل و جان سے تعلیم حاصل کرنے میں منہمک ہو گئے۔ وظیفے پر وظیفہ حاصل کر کے اور دو سال کے امتحان ایک ایک سال میں پاس کر کے پنجاب یونیورسٹی کے میٹرکولیشن میں اول آئے۔ اس زمانے میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ کسی مسلمان طالب علم نے یونیورسٹی امتحان میں ریکارڈ قائم کیا ہو۔ اڑتے اڑتے یہ خبر سرسید کے کانوں میں پڑ گئی جو اس وقت علی گڑھ مسلم کالج کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ انھوں نے اپنا خاص منشی

گاؤں میں بھیجا اور عبد اللہ صاحب کو وظیفہ دے کر علی گڑھ بلا لیا۔ یہاں پر عبد اللہ صاحب نے خوب بڑھ چڑھ کر اپنا رنگ نکالا اور بی۔ اے کرنے کے بعد انیس برس کی عمر میں وہیں پر انگریزی، عربی، فلسفہ اور حساب کے ٹیکچرار ہو گئے۔

سرسید کو اس بات کی دھن تھی کہ مسلمان نوجوان زیادہ سے زیادہ اُحداد میں اعلیٰ ملازمتوں پر جائیں۔ چنانچہ انھوں نے عبد اللہ صاحب کو سرکاری وظیفہ دلوایا تاکہ وہ انگلستان میں جا کر آئی سی ایس کے امتحان میں شریک ہوں۔

پچھلی صدی کے بڑے بوڑھے سات سمندر پار کے سفر کو بلائے ناکہانی سمجھتے تھے۔ عبد اللہ صاحب کی والدہ نے بیٹے کو ولایت جانے سے منع کر دیا۔ عبد اللہ صاحب کی سعادت مندی آڑے آئی اور انھوں نے وظیفہ واپس کر دیا۔ اس حرکت پر سرسید کو بے حد غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا۔ انھوں نے لاکھ سمجھایا، بھجایا، ڈرایا، دھمکایا لیکن عبد اللہ صاحب ہنس سے مس نہ ہوئے۔ ”کیا تم اپنی بوڑھی ماں کو قوم کے مفاد پر ترجیح دیتے ہو؟“ سرسید نے کڑک کر پوچھا:

”جی ہاں“ عبد اللہ صاحب نے جواب دیا۔ یہ نکاسا جواب سن کر سرسید آپے سے باہر ہو گئے۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے پہلے انھوں نے عبد اللہ صاحب کو لالتوں، مکوں، تھپڑوں اور جوتوں سے خوب پیٹا اور کالج کی نوکری سے برخاست کر کے یہ کہہ کر علی گڑھ سے نکال دیا: ”اب تم ایسی جگہ جا کر مرو جہاں سے میں تمہارا نام بھی نہ سُن سکوں۔“

عبد اللہ صاحب جتنے سعادت مند بنے تھے، اتنے ہی سعادت مند شاگرد بھی تھے۔ نقشے پر انھیں سب سے دُور افتادہ اور دشوار گزار مقام گلگت نظر آیا۔ چنانچہ وہ ناک کی سیدھ میں گلگت پہنچے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کی گورنری کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ جن دنوں ماں جی کی منگنی کی فکر ہو رہی تھی انھی دنوں عبد اللہ صاحب بھی چھٹی پر گاؤں آئے ہوئے تھے۔ قسمت میں دونوں کا سنیوگ لکھا ہوا تھا۔ ان کی منگنی ہو گئی اور ایک ماہ بعد شادی بھی ٹھہر گئی تاکہ عبد اللہ صاحب دلہن کو اپنے ساتھ گلگت لے جائیں۔ منگنی کے بعد ایک روز ماں جی اپنی سہیلیوں کے ساتھ پاس والے گاؤں میں میلاد کیلئے گئی ہوئی تھیں۔ اتفاقاً شاید دانستہ عبد اللہ صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ ماں جی کی سہیلیوں نے انھیں گھیر لیا اور ہر ایک نے چیخڑ چیخڑ کر ان سے پانچ پانچ روپے وصول کر لیے۔ عبد اللہ صاحب نے ماں جی کو بھی بہت سے روپے پیش کیے لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ بہت اصرار بڑھ گیا تو مجبوراً ماں جی نے گیارہ پیسے کی فرمائش کی۔ ”اتنے بڑے میلے میں گیارہ پیسے لے کر کیا کرو گی؟“ عبد اللہ صاحب نے پوچھا۔ ”اگلی جمعرات کو آپ کے نام سے مسجد میں تیل ڈال دوں گی۔ ماں جی نے جواب دیا۔ زندگی کے میلے میں بھی عبد اللہ صاحب کے ساتھ ماں جی کا لین دین صرف جمعرات کے گیارہ پیسوں تک ہی محدود رہا۔ اس سے زیادہ رقم نہ کبھی انھوں نے مانگی نہ اپنے پاس رکھی۔

گلگت میں عبد اللہ صاحب کی بڑی شان و شوکت تھی۔ خوب صورت بنگلہ، وسیع باغ، نوکر چاکر، دروازے پر سپاہیوں کا پہرہ۔ جب عبد اللہ صاحب دورے پر باہر جاتے تھے یا واپس آتے تھے تو سات توپوں کی سلامی دی جاتی تھی۔ یوں بھی گلگت کا گورنر خاص سیاسی انتظامی اور سماجی اقتدار کا حامل تھا لیکن ماں جی پر اس سارے جاہ و جلال کا ذرہ بھی اثر نہ ہوا۔ کسی قسم کا چھوٹا بڑا ماحول ان پر اثر انداز نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ماں جی کی اپنی سادگی اور خود اعتمادی ہر ماحول پر خاموشی سے چھا جاتی تھی۔ ان دنوں سرمایہ کی حکومت برطانیہ کی طرف سے گلگت کی روسی اور چینی سرحدوں پر پولیٹیکل ایجنٹ کے طور پر مامور تھے۔ ایک روز لیڈی ہیلی اور ان کی بیٹی ماں جی سے ملنے آئیں۔ انھوں نے فراک پہنے ہوئے تھے اور پنڈلیاں کھلی تھیں۔ یہ بے حجابی ماں جی کو پسند نہ

آئی۔ انھوں نے لیڈی ہیلی سے کہا: ”تمہاری عورت جیسے گزرنی تھی گزری گئی ہے۔ اب آپ اپنی بیٹی کی عاقبت تو خراب نہ کرو۔“ یہ کہہ کر انھوں نے مس ہیلی کو اپنے پاس رکھ لیا اور چند مہینوں میں اسے کھانا پکانا، سینا پر دنا، برتن مانجھنا، کپڑے دھونا سکھا کر ماں باپ کے پاس واپس بھیج دیا۔

جب روس میں انقلاب برپا ہوا تو لارڈ کچنر سرحدوں کا معائنہ کرنے گلگت آئے۔ ان کے اعزاز میں گورنر کی طرف سے ضیافت کا اہتمام ہوا۔ ماں جی نے اپنے ہاتھ سے دس بارہ قسم کے کھانے پکائے۔ کھانے لذیذ تھے۔ لارڈ کچنر نے اپنی تقریر میں کہا: ”مسٹر گورنر! جس خانساں نے یہ کھانے پکائے ہیں، بہ راہ مہربانی میری طرف سے آپ ان کے ہاتھ چوم لیں۔“ دعوت کے بعد عبداللہ صاحب فرحان و شاداں گھر لوٹے تو دیکھا کہ ماں جی باورچی خانے کے ایک کونے میں چٹائی پر بیٹھی نمک اور مرچ کی چٹنی کے ساتھ مکئی کی روٹی کھا رہی ہیں۔ ایک اچھے گورنر کی طرح عبداللہ صاحب نے ماں جی کے ہاتھ چومے اور کہا: ”اگر لارڈ کچنر یہ فرمائش کرتا کہ وہ خود خانساں کے ہاتھ چومنا چاہتا ہے تو پھر تم کیا کرتیں؟“

”میں“ ماں جی تنک کر بولیں۔ ”میں اس کی مونچھیں پکڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیتی۔ پھر آپ کیا کرتے؟“

”میں“ عبداللہ صاحب نے ڈراما کیا۔ ”میں ان مونچھوں کو روٹی میں لپیٹ کر واسرائے کے پاس بھیج دیتا اور تمہیں ساتھ ملے کر کہیں اور بھاگ جاتا، جیسے سرسید کے ہاں سے بھاگا تھا۔“ ماں جی پر ان مکالموں کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا لیکن ایک بار.... ماں جی رشک و حسد کی اس آگ میں جل نہیں کر سہاں ہو گئیں جو ہر عورت کا زلی درشہ ہے۔ گلگت میں ہر قسم کے احکامات ”گورنری“ کے نام پر جاری ہوتے تھے۔ جب یہ چرچاں ماں جی تک پہنچا تو انھوں نے عبداللہ صاحب سے گلہ کیا: ”بھلا حکومت تو آپ کرتے ہیں لیکن گورنری گورنری کہہ کر مجھ غریب کا نام بیچ میں کیوں لایا جاتا ہے خواہ مخواہ!“ عبداللہ صاحب علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے۔ رگب خلافت پھڑک اٹھی اور بے اعتنائی سے فرمایا: ”بھاگو ان! یہ تمہارا نام تھوڑا ہے۔ گورنری تو دراصل تمہاری سوکن ہے جو دن رات میرا پیچھا کرتی رہتی ہے۔“ مذاق کی چوٹ تھی۔

عبداللہ صاحب نے سمجھا بات آئی گئی ہو گئی لیکن ماں جی کے دل میں غم بیٹھ گیا۔ اس غم میں وہ اندر ہی اندر کڑھنے لگیں۔ کچھ عرصے کے بعد کشمیر کا مہاراجا پر تاب سنگھ اپنی مہارانی کے ساتھ گلگت کے دورے پر آیا۔ ماں جی نے مہارانی سے اپنے دل کا حال سنایا۔ مہارانی بھی سادہ عورت تھی۔ جلال میں آگئی: ”ہائے ہائے! ہمارے راج میں ایسا ظلم۔ میں آج ہی مہاراج سے کہوں گی کہ وہ عبداللہ صاحب کی خبر لیں۔“ جب یہ مقدمہ مہاراجا پر تاب سنگھ تک پہنچا تو انھوں نے عبداللہ صاحب کو بلا کر پوچھ گچھ کی۔ عبداللہ صاحب بھی حیران تھے کہ بیٹھے بٹھائے یہ کیا افتاد آ پڑی لیکن جب معاملے کی تہ تک پہنچے تو دونوں خوب ہنسے۔ آدمی دونوں ہی وضع دار تھے۔ چنانچہ مہاراجا نے حکم نکالا کہ آئندہ سے گلگت کی گورنری کو وزارت اور گورنر کو وزیر وزارت کے نام سے پکارا جائے۔ ۱۹۳۷ء کی جنگ آزادی تک گلگت میں یہی سرکاری اصطلاحات رائج تھیں۔ یہ حکم نامہ سن کر مہارانی نے ماں جی کو بلا کر خوش خبری سنائی کہ مہاراج نے گورنری کو دیس نکالا دے دیا ہے۔ ”اب تم دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو۔“ مہارانی نے کہا: ”کبھی ہمارے لیے بھی دعا کرنا۔“ مہاراجا اور مہارانی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے وہ اکثر ماں جی سے دعا کی فرمائش کرتے تھے۔

اولاد کے معاملے میں ماں جی کیا واقعی خوش نصیب تھیں؟ یہ ایک ایسا سوالیہ نشان ہے جس کا جواب آسانی سے نہیں سوچتا۔ ماں جی خود ہی تو کہا کرتی تھیں کہ ان جیسی خوش نصیب ماں دنیا میں کم ہی ہوتی ہے لیکن اگر صبر و شکر، تسلیم و رضا کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو اس خوش نصیب کے پردے میں کتنے دکھ، کتنے غم، کتنے صدمے نظر آتے ہیں۔ اللہ میاں نے ماں جی کو تین بیٹیاں اور تین بیٹے عطا کیے۔ دو بیٹیاں شادی کے کچھ عرصے بعد یکے بعد

دیگرے فوت ہو گئیں۔ سب سے بڑا بیٹا عین عالم شباب میں انگلستان جا کر گزر گیا۔ کہنے کو تو ماں جی نے کہہ دیا کہ اللہ کا مال تھا اللہ نے لے لیا لیکن کیا وہ اکیلے میں چھپ چھپ کر خون کے آنسو روینہ کرتی ہوں گی!

جب عبد اللہ صاحب کا انتقال ہوا تو ان کی عمر بائیس سال اور ماں جی کی عمر پچیس سال تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ عبد اللہ صاحب باں کی کھردری چاند پائی پر حسب معمول گاؤں تک لگا کر نیم دراز تھے۔ ماں جی پانچ بیٹھی چاقو سے گنا چھیل چھیل کر ان کو دے رہی تھیں۔ وہ مزے مزے سے گنا چوس رہے تھے اور مذاق کر رہے تھے۔ پھر یکایک سنجیدہ ہو گئے اور کہنے لگے: ”بھائی! شادی سے پہلے میلے میں میں نے تمہیں گیارہ پیسے دیے تھے کیا ان کو واپس کرنے کا وقت نہیں آیا؟“ ماں جی نے نئی دلہنوں کی طرح سر جھکا لیا اور گنا چھیلنے میں مصروف ہو گئیں۔ ان کے سینے میں بہ یک وقت بہت خیال اٹھ آئے۔ ”ابھی وقت کہاں آیا ہے۔ سرتاج شادی کے پہلے گیارہ پیسوں کی تو بڑی بات ہے لیکن شادی کے بعد جس طرح تم نے میرے ساتھ نباہ کیا ہے اس پر میں نے تمہارے پاؤں دھو کر پیئے ہیں۔ اپنی کھال کی جو تیاں تمہیں پہنائی ہیں۔ ابھی وقت کہاں آیا ہے میرے سرتاج۔“ لیکن قضا و قدر کے یہی کھاتے ہیں وقت آچکا تھا۔ جب ماں جی نے سراٹھایا تو عبد اللہ صاحب گنے کی قاش منہ میں لیے گاؤں تک پر سو رہے تھے۔ ماں جی نے بہتیرا بلایا، بلایا، چکارا لیکن عبد اللہ صاحب ایسی نیند سو گئے تھے جس سے بیداری قیامت سے پہلے ممکن ہی نہیں۔

ماں جی نے اپنے باقی ماندہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کو سینے سے لگا لگا کر تلقین کی: ”بچے! رونامت۔ تمہارے ابا جی جس آرام سے سو رہے تھے، اسی آرام سے چلے گئے۔ اب رونامت۔ ان کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔“ کہنے کو تو ماں جی نے کہہ دیا کہ اپنے ابا کی یاد میں نہ رونا، ورنہ ان کو تکلیف پہنچے گی لیکن کیا وہ خود چوری چھپے اس خاوند کی یاد میں نہ روئی ہوں گی جس نے بائیس سال کی عمر تک انھیں ایک الہرد لہن سمجھا اور جس نے گورنری کے علاوہ اور کوئی سوکن اس کے سر پر لا کر نہیں بٹھائی۔ جب وہ خود چل دیں تو اپنے بچوں کے لیے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گئیں، جو قیامت تک انھیں عقیدت کے بیابان میں سرگرداں رکھے گا۔ اگر ماں جی کے نام پر خیرات کی جائے تو گیارہ پیسے سے زیادہ ہمت نہیں ہوتی، لیکن مسجد کا ملا پریشان ہے کہ بجلی کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور تیل کی قیمت گراں ہو گئی ہے۔

ماں جی کے نام پر فاتحہ دی جائے تو مکئی کی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی سامنے آتی ہے لیکن کھانے والا درویش کہتا ہے کہ فاتحہ درود میں پلاؤ اور زردے کا اہتمام لازم ہے۔ ماں جی کا نام آتا ہے تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے لیکن اگر روایا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ ان کی روح کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر ضبط کیا جائے تو خدا کی قسم ضبط نہیں ہوتا۔

(ماں جی)

قدرت اللہ شہاب (۱۹۱۷ء-۱۹۸۶ء)

قدرت اللہ شہاب ۲۶ فروری ۱۹۱۷ء کو گلگت میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ریاست جموں و کشمیر اور موضع چکور صاحب، ضلع اہمالہ میں حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے انگلش کیا۔ قدرت اللہ شہاب ۱۹۴۱ء میں انڈین سول سروس میں شامل ہوئے۔ ابتدا میں آپ نے بہار اور اڑیسہ میں خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۴۳ء میں بنگال میں متعین ہو گئے۔ آزادی کے بعد آپ حکومت آزاد کشمیر کے سیکریٹری جنرل مقرر ہوئے۔ بعد ازاں پہلے گورنر جنرل پاکستان غلام محمد، پھر سکندر مرزا اور بعد ازاں صدر ایوب خان کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ پاکستان میں جنرل یحییٰ خان کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد انھوں نے سول سروس سے استعفیٰ دے دیا اور اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو سے وابستہ ہو گئے۔ پاکستان رائٹرز گلڈ کی تشکیل بھی انہی کی مساعی سے عمل میں آئی۔ صدر یحییٰ خان کے دور میں وہ ابتلا کا شکار بھی ہوئے اور یہ عرصہ انھوں نے انگلستان کے نواحی علاقوں میں گزارا۔ قدرت اللہ شہاب ایک بہت عمدہ نثر نگار اور ادیب بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں ”یاغدا“، ”نفسانے“، ”ماں جی“، ”سرخ فیتہ“ اور ان کی خود نوشت سوانح حیات ”شہاب نامہ“ قابل ذکر ہیں۔ قدرت اللہ شہاب نے ۲۴ جولائی ۱۹۸۶ء کو اسلام آباد میں وفات پائی۔

مشق



۱۔ درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

الف۔ عرف عام میں لائل پور، جنگ، سرگودھا وغیرہ کو علاقہ کہا جاتا تھا:

الف: قتل کا ب: بار کا ج: کچے کا د: جنگل کا
ب۔ نانی نے ماں جی کو بطور عیدی دیے:

الف: دو آنے ب: تین آنے ج: چار آنے د: پانچ آنے
ج۔ جب روس میں انقلاب برپا ہوا تو لارڈ کچنر سرحدوں کا معائنہ کرنے آئے:

الف: گلگت ب: سیالکوٹ ج: لاہور د: مظفر آباد
د۔ عبد اللہ صاحب جتنے سعادت مند بیٹے تھے، اتنے ہی سعادت مند تھے:

الف: مرید ب: بھائی ج: دوست د: شاگرد
ہ۔ اس زمانے میں مربیعہ داروں کی بڑی دھوم تھی:

الف: لائل پور کے ب: بہاول پور کے ج: راجن پور کے د: شکار پور کے
۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

الف۔ لائل پور کا موجودہ نام کیا ہے؟

ب۔ ماں جی آشوب چشم میں کیوں مبتلا رہیں؟

ج۔ سر سید احمد خاں نے عبد اللہ صاحب کو علی گڑھ کالج کی نوکری سے درخواست کیوں کیا؟

د۔ ”اب تم دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو“۔ مہارانی نے، ماں جی کو یہ دعا کس موقع پر دی؟

۱۔ عبد اللہ صاحب نے مرنے سے پہلے اپنی بیوی سے کس چیز کی واپسی کا تقاضا کیا؟

۲۔ عبد اللہ صاحب نے کس سوکن کے لانے کی بات کی تھی؟

۳۔ مہاراجا پر تپ سنگھ نے مہارانی کے کہنے پر کیا حکم نامہ جاری کیا؟

۴۔ عبد اللہ صاحب کی وفات پر ماں جی نے بچوں کو کیا نصیحت کی؟

۵۔ افسانہ ”ماں جی“ کے اہم نکات کا خلاصہ تحریر کریں۔

۶۔ درج ذیل افسانوی (ناول۔ توبۃ النصوح) اقتباس کو پڑھیں اور اس کے اسلوب اور بیان کے پیش نظر، روزمرہ زندگی کے معمولات سے اس کا تجزیہ اور موازنہ کریں۔ (کلمہ اپنے والد کی سرزنش پر گھر والوں سے خفا ہو کر اپنے دوست ظاہر دار بیگ کے پاس آ جاتا ہے):

غرض مرزا نے اپنی چرب زبانی سے چنوں کو گھی کی تلی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکا تو تھا ہی اُس کو بھی ہمیشہ سے کچھ زیادہ مزے دار معلوم ہوئے۔ مرزا نے گھر جا کر ایک میلی دری اور ایک کثیف سا کھیت بھج دیا۔ دو ہی گھڑی میں کلیم کی حالت کا اس قدر متغیر ہو جانا عبرت کا مقام ہے یا تو خلوت خانہ اور عشرت منزل میں تھا یا اب ایک مسجد میں آکر پڑا اور مسجد بھی ایسی جس کا تھوڑا سا حال ہم نے اوپر بیان کیا۔ گھر کے ایوانِ نعمت کو لات مار کر نکلا تھا تو پہلے ہی وقت چنے چبانے پڑے۔ نہ چرائے نہ چار پائی نہ بہن نہ بھائی نہ مولیٰ نہ غم خوار نہ نوکر نہ خدمت گار۔ مسجد میں اکیلا ایسا بیٹھا تھا جیسے قید خانے میں حاکم کا گناہ گار یا قفس میں مرغ کو گرفتار اور کوئی ہوتا تو اس حالت پر نظر کر کے تنبیہ پکڑتا اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا اور اسی وقت نہیں تو سیرے گجر دم باپ کے ساتھ نمازِ صبح میں جا شریک ہوتا لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوچنے کو تھے اُس نے رات بھر میں ایک قصیدہ تو مسجد کی جھو میں تیار کیا اور ایک مثنوی مرزا کی شان میں کہی۔

صبح ہوتے آنکھ لگ گئی تو نہیں معلوم مرزا یا محلے کا کوئی اور عیار ٹوپی، جوتی، رومال، چھڑی، تکیہ، دری یعنی جو چیز کلیم کے بدن سے منسلک اور اُس کے جسم سے جدا تھی لے کر چنپٹ ہوا۔ یوں بھی کلیم بہت دیر کو سو کے اٹھتا تھا اور آج تو ایک وجہ خاص تھی کوئی پہر سو پہر دن چڑھے جاگا تو کیا دیکھتا ہے کہ فرش مسجد پر پڑا ہے اور نیند کی حالت میں جو کروٹیں لی ہیں تو سیروں گرد کا تھکبھوت اور چمگادڑوں کی بیٹ کا ضاد بدن پر تھپا ہوا ہے۔

حروف ربط:

i۔ حروف جار: وہ حروف جو کسی اسم کو فعل سے ملاتے ہیں۔ مثلاً: کتاب میز پر رکھ دو۔ اس مثال میں ”پر“ حرف جار ہے۔ اسی طرح کو ”سے“ تک نے ساتھ وغیرہ حروف جار ہیں۔

ii۔ حروف اضافت:

ایسے حروف جو ایک اسم کا تعلق دوسرے اسم سے ظاہر کریں۔ مثلاً: کا، کی کے

iii۔ حروف استفہام:

ایسے حروف جو سوال پوچھنے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: کیا، کون، کیوں

iv۔ حروف عطف: دو اسموں یا دو جملوں کو ملانے والے حروف۔ مثلاً: اور، و، نیز وغیرہ

v- حروف تردید: وہ حروف جو دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے موقع پر استعمال کیے جائیں۔ امیر ہو یا غریب، اچھا ہو کہ بُرا۔ خواہ سو جاؤ، خواہ کھیل لو، چاہے بیٹھ جاؤ، چاہے کھڑے رہو۔ ہو یا، ہو کہ، خواہ، چاہے حروف تردید ہیں۔

vi- حروف شرط: وہ حروف جو کسی شرط کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: اگر محنت کرو گے تو کام پابی ملے گی۔

اگر، اگرچہ، جب، جب تک، تا وقت یہ کہ، جوں ہی، حروف شرط ہیں۔

جس کام کے لیے شرط عائد کی گئی ہو اس کے ساتھ جزا کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: اگر محنت کرو گے تو کام پابی ہو جاؤ گے۔ اس

مثال میں ”تو“ حرف جزا ہے۔ اگرچہ اس نے محنت کی لیکن کام پابی نہ ہو سکا۔ اس مثال میں ”لیکن“ حرف جزا ہے۔

vii- حروف علت: کسی وجہ یا سبب کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہونے والے حروف، کیوں کہ، چون کہ، تاکہ، لہذا، اس لیے

viii- حروف انشراح: ایک بات کو ترقی دے کر اعلیٰ کو ادنیٰ یا ادنیٰ کو اعلیٰ بنادینے کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف مثلاً: وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔ اس مثال میں ”بلکہ“ حرف انشراح ہے۔

ix- حروف بیان: ایسے حروف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیے جائیں۔ استاد نے کہا کہ سب کھڑے ہو جاؤ۔ اس مثال میں ”کہ“ حرف بیان ہے۔

x- حروف تشبیہ: یہ حروف ایک شے کو دوسری شے کی طرح بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

مانند، مثل، طرح، سا، جیسا، بعینہ، حرف تشبیہ ہیں۔

۵۔ درج ذیل حروف کی نشان دہی کرتے ہوئے انھیں تحریر و تقریر میں استعمال کریں:

شاباش، سبحان اللہ، خبردار، ہائے، ماشاء اللہ، مانند، بلکہ، اگر، کیا، چون کہ، حاشا وکلا، بہ خدا

تذکیر و تہیث (اسما اور ضائر): تذکیر و تہیث کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور غیر حقیقی

حقیقی تذکیر و تہیث میں جنس کی صرف دو ہی قسمیں ہیں یعنی نر (مذکر) اور مادہ (مونث)، یہ تذکیر و تہیث جانداروں کے لحاظ سے کی گئی ہے اور اس کی

پہچان اور تمیز آسان ہے؛ جب کہ بے جان میں نر اور مادہ کا تصور موجود نہیں ہے۔ قواعد میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے، اس کے علاوہ جانداروں کی تذکیر و

تہیث بھی قطعی قاعدوں کے تحت نہیں آتی۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں ”الف“ ہو گا وہ مذکر ہوں گے۔ مثلاً: لڑکا، گھوڑا وغیرہ۔

عربی میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے آخر میں ”ہ“ آتی ہے اور وہ الفاظ کی مونث ہیں: مثلاً: والدہ، ملکہ وغیرہ

۶۔ درج ذیل الفاظ کے جملے بنا کر تذکیر اور تہیث واضح کریں:

پھاڑ، فارسی، اخبار، دہی، مٹی، گھاس



۱۔ طلبہ اپنے استاد محترم / استانی صاحبہ کے زیر نگرانی احمد ندیم قاسمی کے افسانے ”کوچوان“ کی اپنی گفتگو کی زیر و بم کے لحاظ سے جماعت کے کمرے میں

ڈرامائی تشکیل کریں۔

۲۔ کالج اسمبلی میں ”حب الوطنی“ کے موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ، اور عمدہ لب و لہجہ کے ساتھ

زبانی تقریر کریں۔

رستم و سہراب

(چچا منظر: میدان جنگ)



اس سبق کی تدريس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی ڈرامے کو پڑھتے ہوئے اس میں موجود مکالمے کی ترتیب و پیش کش کو سمجھتے ہوئے ڈرامے پر اس کے اثر کا تجزیہ کریں۔
- مختلف قہار (کردار، سفر نامہ، مضامین، خطوط، ادارے، خبریں، رپورٹ، اشتہار وغیرہ) پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کریں۔
- کسی علمی، ادبی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال و درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی (فی الہدیہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کر سکیں۔
- رپورٹ، تجزیاتی رپورٹ اور یادداشت کے درمیان فرق کو سمجھتے ہوئے ان کی تحریری تخلیق کر سکیں۔
- مختلف ادبی شخصیات کی مرقع نگاری کر سکیں۔
- عبارت پڑھتے ہوئے تمام علامات و اوقاف کا لحاظ رکھ سکیں۔
- متضاد الفاظ کی جوڑیاں شناخت کرتے ہوئے تحریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص	قہر و غضب	سجدہ ہائے نیاز	جنگ کا نقارہ	آجکل	گھات میں
الفاظ	ہومان	خسرت و ماتم	مؤذی حیوان	جنگاد	مہرہ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سبق خوانی سے قبل ڈرامے کا تعارف، ساخت، روایت اور اقسام بیان کریں۔ آغا حشر کے ڈرامے کی نمایاں خصوصیات بتائی جائیں۔
- جماعت کے مختلف طلبہ منتخب کر کے مکالمے ادا کرائے جائیں۔ سبق کی تدريس کے دوران میں اشعار اور مشکل الفاظ منتخب تحریر پر لکھ کر ان کے مطالب سمجھائے جائیں۔ طلبہ کو لاہوری سے مختلف ڈرامے مطالعہ کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اپنے تعلیمی ادارے کی تقریبات کے لیے طلبہ کو ایک ایکٹ کے ڈرامے کی مکمل رہبر سل کروائیں اور اس ڈرامے کو اسٹیج پر پیش کریں۔

ہاتھ پٹہ: پتہ

کس طرح کی کہانی کو "ڈراما" کہتے ہیں اور ہندوستان میں اس کی روایت کتنی پرانی ہے؟

پڑھیں



(رستم اُداس چہرے اور غم گین دل کے ساتھ مایوس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔)
رستم: پروردگار! میں نے کبھی تیرے قہر و غضب کو حقیر نہیں سمجھا۔ کبھی تیری طاقت کے سامنے اپنی فانی طاقت کا غرور نہیں کیا۔ پھر اس ذلت کی شکل میں تو نے مجھے میرے کس گناہ کی سزا دی ہے؟

اے درد مندوں کی دو اور کمزوروں کی طاقت! اے ناامیدوں کی امید! میں نے کل ساری رات تیرے حضور میں سجدہ ہائے نیاز کے ساتھ آنسو بہا کر مدد کے لیے التجا کی ہے۔ اپنے عاجز بندے کی التجا قبول کر

اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری شرم رکھ اور ایک بار میری جوانی کا زور و جوش مجھے دوبارہ واپس دے دے۔

تری قدرت پلٹ سکتی ہے سارے کارخانے کو

پھر اک دن کے لیے تو بھیج دے پچھلے زمانے کو

(سہراب کا داخلہ)

سہراب: صبح ہو گئی۔ ممکن ہے، یہ آج کی صبح اس کی زندگی کی شام ثابت ہو۔ نہ جانے کیا سبب ہے کہ اس کی موت کا خیال آتے ہی میری روح کانپ

اٹھتی ہے (رستم کو دیکھ کر) تو آگیا؟ کیا جنگ کے نقارے کی پہلی چوٹ سے تیری نیند ٹوٹ گئی؟

رستم: بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا۔ میں آدھی رات سے صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

سہراب: آج لڑائی کا دوسرا دن ہے۔ جانتا ہے اس جنگ کا کیا نتیجہ ہوگا؟

رستم: ہم دونوں میں سے ایک کی موت۔

سہراب: شیر دل بوڑھے! میرا دل تیری موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک فحشی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے۔ اگر ایران کی

گود بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے تو جا، واپس جا اور اپنے عوض کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج دے۔ میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

رستم: کل کی اتفاقی فتح پر غور نہ کر۔ ہر نیا دن انسان کے لیے نئے انقلاب لے کر آتا ہے۔ تقدیر کا پہلا ہمیشہ ایک ہی سمت میں نہیں گھومتا۔

گھڑی بھر میں بدلنا ہو گا تجھ کو پیر بن اپنا

منگا کر پاس رکھ لے جنگ سے پہلے کفن اپنا

(جنگ شروع ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سہراب ہاتھ روک لیتا ہے)

سہراب: آج میں تجھ میں نیا جوش اور نئی قوت دیکھ رہا ہوں۔ جواں ہمت بوڑھے! مجھے پھر شک ہوتا ہے کہ تو رستم ہے۔ میں تیری عزت کا واسطہ اور

تیری بہادری کی دہائی دے کر ایک بار پھر تیرا نام پوچھتا ہوں۔ زور سے نہیں، منت سے! غرور سے نہیں، عاجزی سے!

رستم: تو میرا نام ہی جانتا چاہتا ہے تو سن! میرا نام ہے۔

سہراب: (خوشی کی گھبراہٹ سے) رستم!

رستم: نہیں! سہراب کی موت۔

سہراب: افسوس! تو نے میرے رحم کی قدر نہیں کی۔

(دوبارہ جنگ ہوتی ہے۔ رستم، سہراب کو گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھتا ہے۔)

رستم:

بس اسی ہمت، اسی طاقت پہ تھا اتنا غرور

تو کوئی شیشہ نہ تھا، کیوں ہو گیا پھر پُور پُور

کیا ہوا زور، جوانی اٹھ ! اجل ہے گھات میں
دیکھ لے اب کس قدر قوت ہے بوڑھے ہات میں
(سہراب کے سینے میں نچر بھونک دیتا ہے)

سہراب: آہ! اے آنکھو! تمہارے نصیب میں باپ کا دیدار نہ تھا۔ کہاں ہو! پیارے باپ کہاں ہو؟ آؤ! آؤ! کہ مرنے سے پہلے تمہارا
سہراب قصیں ایک بار دیکھ لے۔

کیا خبر تھی کہ بگڑ جائے گی قسمت اپنی
آخری وقت دکھا دو مجھے صورت اپنی

رستم: اپنی جوانی کی موت پر ماتم کرنے کے لیے باپ کو یاد کر رہا ہے؟ اب تیرے باپ کی محبت، اس کے آنسو، اس کی فریاد، کوئی تجھے دنیا میں زندہ
نہیں رکھ سکتی۔

مرہم کہاں جو رکھ دے دل پاش پاش پر
آیا بھی وہ تو روئے گا بیٹے کی لاش پر

سہراب: بھاگ جا۔ بھاگ جا۔ اس دنیا سے کسی دوسری دنیا میں بھاگ جا۔ تو نے سام و زبیرمان کے خاندان کا چراغ بجھا دیا ہے۔ تاریک جنگلوں میں
پہاڑوں کے غار میں، سمندر کی تہ میں، تو کہیں بھی جا کر چھپے لیکن میرے باپ رستم کے انتقام سے نہیں بچ سکے گا۔
رستم: چونکہ کر کھڑا ہو جاتا ہے کیا کہا؟ کیا کہا؟ تو رستم کا بیٹا ہے؟

سہراب: ہاں۔

رستم: تیری ماں کا نام؟

سہراب: تمینہ

رستم: تیرے اس دعوے کا ثبوت؟

سہراب: ثبوت اس بازو پر بندھی ہوئی میرے باپ رستم کی نشانی۔

رستم: جھوٹ ہے، غلط ہے۔ تو دھوکا دے رہا ہے۔ مجھے پاگل بنا کر اپنے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ (گھبراہٹ کے ساتھ سہراب کے بازو کا پکڑا پھاڑ کر
اپنا دیا ہوا مہرہ دیکھتا ہے) وہی مہرہ، وہی نشانی! (سر پٹک کر) کیا کیا؟ کیا کیا؟ اندھے پاگل جلاد! یہ کیا کیا؟ شیر جیسا خون خوار بھیڑیے جیسا ظالم
رچھ جیسا موڈی حیوان بھی اپنی اولاد کی جان نہیں لینا لیکن تو انسان ہو کر حیوان سے بھی زیادہ خونی اور جہنم سے بھی زیادہ بے رحم ہے۔

خون میں ڈوبا ہے وہ جس سے مزہ جینے میں تھا
دل کے بدلے کیا کوئی پتھر ترے سینے میں تھا
توڑ ڈالا اپنے ہی ہاتھوں سے او ظالم! اے
تیرا نقشہ، تیرا ہی چہرہ جس آئینے میں تھا

سہراب: فتح مند بوڑھے! تو رستم نہیں ہے، پھر میری موت پر خوش ہونے کے بدلے اس طرح کیوں رنج کر رہا ہے؟
 رستم: (رو کر) اس دنیا میں رنج اور آنسو، رونے اور چھاتی پیٹنے کے سوا میرے لیے اب اور کیا باقی رہ گیا ہے میں نے تیری زندگی تباہ کر کے اپنی زندگی کا ہر عیش اور اپنی دنیا کی ہر خوشی تباہ کر دی۔ مجھ سے نفرت کر! میرے منہ پر تھوک دے، مجھ پر ہزاروں زبانوں سے لعنت بھیج۔

فغاں ہوں، حسرت و ماتم ہوں، سر سے پاؤں تک غم ہوں
 میں ہی بیٹے کا قاتل ہوں، میں ہی بد بخت رستم ہوں

سہراب: بابا! میرے بابا!

رستم: ہائے میرے پیار! اتونے الفت سے، مری سے، منت سے، کتنی مرتبہ میرا نام پوچھا۔ اس محبت و عاجزی کے ساتھ پوچھنے پر لوہے کے ٹکڑے میں بھی زبان پیدا ہو جاتی ہے، پتھر بھی جواب دینے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے لیکن اس دور و زہ دنیا کی جھوٹی شہرت اور اس فانی دنیا کے فانی غرور نے میرے ہونٹوں کو بولنے کی اجازت نہ دی۔ میرے بچے! میری تہینہ کی نشانی!

کس جگہ بے رحم سینے میں نہاں رکھوں تجھے
 آنکھ میں، دل میں، کلیجے میں کہاں رکھوں تجھے

سہراب: ہو مان، ہار مان، جبر سب نے مجھے دھوکا دیا۔ بابا نہ رو! میری موت کو خدا کی مرضی سمجھ کر مبرا کر

مل مٹی مجھ کو جو قسمت میں سزا لکھی تھی
 باپ کے ہاتھ سے بیٹے کی قضا لکھی تھی

رستم: جب تیری ناشاد ماں ہال نوچتی، آنسو بہاتی، چھاتی پیٹتی، ماتم اور فریاد کی تصویر بنی ہوئی سامنے آ کر کھڑی ہوگی اور پوچھے گی کہ میرا لاڈلا سہراب، میرا بچہ، میرا شیر کہاں ہے تو اپنا ذلیل منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لینے کے سوال سے کیا جواب دوں گا؟ کن لفظوں سے اس کے ٹوٹے ہوئے دل اور زخمی کلیجے کو تسلی دوں گا۔

سنوں گا ہائے کیسے مانتا کی اس دہائی کو
 کہاں سے لاؤں گا مانگے گی جب اپنی کمائی کو
 لگاؤں کس طرح انھیں گی مجھ قسمت کے بیٹے کی
 دکھاؤں گا میں کن ہاتھوں سے ماں کو لاش بیٹے کی

سہراب: پیارے باپ! میری بد نصیب ماں سے کہنا کہ انسان سب سے لڑ سکتا ہے، قسمت سے جنگ نہیں کر سکتا۔ آہ!
 (رستم کی گود سے زمین پر گر کر آنکھیں بند کر لیتا ہے)

رستم: یہ کیا! یہ کیا! میرے بچے! آنکھیں کیوں بند کر لیں؟ کیا خفا ہو گئے؟ کیا ظالم باپ کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے؟ یہ موت کا گہوارہ، یہ خون میں ڈوبی ہوئی زمین، پھولوں کا بستر، ماں کی گود، باپ کی چھاتی نہیں ہے پھر تمہیں کس طرح نیند آگئی۔

سہراب: ماں! خدا۔ تمہیں۔ تسلی دے!

رستم: اور... اور... بیٹا بولو! بولو! چپ کیوں ہو گئے۔ آہ! آہ! اس کا خون سرد ہو رہا ہے۔ اس کی سانسیں ختم ہو رہی ہیں۔ اے خدا! اے کریم و رحیم خدا! اولاد باپ کی زندگانی کا سرمایہ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین۔ اپنی دنیا کا قانون بدل ڈال۔ اس کی موت مجھے اور میری باقی زندگی اسے بخش دے۔ دیکھ میری طرف دیکھ! میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو تاج و تخت کی بھیک دی ہے۔ آج ایک فقیر کی طرح تجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔

ڈال دے جھولی میں تو میرے گلہ شاداب کو
ہاتھ پھیلائے ہوں میں، دے دے مرے سہراب کو

سہراب: (آنکھیں بند کیے ہوئے) دنیا... رخصت... خدا!

(مر جاتا ہے)

رستم: آہ! جوانی کا چراغ آخری بجلی لے کر بجھ گیا۔ بے رحم موت نے میری امید کی روشنی لوٹ لی۔ اب لاکھوں چاند، ہزاروں سورج مل کر بھی میرے غم کا اندھیر دور نہیں کر سکتے۔ چھاتی پیٹ کر، درختو! پہاڑو! ستارو! ٹکرا کر پھوڑ ہو جاؤ! آج ہی زندگی کی قیامت ہے۔ آج ہی دنیا کا آخری دن ہے۔ زندگی! دنیا! کہاں ہے زندگی؟ کہاں ہے دنیا! زندگی سہراب کے خون میں اور دنیا رستم کے آنسوؤں میں ڈوب گئی (دو پولوں کی طرح غش کھا کر گر پڑتا ہے)۔ سہراب... سہراب... (پردہ گرتا ہے)۔ (رستم و سہراب)

آغا حشر کاشمیری (۱۸۸۳ء-۱۹۳۸ء)

آغا حشر کاشمیری کا اصل نام آغا محمد شاہ اور والد کا نام آغا محمد غنی شاہ تھا۔ بنارس میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے زیر سرپرستی اردو، عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مکمل کر کے راج نرائن ہائی اسکول، بنارس میں انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ سترہ برس کی عمر میں شعر و شاعری کی طرف رجحان ہوا۔ اس زمانے میں بمبئی کی الفریڈ تھیٹر ٹیکل کمپنی بنارس آئی تو انھیں ڈراما لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اسی شوق کی محکمل کے لیے وہ بمبئی پہنچ گئے اور پہلا ڈراما ”مرید قنک“ لکھا۔ یہ ڈراما ۱۸۹۹ء میں مکمل ہوا اور اسٹیج کیا گیا، جو بے حد مقبول ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے کچے بعد دیگرے کئی ڈرامے لکھے، جن میں سے اکثر کے پلاٹ ولیم شکسپیر کے انگریزی ڈراموں سے ماخوذ تھے۔ ان کے اہم ڈراموں میں ”اسیر حرم“، ”شہید ناز صید ہوس“، ”خوب صورت بلا“، ”یہودی کی لڑکی“، ”ترکی حور“، ”آکھ کانہ“ اور ”رستم و سہراب“ شامل ہیں۔ لاہور میں انتقال ہوا۔ آغا حشر کی ڈراما نگاری کی نمایاں خصوصیات میں ان کی فن ڈراما نگاری سے طبعی مناسبت، زبان و بیان پر قدرت، گفتگو، مزاح اور رنگینی و شوخی قابل ذکر ہیں۔ حشر کے آخری زمانے کے ڈرامے، انداز تحریر کی ندرت اور ادبی حسن کے اعتبار سے زیادہ قابل قدر ہیں۔ ان کی ڈراما نگاری میں وہ تمام خاصیتیں موجود تھیں، جن کی وجہ سے وہ قدیم اور جدید ڈراما نگاری کے درمیان ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مشق



۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں:

الف۔ رستم اپنے پروردگار سے کس بات کی دعا مانگتا ہے؟

ب۔ کس خیال پر سہراب کی روح کانپ اٹھتی ہے؟

ج۔ رستم نے یہ کیوں کہا کہ بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا؟

۱۔ سہراب کے پوچھنے پر رستم اپنا کیا نام بتاتا ہے؟

۲۔ رستم کو کب معلوم ہوتا ہے کہ سہراب اس کا بیٹا ہے؟

۳۔ حقیقت معلوم ہونے پر رستم کسی طرح کے رد عمل کا اظہار کرتا ہے؟

۴۔ سہراب اپنی ماں کے نام کیا پیغام دیتا ہے؟

۵۔ مرتے ہوئے سہراب کی زبان پر کیا الفاظ تھے؟

۶۔ رستم غش کھانے سے پہلے دیوانوں کی طرح کس کا نام پکارتا ہے اور کیوں؟

۷۔ درج ذیل عبارت پڑھتے ہوئے تمام علاماتِ ادقاف کا لحاظ رکھیں:

سہراب: صبح ہو گئی ممکن ہے یہ آج کی صبح اس کی زندگی کی شام ثابت ہو نہ جانے کیا سبب ہے کہ اس کی موت کا خیال آتے ہی میری روح کانپ اٹھتی

ہے۔ (رستم کو دیکھ کر) تو آگیا؟ کیا جنگ کے نثارے کی پہلی چوٹ سے تیری نیند ٹوٹ گئی؟

رستم: بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا میں آدمی رات سے صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا

سہراب: آج لڑائی کا دوسرا دن ہے جانتا ہے اس جنگ کا کیا نتیجہ ہوگا

سہراب: شیر دل بوڑھے! میرا دل تیری موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک غیبی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے اگر ایران کی گود

بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے تو جاواہلں جا اور اپنے عوض کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج دے میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے

کی اجازت دیتا ہوں

رستم: کل کی اتفاقی فتح پر غور نہ کر۔ ہر نیا دن انسان کے لیے نئے انقلاب لے کر آتا ہے تقدیر کا پہیا ہمیشہ ایک ہی سمت میں نہیں گھومتا

گھڑی بھر میں بدلنا ہو گا تجھ کو پیر بن لینا

منگا کر پاس رکھ لے جنگ سے پہلے کفن لینا

جنگ شروع ہوتی ہے تھوڑی دیر بعد سہراب ہاتھ روک لیتا ہے۔

۸۔ شامل نصاب ڈرامے کے اختتامی حصے میں والد رستم اور بیٹے سہراب کی آخری لڑائی ہے جس میں کسی ایک کی موت واقع ہونا ٹھہری ہے۔ رستم اپنی

طاقت کے زعم میں اندھا ہو چکا ہے اور اس کے مکالمے اسی بات کا اظہار ہیں جب کہ سہراب کو اپنے مقابل سورما پہ شک ہے کہ وہ اس کا والد ہے۔ اسی

لیے وہ پوری طاقت سے لڑائی لڑنے سے پہلے اس بات کا یقین کرنا چاہتا ہے اور بار بار رستم سے اس کا نام پوچھتا ہے۔ ڈراما ”رستم و سہراب“ کو پڑھتے

ہوئے اس میں موجود مکالمے کی ترتیب و پیش کش کو سمجھتے ہوئے ڈرامے پر اس کے اثر کا تجزیہ کریں۔

۹۔ علامہ اقبال کے ”خطوط بہ نام قائد اعظم“ کا لاجبیری سے جاری کردائیں۔ ان خطوط میں موجود مباحث، موضوعات اور مضامین کو پڑھ کر ان

کے مقاصد کی ترجمانی کرتے ہوئے اہم نکات قلم بند کریں۔

۱۰۔ کانج ہال میں ایک تقریری مقابلہ منعقد کرائیں جس میں ان موضوعات پہ اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ

اور عمدہ لب و لہجہ کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کریں۔

الف۔ حقوق انسانی

ب۔ ذہنی دباؤ پر قابو پانا

ج۔ آئین پاکستان اور حقوق انسانی

د۔ قدرتی وسائل کا تحفظ

رپورٹ اور تجزیاتی رپورٹ

رپورٹ اور دو میں ایک جدید ترین صنفِ نثر ہے۔ اس میں علمی مجلسوں، ادبی محفلوں، سیکیٹاروں، کانفرنسوں اور اجتماعات کی روداد پیش کی جاتی ہے۔ لیکن اس میں افسانوی انداز کی جذباتیت اور غیر افسانوی طرز کی روداد نگاری کا فرما نظر آتی ہے۔ عام طور پر چشم دید واقعات کو خیال آرائی اور زبان کی چاشنی کے ساتھ بیان کرنا رپورٹ اور سمجھا جاتا ہے۔ رپورٹ اور میں کسی واقعے کے تفصیلی ذکر کے ساتھ ساتھ احساسات اور تاثرات کو بھی بیان کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے بیان میں ادبیت اور روانیت کی روداد ایک جذباتی تصویر کو ابھارتی ہے۔ رپورٹ اور میں مخصوص خبر اور تجزیات کی شمولیت کی وجہ سے اس کی تخلیقی حیثیت ایک آزاد صنف کی ہو جاتی ہے۔

تجزیاتی رپورٹ میں کسی موضوع، صورت حال یا واقعے کے متعلق پوری تفصیل یعنی اس کا پس منظر، محرکات، نتائج وغیرہ کا تفصیلی بیان ہوتا ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ کس حلقے اور طبقے سے ہے؟ اس کے متاثرین کون ہیں؟ رپورٹ اور یا تجزیاتی رپورٹ دونوں کو صحافتی ضرورت کے پیش نظر ہی لکھا جاتا ہے لیکن اپنے انداز بیان کی وجہ سے یہ ادبی رنگ بھی اختیار کر چکی ہے۔

۶۔ پاکستان میں ”منگی پاکس کے پھیلاؤ اور اس سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر“ کے حوالے سے ایک رپورٹ اور یا تجزیاتی رپورٹ کی تحریر کی تخلیق کریں اور اسے مقامی اخبار میں اشاعت کے لیے بھیجیں تاکہ عوامی آگاہی کے حوالے سے ذمہ داری نبھائی جاسکے۔

۷۔ مبین مرزا کی مرتب کردہ اور نیشنل بک فاؤنڈیشن کی شائع شدہ کتاب ”اردو کے بہترین خاکے“ کا مطالعہ کریں اور ان میں سے اپنی دو پسندیدہ ادبی شخصیات (ایک شاعر، ایک نثر نگار) کے خاکوں کے اہم نکات الگ کریں اور پھر اپنے الفاظ میں انہی ادبی شخصیات کی مرقع نگاری کریں۔

۸۔ درج ذیل میں سے متضاد الفاظ کی جوڑیوں کی شناخت کریں اور ان کے جملے تحریر کریں:

مصروف، علیت، عربی، جہالت، عجی، اُلفت، فارغ، نفرت

۹۔ درج ذیل سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) کس نثری قصے میں کسی خاص نقطہ نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعاتی عکاسی کی جاتی ہے؟

د۔ داستان

ج۔ ناول

ب۔ افسانہ

الف۔ ڈراما

(ii) کورائے کی ابتدا کس ملک سے ہوئی؟

د۔ روس

ج۔ فرانس

ب۔ یونان

الف۔ ایران

(iii) قدیم زمانے میں لوگ کس کو خوش کرنے کے لیے ڈراما کھیلا کرتے تھے؟

د۔ رشتے داروں کو

ج۔ خداؤں کو

ب۔ بتوں کو

الف۔ دیوتاؤں کو

(iv) ڈرامے کی کتنی مشہور اقسام ہیں؟

الف۔ ایک	ب۔ دو	ج۔ تین	د۔ چار
(v) ادبی اصطلاح میں زندگی کا ایک جزو پیش کرنے والی کہانی کو کیا کہتے ہیں؟	الف۔ داستان	ب۔ ناول	ج۔ افسانہ
(vi) درج ذیل میں سے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے:	الف۔ محاورہ	ب۔ استعارہ	ج۔ ضرب المثل
(vii) سبحان اللہ! واہ واہ! قواعد کے رو سے کون سے حروف ہیں؟	الف۔ تحسین	ب۔ نفرین	ج۔ ندا
(viii) درج ذیل میں سے حروف شرط کون سے ہیں؟	الف۔ اور، و	ب۔ کیا، کون	ج۔ اگر، اگرچہ
			د۔ مثل، مانند

اشفاق احمد اور ہانو قدسیہ کے ڈراموں پر مشتمل کتابیں کالج لائبریری سے جاری کرا کے مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ دونوں کی ڈراما نگاری اپنی تکنیک، موضوع کے لحاظ سے کس حد تک مختلف ہے؟



شاخوں پر جلے ہوئے بسیرے

اس سبق کی مدد سے اس طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مختلف سہمی ذرائع سے واقعہ، کہانی، نظم، تقریر، اعلان، خطبہ، نعت گو، خبر، ڈراما، ہدایت، فلچر، وغیرہ سن کر احساس جذبے اور تاثر کے حوالے سے زبان کے حسن و قبح کی نشان دہی کر سکیں۔
- اخلاقی معاشی، معاشرتی اور ثقافتی امور وغیرہ سے متعلق اپنی نعت گو میں موزوں الفاظ و تراکیب پر مشتمل روزمرہ اور ہاماد زبان استعمال کر سکیں۔
- مہازی اور اصطلاحی محضر میں اپنا ذاتی نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے نعت گو کر سکیں۔
- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔
- عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے لیے مختلف تماری پڑھ سکیں اور ان سے معلومات حاصل کر سکیں۔
- ضرورت کے مطابق معلومات کی فراہمی کے لیے مختلف فارمز مثلاً: دفتری، صحافتی، عدالتی دستاویزات پڑھ کر سکیں۔
- مرکب تام اور مرکب ناقص۔ مرکب ناقص کی اقسام (توصیفی، اضافی، مطلق) کے فرق کو سمجھتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مرکب مصادر بنا سکیں اور استعمال کر سکیں۔

خاص	ایوان حکومت	آفتاب	تقاضائے عمری	بر بنائے اس وجوہ	ڈیوڑھی
الفاظ	تورہ	شفہ	ولی عہدی	ضعف بخت	نوبان

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اردو میں ناول نگاری کی روایت سے آگاہ کرتے ہوئے چند تاریخی، جاسوسی، سیاسی، رومانوی اور معاشرتی ناولوں سے متعارف کرائیں تاکہ طلبہ مختلف اسالیب میں لکھے ہوئے ناولوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

پانچویں سبق

”گلن“ ناول کس نے لکھا ہے اور اس کا موضوع کیا ہے؟

فتح الملک بہادر کا سوئم اور سوگ ختم ہوتے ہی نواب زینت محل نے بادشاہ پر زور ڈالنا شروع کر

دیا کہ جوان بخت کی ولی عہدی کے لیے سرکار کمپنی انگریز بہادر کو لکھیں۔ بادشاہ سلامت کچھ تو تقاضائے

عمری کے سبب، کچھ بہ وجہ ضعف صحت و ہمت اور کچھ بہ وجہ اس یقین کے، کہ میرے بعد بادشاہی نہ رہے گی، اس معاملے میں کچھ زیادہ پرجوش نہ تھے لیکن زینت محل کی محبت انھیں مجبور کر رہی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ نواب زینت محل کو بھی حضرت قدر قدرت سے محض منہ دیکھے کی، یا غرض مندانہ محبت نہ تھی۔ سولہ سال پہلے جب انھیں بتایا گیا تھا کہ ان کا نکاح بادشاہ جم جاہ سے ہو رہا ہے تو انھیں بدن میں تھوڑی بہت تھر تھری اور جسم میں کچھ

سنسٹی لیکن بہت زیادہ الجھن کا بھی احساس ہوا تھا۔ محض نام کا بادشاہ، اور وہ بھی ایسا جس کی عمر ستر کے لگ بھگ ہو رہی تھی، ایسا دولہا بھلا کس طرح کا عیش دے سکتا تھا؟ لیکن زینت محل نے قلعے میں بادشاہ کا ٹھاٹ باٹھ دیکھا، پھر شاہ آسماں ہار گاہ کی خوش خلقی، نرم خوئی اور شائستگی دیکھی۔ ان سب باتوں نے آہستہ آہستہ نواب زینت محل کا دل، بادشاہ کی طرف پھیر دیا اور انھیں اپنے شوہر عالی قدر سے یک گونہ محبت ہو گئی۔ اس طرح شاہ جم جاہ اور ملکہ دوراں کے درمیاں صرف ہوس نہ تھی، محبت اور الفت بھی تھی۔ اس باعث بادشاہ کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ زینت محل کی بات کو بالکل نظر انداز کر دیں۔

بہت غور و خوض کے بعد حضور عالی جاہ نے کہنی انگریز بہادر کو جو ان بخت کی ولی عہدی کی سفارش کا شقہ لکھوا دیا۔ ان دنوں صاحب کلاں بہادر کے عہدے پر سائنن فریزر عارضی طور پر کام کر رہا تھا۔ فریزر اور بادشاہ سلامت کے مابین دوستانہ تعلقات اس وقت سے تھے جب بہ زمانہ دلی انھوں نے نواب شمس الدین احمد کی گرفتاری اور پھر مقدمے اور سزائے موت کے معاملے میں انگریزوں کی مساعی کے خلاف کوئی دخل نہ دیا تھا اور اپنے والد عرش آرام گاہ حضرت اکبر ثانی کو بھی عدم مداخلت کا مشورہ دیا تھا۔ ظل سبحانی نے فریزر کے پاس اپنے نمائندے اس درخواست کے ساتھ بھیجے کہ میرزا جواں بخت کی ولی عہدی منظور کرادیں۔

لارڈ گورنر جنرل بہادر کو جو خط بادشاہ سلامت نے میرزا جواں بخت کی ولی عہدی کی سفارش میں بھیجے ان میں میرزا جواں بخت کی عالی نسی کا یہ طور خاص ذکر تھا۔ یہ بھی مذکور کیا گیا تھا کہ شاہ زادہ کئی زبانیں جانتا ہے اور اعلیٰ درجے کی تعلیم سے بہرہ ور ہے۔ ادھر نواب زینت محل نے، یا میرزا جواں بخت نے دوسرے شاہ زادوں پر دہاؤ ڈال کر کئی شہزادوں کے دست خط سے ایک کاغذ اس مضمون کا انگریز کو بھجوا دیا کہ ہم سب میرزا جواں بخت بہادر کی ولی عہدی پر متحد ہیں۔ اس کاغذ پر میرزا قویش بہادر اور میرزا ظہیر الدین بہادر عرف میرزا مغل نے دست خط نہیں کیے تھے کہ اپنی اپنی جگہ پر یہ دونوں بھی ولی عہدی پر دعویٰ رکھتے تھے۔ لیکن انگریز تو میرزا دارا بخت میراں شاہ کی وفات کے وقت ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ اب بادشاہت کا خاتمہ کرنا بہتر ہے۔ کچھ تو میرزا فتح الملک بہادر کی ہر دل عزیزی، اور کچھ ایوان حکومت انگلشیہ میں نواب زینت محل کے ہارے میں اچھی رائے نہ پائے جانے کے باعث ایک عبوری طور کا فیصلہ یہ کر لیا گیا تھا کہ میرزا فتح الملک بہادر ولی عہد تو ہو جائیں لیکن بادشاہت نہ رہے۔ پھر جب میرزا فتح الملک بھی اللہ کو پیارے ہوں گے تو دیکھا جائے گا۔

برائے ایس وجوہ انگریز بہادر نے میرزا جواں بخت، یا کسی اور شہزادے کی ولی عہدی کے لیے کوئی قرار واقعی کارروائی نہ کی۔ ولی عہدی کے معاملے پر جو کاغذات و سفارشات دہلی میں صاحب کلاں بہادر کو موصول ہوئے تھے وہ ضابطے کے تحت صاحب لفٹن گورنر بہادر صوبہ جات شمال مغرب کی خدمت میں آکرے بھیج دیے گئے۔

میرزا فتح الملک شاہ بہادر جنت مکانی کے چہلم کی تاریخ مقرر ہوئی، سفید کاغذ پر رقعے لکھوا کر سارے قلعے میں تقسیم کیے گئے۔ ادھر میر عمارت نے کچی قبر کو تھوڑا سا کھلو کر گلاب، کیوڑہ اور عطر اندر ڈالا۔ اوپر سے قبر پختہ کرائی سنگ مرمر کا تعویذ بنوایا، پھر چاروں جانب سنگ مرمر کی جالیاں کھڑی کیں اور فرش لگا کر قبر مبارک تیار کر دی۔ اتنا لیسویں رات کو سب اقربا ولی عہد بہادر مرحوم کی ڈیوڑھی پر جمع ہوئے۔ جس جگہ مرشد زادہ جہانیاں نے دم توڑا تھا، وہاں کھانے کا تورہ اور جوڑا، دو سالہ، جامناز، تسبیح، جوتی، کنگھی اور مسواک کشتیوں میں لگا کر رکھ دیے گئے۔ تانبے اور چینی کے چھوٹے بڑے برتن، چمچے، تھالی، سرپوش، آفتابہ، زمین ذاتی، سب مہیا کیے گئے۔ دولال سبز بہت بڑی طوفیں، سوا سوا امن چربی کی سرہانے روشن کی گئیں۔ لوہان اور

اگر بتی کے دھوئیں میں رات بھر گرہ و بکا کا شور رہا۔ صبح کو پہلے تمام مرد اعزا قبر پر تشریف لے گئے۔ قبر کے اوپر کم خوابی شامیانہ چاندی کے ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اب قبر شریف کے گرد پھولوں کا چھپر کھٹ بنایا گیا، بیچ میں کم خواب کا قبر پوش، اس پر پھولوں کی چادر ڈالی گئی۔ کھانے کا تورہ اور برتن اور دیگر سامان قبر کے سرہانے رکھے گئے، پانچتی جوتی رکھی گئی۔ اب زنانہ ہوا، بیگماتوں نے سر برہنہ، موہریشاں آکر گرہ وزاری کی۔ ادھر باہر ختم ہوا، الاپچی دانے ختم کے سب میں تقسیم ہوئے پھر قوالی ہوئی۔ قوالی کے بعد کھانا کھایا گیا اور غربا کو کھلایا گیا۔ تیسرے پہر کو دوسرا ختم پڑھ کر تورہ، جوڑا، برتن، تمام سامان خادموں میں تقسیم کر کے سب شہزادے اور بیگمات قلعہ معلیٰ میں واپس آ گئے۔

وزیر کی آنکھوں کے گرد روتے روتے دم آ گیا تھا۔ اس کے صاحب عالم جس دن مرے تھے اس کے بعد سے وہ بستر پر لیٹی تھی اور نہ ہی کسی دن دو وقت کا کھانا اس نے کھایا تھا۔ زمین پر سونا اور ایک وقت مونہا جمونا کھا کر گذر کر ناس کا معمول ہو گیا تھا۔ مرشد زادہ آفاق کی زندگی میں وہ ان کی محبت میں اتنی گم اور اس قدر خوش رہتی تھی کہ باوجود خطاب شوکت محل کے وہ قلعے کی سرگرمیوں میں بہت کم حصہ لیتی تھی۔ جب میرزا محمد دارابخت ولی عہد بہادر اللہ کو پیارے ہوئے تو اس نے ان کی تجبیز و تکفین سے لے کر دوئم سوئم، چہلم اور پھر چھ ماہی اور برسی کی رسوم میں البتہ پورا پورا حصہ لیا۔ اسے تقدیر کی ستم ظریفی کہیے کہ ان رسوم اور مرنے والے کے تین قلعہ اور بیرون قلعہ کے لوگوں کی محبت اور عقیدت کو دیکھ کر اسے ایک طرح کی طمأنیت محسوس ہوئی۔ اسے ہمیشہ استقلال و استمرار کی تلاش رہی تھی اور وہ طالب سے زیادہ مطلوب بن کر رہنا چاہتی تھی۔ حویلی مبارک میں اسے دونوں چیزیں میسر ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ موتی کے تین اتنی مفصل اور طویل المدت رسوم کا انعقاد دیکھ کر اسے ایک طرح کی خوشی ہوئی کہ میرے صاحب عالم کا خدانہ کردہ جب وقت آیا تو ان کا وہ حال نہ ہو گا جو بلاک صاحب، نواب صاحب اور آغا صاحب کا ہوا کہ جب انھیں موت نے پکارا تو ان پر رونے والا کوئی نہ تھا۔ میں رہوں یا نہ رہوں، اس نے اپنے دل میں کہا لیکن قلعے کی رسمیں تو باقی رہیں گی۔

چہلم کے تیسرے دن وزیر خانم کی خدمت میں ملکہ دوراں کا پیغام آیا کہ آپ کی یاد ہو رہی ہے، جلد تشریف لے چلیے۔ وزیر کا ماتھا ٹھنکا۔ ملکہ دوراں نے پہلے کبھی اس طرح یاد نہ فرمایا تھا۔ شاید تعزیتی کلمات کہنا چاہتی ہوں، اس نے دل میں کہا۔ ہر چند کہ میرزا فتح الملک شاہ بہادر کی ولی عہدی کے بعد زینت محل نے وزیر اور اس کے بچوں سے خطاب و تکلم کم و بیش بند ہی کر دیا تھا لیکن شاید اس موقع پر ان کے دل میں کچھ درد آ گیا ہو۔ وزیر نے جلد جلد منہ پر چار چھینٹے مارے، آئینہ دیکھے بغیر انگلی سے بالوں میں کنگھی کی اور سفید لیکن صاف کپڑے پہن کر نواب زینت محل کی ڈیوڑھی پر حاضر خدمت ہوئی۔ نواب زینت محل نے معمولی طور پر اس کا استقبال کیا اور اپنے سامنے بٹھایا۔ کچھ دیر سکوت رہا، پھر ملکہ عالیہ نے ارشاد فرمایا:

”چھوٹی بیگم! ہمیں تمہاری بیوگی پر بہت افسوس ہے۔“ وہ ایک ہل رکیں۔ وزیر شکر یہ کے کچھ کلمات کہنے ہی والی تھی کہ ملکہ دوراں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ”لیکن تم تو ایسے سانحوں کی عادی ہو چکی ہو۔ اسے بھی سہ جاؤ گی۔ انو اسی کا کلیجا مضبوط ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں۔“ ملکہ دوراں کی بعض منہ لگی مصاحبوں نے ڈوپٹہ منہ پر رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کی لیکن بعض دوسری خواصوں کے چہرے پر کبیدگی کے آثار نمایاں ہوئے۔

وزیر کو یہ سمجھنے میں کوئی مشکل نہ ہوئی کہ ان توہین آمیز کلمات کا مقصد محض توہین نہیں۔ اصل مقصد یہ تھا کہ وزیر سے کوئی خلاف ادب یا خلاف مصلحت بات کہلا دی جائے اور بعد میں اسے وزیر کے خلاف استعمال کیا جائے۔ اس نے سر جھکا کر کہا:

"نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے ملکہ دوراں! واقعہ کتنا ہی سخت ہو لیکن تاب لائے ہی بنتی ہے۔ میں اللہ کے حضور میں آپ اور ظُلّ سچائی کی درازی عمر اور صحت و دولت اور اقبال کی دعا کرتی ہوں۔ آپ دونوں کا سایہ میرے لیے بہت ہے۔"

زینت محل ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئیں۔ انھیں اس جواب کی توقع نہ تھی۔ پھر گلا صاف کر کے وہ بولیں:

"ولی عہد بہادر مرحوم تمہارے لیے کیا کیا چھوڑ گئے ہیں چھوٹی بیگم؟"

اب وزیر نے سراٹھا کر اور کمر سیدھی کر کے جواب دیا: ولی عہد بہادر کا احوال مجھ سے زیادہ ملکہ دوراں اور ظُلّ الہی پر روشن ہے۔"

"تمہیں ان کی ڈیوڑھی خالی کرنی ہوگی۔"

"ملکہ دوراں شاید بھولتی ہیں۔ میں چھوٹی بیگم ہی نہیں، شوکت محل بھی ہوں۔"

"تم شوکت محل تھیں۔ اب نہیں ہو۔" زینت محل نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"یہ فیصلہ تو وہی کرے گا جس نے مجھے یہ خطاب عطا کیا تھا۔"

"چھوٹی بیگم! کسی فریب میں نہ رہنا۔ تم نے ہمارے بھولے بھالے میرزا فخر و بہادر کو شیشے میں اتار کر قلعہ شاہی میں پاؤں دھنسا لیے، اس توقع پر کہ تم

بھی تیوری شاہزادیوں میں شمار ہوگی۔ پھر بلی کے بھاگوں چھینکاؤنا اور تم ولی عہد سوئم کی بیگم کے بہ جائے ہندوستان کی ملکہ بننے کے امکانات میں گمن ہو

گئیں۔ تم جیسیوں نے کتنے ہی اینٹ کے گھر مٹی کر دیے لیکن قدرت خداوندی بھی کوئی چیز ہے۔"

وزیر سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے ملکہ کی بات کاٹنے کی گستاخی کی پروا کیے بغیر نرم لیکن مضبوط آواز میں کہا: "ملکہ عالم پر خوب عیاں ہے کہ

میں کن حالات میں قلعہ مبارک میں آئی۔ میں تو اپنے صاحب عالم و عالمیان کی خاک برابر بھی نہیں۔ انھوں مجھے ذرے سے آفتاب کیا ورنہ میں اپنی کال

کو ٹھڑی میں بیوگی کاٹ رہی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" زینت محل نے تیز لہجے میں کہا۔ "جس نے تمہیں ذرے سے آفتاب کیا اب وہ خود تہ خاک ہے۔ اب تم پھر وہی ذرہ خاک ہو

جو یہاں آنے کے پہلے تھیں۔"

"لیکن سرکار عالیہ!" وزیر نے تھوڑے سے طنز سے کہا: "میں پھر بھی ولی عہد ہندوستان کی بیوہ ہی کہلاؤں گی۔ آگے کوئی ولی عہد ہو، کوئی

بادشاہ ہو لیکن یہ چتر میرے حقیر سر کے اوپر سے کوئی اتار نہیں سکتا۔"

"کیوں نہیں؟" زینت محل کو جوش آگیا۔ "ہم اتار سکتے ہیں۔"

"ملکہ دوراں! آپ اپنے قلعہ معلّٰی میں کچھ بھی ڈھنڈورا پیٹا دیں لیکن نثار خدا کی آواز بند نہیں کر سکتیں۔"

وزیر نے متانت سے کہا: "لیکن آپ فرمائیں اس بندی سے آپ کیا خدمت لینا چاہتی ہیں۔ بندی ہر طرح سے تیار ہے۔"

"یہ صرف ہمارے قلعے کی بات نہیں۔ ہم اب بھی ہندوستان کی ملکہ ہیں۔ ہمارے سر پر جو کٹ ہے وہ نور جہاں اور ارجمند بانو کے سر پر تھا۔

ہمارے پیارے فرزند میرزا فخر و بہادر کا اس دار فانی سے منہ موڑ لینا اس بات کا اشارہ رکھتا ہے کہ اللہ کو منظور نہیں ہے کہ ان کے بعد کوئی

شخص غیر یہاں تاج و تخت کا وارث بنے۔"

"تاج و تخت آپ کو اور میرزا جواں بخت بہادر کو مبارک ہو، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔"

”لیکن ہمیں پرچہ لگا ہے کہ تم میرزا مغل بہادر سے مل کر ساز باز کر رہی ہو کہ میرزا مغل بہادر بادشاہ ہوں اور خورشید مرزا کو ولی عہد قرار دیا جائے۔“

وزیر نرسن سے رہ گئی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کے خلاف کوئی سازش ترتیب دی جا رہی ہے یا پھر نواب زینت محل کے کان جھوٹ سے بھر دیے گئے ہیں۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک تھا، قلعے سے وزیر خاتم اور اس کی اولاد کا اخراج۔ وزیر نے گہری سانس لے کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی، پھر کہا: ”ملکہ عالیہ! ذرا یہ تو غور فرمالیتیں کہ میرزا مغل بہادر مجھ نکلی بیوہ کی مدد سے کیا سازش برپا کر سکتے ہیں۔ پھر میرزا ابو بکر بہادر کے ہوتے بے چارہ خورشید مرزا کس شمار و قطار میں ہے؟“

”ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہی تو تم لوگوں کی چالیں ہیں۔ میرزا ابو بکر بہادر بے ماں کا تھا، اب بے باپ کا بھی ہو گیا۔ اسے کسی طور بہلا پھسلا لیا جائے گا۔“

”اللہ رکھے ابو بکر بہادر جوان ہیں، ذی علم اور ذی لیاقت ہیں۔“

”ہمارے سامنے ہماری اولادوں کا بکھان نہ کرو چھوٹی بیگم۔ میرزا ابو بکر بہادر کی خوبیاں ہم پر عیاں ہیں۔ لیکن ان کا میرزا مغل بہادر سے خلا ملا بھی کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔“

”سرکار مالک ہیں۔ لیکن مجھے مہابلی کی خدمت میں ایک بار پیش ہو لینے دیجیے۔ میں اپنی بے قصوری تو ان پر ظاہر کر دوں۔“

”حضور پر نور پر سب کچھ ظاہر ہے۔ یہ انھیں کافیصلہ ہے کہ تم دونوں کے اندر اندر حویلی خالی کر دو۔ خورشید مرزا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرزا ابو بکر بہادر کو بھی، اگر وہ جانا چاہیں۔“ زینت محل نے سر دلچہ میں کہا۔

وزیر ایک بار پھر سنانے میں آگئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ زینت محل اس طرح ٹکڑا سا توڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دیں گی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ بہت سے بہت یہ ہو گا کہ میرزا فخر و بہادر کی ڈیوڑھی اس سے خالی کرالی جائے گی اور کسی کو نہ کھدے میں ایک دو حجرے اسے مل جائیں گے۔ نواب مرزا کی تنخواہ موقوف ہو جائے گی اور اس کی بھی تنخواہ بہت کم کر دی جائے گی۔ خورشید مرزا کی تعلیم تربیت سب ختم کر دی جائے گی۔ لیکن قلعے سے باہر نکلنا، یہ اس نے اپنے بدترین خوابوں میں بھی خیال نہ کیا تھا۔ اب جو یہ قیامت اس کے سر پر تھی تو اس نے دل پر قابو پانے اور اپنے حواس کو مجتمع کرنے کی کوشش کی۔ یہ بات تو اس پر بالکل عیاں تھی کہ زینت محل کے فیصلے کے خلاف جدوجہد یا احتجاج کرنا بے کار تھا بلکہ مزید خرابی بلکہ ذلت کا سبب بن سکتا تھا۔ بادشاہ کے یہاں باریابی ناممکن تھی لیکن اگر وہ باریاب ہو بھی جاتی تو بادشاہ اب اکیاسی برس کے ہو چکے تھے، وہ اگر پیر خرف نہیں تو ضعیف الارادہ اور بہ ظاہر زینت محل کی مٹھی میں ضرور تھے۔ ان سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ زینت محل کے پھاڑے ہوئے کو سی سکیں گے۔ وزیر نے ممکن حد تک تمام پہلوؤں پر اس ذرا سی مدت میں غور کیا اور بولی:

”ملکہ عالیہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن ایک دن وہ بھی ہو گا جب کسی بادشاہ، کسی حاکم کا حکم نہ چلے گا، صرف اللہ ہو گا اور انصاف کی ترازو ہو گی۔ آپ نے بھی کلام شریف میں پڑھا ہو گا۔ اللہ سب کے دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔ بندی نہیں جانتی کہ ملکہ دوراں کے دل میں میرے خلاف زہر کے بیج کس نے بوئے۔ میں اپنا حال جانتی ہوں کہ میرے دل میں میرے مرحوم صاحب عالم، بادشاہ ظل اللہ اور ملکہ دوراں کے لیے احترام اور محبت کے سوا کچھ نہیں۔“

”وہ سب درست، لیکن ظل سبحانی کے ارشاد کی تعمیل جلد از جلد ہو۔“ زینت محل نے ایک خشک مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”بے شک۔“ وزیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے ملکہ کے سامنے سے اٹھ جانے کی اجازت بھی نہ لی اور نہ برخاستگی کے حکم کا انتظار کیا۔“ میں نے کسی باب میں اب تک ملکہ کو مایوس نہیں کیا۔ اب بھی ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ آپ کے دامن دولت میں جگہ نہیں تو نہ سہی۔ ہم اور آبادی میں جا مقوم اپنا پائیں گے خلق خدا الملک خدا۔ تسلیمات!“

وزیر نے اپنے پاؤں واپس ہونے کے بہ جالے زینت محل کی طرف پیٹھ کی اور ایوان سے باہر ہو گئی۔ اس وقت زینت محل کے سامنے تو اس نے یوں ظاہر کیا تھا کہ اسے قلعہ چھوڑنے کا کچھ غم ہو گا اور نہ سر چھپانے کی جگہ کی تلاش میں در بہ در ہونا پڑے گا۔ لیکن اب اپنی دیوڑھی تک تہہ راہ طے کرتے کرتے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا پھانے لگا اور قدم لڑکھرانے لگے۔ بہ ہزار خرابی وہ گھر پہنچی اور ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اپنے حجرے میں پٹنگ پر گر پڑی۔ اتفاق سے اس وقت میرزا ابو بکر، میرزا خورشید عالم اور نواب میرزا خان تینوں دیوڑھی پر موجود تھے۔ انھوں نے کھرا کر پوچھا: ”اماں جان خیر تو ہے؟ مزاج کیسا ہے؟“ لیکن وزیر کی بتیسی بیٹھی گئی تھی، اس کے چہرے پر مردنی تھی اور منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکتا تھا۔ میرزا ابو بکر نے فوراً ایک چوب دار حکیم محمد تقی خان کے لیے روانہ کیا۔ نواب میرزا خان اور خورشید مرزا نے لٹکے اور انگریزی نمکیات ماں کو سنکھائے۔ حکیم صاحب کے آتے آتے وزیر کو ہوش آ گیا تھا لیکن اس کے چہرے پر مردنی اسی طرح باقی تھی۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی اور کہا کہ غم اور صدمے کے باعث جگر کا فعل ست ہو گیا ہے۔ انھوں نے نسخہ لکھا، چند بوندیں ایک مقوی مفرح کے اپنے سامنے پلائیں اور مکمل آرام کی ہدایت دے کر رخصت ہوئے۔

وزیر سے سب حال سن کر نواب مرزا اور خورشید مرزا نے برہم ہو کر کہا کہ ہم ابھی اس جگہ کی خاک اپنے دامن اور پاپوش سے جھاڑتے ہیں۔ اماں جان جہاں دل کرے وہاں چلی چلیں۔ کچھ نہیں تو خانم کے بازار والا گھر تو موجود ہی ہے، ورنہ ہم تو ان کے ساتھ جنگل بیابان میں گھر بنانے کو تیار ہیں۔ ہم لکڑیاں کانٹے جنگلی پھلوں پر گزارہ کریں گے لیکن قلعے کا منہ نہ دیکھیں گے۔

”اماں نہیں بھئی! اتنی جلدی نہ کرو۔“ میرزا ابو بکر نے کہا: ”میں ابھی خان سامانی کو جانتا ہوں۔ حکیم محمد احسن اللہ خان بہادر کو بیچ میں ڈالوں گا۔ ظلم سبحانی مشورہ ان کا آسانی سے رد نہیں فرماتے۔“

”صاحب عالم! ذرا سوچ لیجیے۔“ وزیر نے میرزا ابو بکر کی آستین تھام کر کہا۔ ”اگر خان ساماں بہادر اس معاملے میں پڑنے کو تیار بھی ہو گئے، ہر چند کہ مجھے اس میں شک ہے اور نواب زینت محل کو زک پہنچ بھی گئی لیکن تاہم کسے یہ صورت رہے گی؟ وہ تو اپنی سی کرنے سے باز آنے سے رہیں اور یہ جو سازش کا شیطان انھوں نے گھڑا ہے یا لوگوں نے ان کو باور کرایا ہے، وہ پھر بھی سر اٹھاتا رہے گا۔ ہم سب کی زندگی اور بھی اجیرن ہو جائے گی۔“

”تو پھر آپ کیا چاہتی ہیں اماں جان! کیا نواب زینت محل کو من مانی کرنے دیا جائے؟“

”صاحب عالم! اس میں من مانی کیا ہے؟ وہ جو چاہیں کر ہی سکتی ہیں۔ حضور انور کی چیمٹی بیگم جو ٹھہریں۔ ان کے دل میں آپ کے ابا مرحوم کے خلاف کینہ اسی دن سے ہے جب اللہ بخشے وہ دلی عہد اول ہوئے تھے اور کوششیں نواب زینت محل کی ناکام ہوئی تھیں۔ اب تو زیادہ ضروری یہ ہے کہ میں اپنے بچوں کی حفاظت کروں اور ہر چیز دیگر پر اسے مقدم جانوں۔“

میرزا ابو بکر سوچ میں پڑ گئے، پھر بولے: ”میں میرزا مغل پچا جان بہادر سے تو مشورہ کر لوں۔“

”کہا ہے کہ مشورہ آپ کریں صاحب عالم! زینت محل ان کے اور میرزا قویش کے جلاپے سے یوں ہی تپ رہی ہیں، اب میرزا مغل بہادر کو اور

مکلف کرنا کیا ضرور ہے۔“ وزیر نے جواب دیا۔

”آپ کو اپنا حق تو لینا چاہیے۔“ میرزا مغل نے فرمایا۔

”حق کیا شے ہے صاحب عالم؟“ وزیر نے زہر خند کے ساتھ کہا: ”ساری زندگی میں حق ہی کی جو یاری ہوں۔ وہ پہاڑوں کی کسی کھوہ میں ملتا ہو تو ملتا ہو ورنہ اس آسمان تک تو کہیں دیکھا نہیں گیا۔“

میرزا ابو بکر نے وزیر کے لہجے میں تلخی کبھی نہ دیکھی تھی وہ سوچنے لگے کہ سوتیلی لیکن غم زدہ ماں کو کیا جواب دیں جس سے اس کی کچھ تسلی ہو، کہ نواب مرزا ابولا:

”صاحب عالم! میری مائیں تو آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ مجھے لگتا ہے یہ قلعہ میمونہ اب زیادہ دیر تک میمون و مصعون نہ رہے گا۔“ نواب مرزا نے کچھ تردد کے لہجے میں کہا: اور یہ تردد صرف ماں کی اور اپنی حالت کے بارے میں نہ تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا نواب مرزا! میں قلعہ کیوں چھوڑوں“ میرزا ابو بکر نے کہا۔ دونوں کم و بیش ہم مرتھے اس لیے ان میں بے تکلفی بہت تھی۔ ایک لمحہ توقف کے بعد انھوں نے رازدارانہ لہجے میں کہا: ”ہم اور میرزا مغل چچا بہادر تو اس خیال میں ہیں کہ مناسب موقع مل جائے تو ان کریشان فرنگیان ہی کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔“

نواب مرزا کا چہرہ فکر مندی سے بھر گیا۔ وہ کچھ دیر سر جھکائے رہنے کے بعد بولا: ”برادر! یہ بات تو ہے کہ حاکمان نصرانیان کے خلاف رعایا کے دلوں میں اور خاص کر سپاہیان دہلی کے دلوں میں کچھ نا اطمینانی ہے اور ادھر کھنسنو میں کوئی خدا رسیدہ بزرگ مولوی احمد اللہ شاہ صاحب ہیں جنہیں ڈنکا بجایا جاتا ہے۔ وہ علی الاعلان لوگوں سے کہتے ہیں کہ انگریز ہندو کے دھرم کا اور مسلمان کے دین کا دشمن ہے۔ انگریز یہاں رہے گا تو دونوں تہمتیں تباہ ہو جائیں گی۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ سورما چتا بھلا بھلاڑ پھوڑ سکتا ہے؟“

انھیں خیالات کے سبب تو ہم بے عمل ہو گئے ہیں نواب مرزا خان! میرزا ابو بکر نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

نواب مرزا نے مسکرا کر کہا: ”صاحب عالم! آپ حضرت ظہیر الدین بابر کی اولاد ہیں جنہوں نے ایک عالم کی مخالفت کے باوجود تنہا بے جان واحد گھر سے نکل کر بخارا پر قبضہ کر لیا تھا اور مٹھی بھر جان نثاروں کی مدد سے کابل اور پھر ملک ہند کو دریائے شور تک لے لیا تھا۔ لیکن آپ کی طبع و قاد پر روشن ہو گا کہ امام ابو حنیفہ فرما گئے ہیں کہ ظالم بادشاہ کے خلاف خروج اسی وقت جائز ہے جب فتح کا امکان ہو۔“

میرزا ابو بکر نے: ”خروج کی بات ابھی بہت دور ہے نواب مرزا! پر تم خود ہی کہتے ہو کہ رعایا میں بہت بے اطمینانی ہے۔“

”سہی! لیکن بھائی ظہیر الدین حسین نے مجھ سے کہا کہ ان کے خسر فرما رہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں تلوار چلے اور خون ریزی

منظم ہو۔ بھائی ظہیر الدین حسین نے پوچھا، کیا روس کی فوج آئے والی ہے، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ امر اللہ کو معلوم ہے۔“

”اللہ! آپ لوگ یہ تیر تلوار کی باتیں نہ کریں۔“ وزیر نے ملتجیانہ انداز میں کہا: ”خدا جانے کون سن رہا ہو اور کیا مطلب اس کا نکالے۔ میں تو صرف یہ

پوچھتی ہوں کہ میرزا ابو بکر بہادر ہمارے ساتھ آسکیں تو بہت خوب ہو۔ پر وہ شای طور طریق کے عادی ہیں اور ہم لوگ۔“

”قطع کلام معاف اماں جان! یہ شای طور طریق کی بات نہیں۔ قول اور اصول کی بات ہے۔ میرا گھر قلعہ ہے۔ یہ کوئی نواب زینت محل کی ملکیت تو نہیں۔“

میں اسے کیوں چھوڑوں؟“

”صاحب عالم! مجھے تو یہاں آپ کے لیے خطرہ معلوم ہوتا ہے۔“ وزیر نے کہا: ”اور یہ نواب مرزا جو راقم الدولہ صاحب سے خبر لائے ہیں وہ تو اور بھی وحشت اثر ہے۔“

”راقم الدولہ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ایک مجذوب نے ان سے کہا کہ تم شہر میں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ دنیا دار آدمی ہو، جاؤر جوازوں کی سیر کرو۔“ نواب مرزا نے کہا۔

”اماں نواب مرزا! میرزا ابو بکر نے زچ ہو کر کہا! مجھے خبر نہ تھی کہ تم اور راقم الدولہ اس قدر ادہام پرست ہو۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ میں یہیں رہوں گا۔“

وزیر اس کے آگے کچھ نہ کہ سکی۔ اسے خبر نہ تھی کہ میرزا ابو بکر کے لیے خطرہ تھا لیکن قلعے کے باہر سے تھا۔ ملک الموت انھیں اپنے لیے تاک چکا تھا۔ چند مہینوں بعد انگریز کے خلاف جو قہر برپا ہونا تھا اور پھر دہلی کے دفاع کے لیے جو معرکہ گرم ہونا تھا، میرزا ابو بکر اور میرزا مغل کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا تھا اور بادشاہ کی شکست کے بعد ایک معمولی انگریز فوجی افسر کی گولی کا نشانہ بننا تھا۔ موت نے ان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی تھی، وہ بھلا قلعہ کس طرح چھوڑ سکتے تھے۔

”ملکہ دوراں نے اشارہ کر دیا ہے کہ میں کوئی ایسی چیز یہاں سے نہیں لے جا سکتی جو مرحوم صاحب عالم و عالمیان نے مجھے یا میرے بچوں کو عطا کی ہو۔“ وزیر نے کہا: ”نواب مرزا اور خورشید میرزا آپ مزدوروں اور پیادوں کا انتظام کریں، کل ہم اپنا نجی سامان نواب ناظر اور خان سامان بہادر کے آدمیوں کی موجودگی میں بند ہوا کر بیل پر بار کر آ کر شام سے پہلے پہلے قلعہ چھوڑ دیں گے۔“

”لیکن جاگیں گے کہاں؟“ خورشید میرزا نے پوچھا۔

وزیر کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ ابھی تو خانم کے بازار والا گھر ہے۔ لیکن اب مجھے دلی جائے مان نہیں لگتی۔ بڑی باہمی سے بات کر کے فیصلہ کروں گی۔

”میں عرض کروں؟“ نواب مرزا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہاں کہو نا! کیا کوئی اور تجویز ہے؟“ میرزا ابو بکر نے فرمایا۔

”جی! وہ رام پور میں منجھلی خالہ جان ہیں۔ وہاں ہر طرح کی حفاظت بھی رہے گی۔“

سب ایک لمحے کے لیے چپ ہو گئے۔ دلی چھوڑنے کا خیال سوہان روح لگتا تھا۔

”ٹھیک ہے۔“ وزیر نے سوچ کر کہا: ”لیکن منجھلی باہمی سے بات تو کرنی ہوگی۔ اور خانم کے بازار والا مکان؟“

”اسے آپ نہ چھوڑیں۔“ میرزا ابو بکر نے کہا۔ ”رکھو! اس کی بندوبست ہو جائے گا۔“

اگلے دن مغرب کے بعد قلعہ مبارک کے لاہوری دروازے سے ایک چھوٹا سا قافلہ باہر نکلا۔ ایک پاکی میں وزیر، ایک بیل پر اس کا اثاث البیت، اور پاکی کے دائیں بائیں گھوڑوں پر نواب مرزا خان اور خورشید میرزا۔ دونوں کی پشت سیدھی اور گردن تنی ہوئی تھی۔ محافظ خانے والوں نے روکنے کے لیے ہاتھ پھیلائے تو میرزا خورشید عالم نے ایک ایک منٹھی اٹھنیاں چوٹیاں دونوں طرف لٹائیں اور یوں ہی سر اٹھائے ہوئے نکل گئے۔ ان کے چہرے ہر طرح کے تاثر سے عاری تھے لیکن پاکی کے بھاری پردوں کے پیچھے چادر میں لپٹی اور سر کو جھکائے بیٹھی ہوئی وزیر خانم کو کچھ نظر نہ آتا تھا۔

(کئی چاند تھے سر آسمان)

شخص ار حمن فاروقی (۱۹۳۵ء تا ۲۰۲۰ء)

اردو زبان و ادب کے نام ور نقاد، ادیب، محقق، ناول نگار اور افسانہ نگار کی پیدائش آترپ دیش کے ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی۔ الہ آبادیونی ور سٹی سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی علمی ادبی سرگرمیوں کا آغاز الہ آباد ہی سے علمی، ادبی، تحقیقی رسالہ ”شب خون“ جاری کر کے کیا۔ اس رسالے کو اردو زبان و ادب میں جدیدیت کا پیش رو بھی کہا جاتا ہے۔ شخص ار حمن فاروقی کی زیر سرپرستی شائع ہونے والے اس رسالے نے ان گنت شاعروں اور ادیبوں کی فکری رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا۔

شخص ار حمن فاروقی نے اپنا فنی و فکری سفر تنقید نگاری سے شروع کیا جو شاعری، تحقیق، لغت نگاری، افسانہ نگاری، ناول نگاری، عروض اور ترجمہ نگاری پر جانیق ہوا۔ آپ کی علمی، ادبی اور تحقیقی خدمات کے سلسلے میں بھارتی حکومت نے سرسوتی اعزاز، ساہتیہ اکادمی ایوارڈ، پدم شری ایوارڈ برائے ادب و تعلیم، سے نوازا۔

شخص ار حمن فاروقی کی اہم تصانیف میں ”شعر شور انگیز“، ”اردو غزل کے اہم موڈ“، ”افسانے کی حریت میں“، ”تقسیم غالب“، ”شعر غیر شعر اور نثر“، ”لغات روزمرہ“، ”عروض: آہنگ اور بیان“، ”سوار اور دوسرے افسانے“، ”کنج سوختہ“، ”مجلس آفاق میں پروانہ ساں“ (جملہ شاعری کی کلیات)، ”کئی چاند تھے سر آساں“ شامل ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شخص ار حمن فاروقی اردو زبان و ادب کے جدید دور کی کثیر الجہت ادبی شخصیت تھے۔



۱: درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

- (i) سبق ”شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے“ صنف ادب کے لحاظ سے ہے:
- الف۔ ڈراما ب۔ افسانہ ج۔ لوک کہانی د۔ ناول
- (ii) حضور عالی جاہ نے کس کو جواں بخت کی دلی عہدی کی سفارش کا ثقتہ لکھو دیا؟
- الف۔ خلیفہ وقت کو ب۔ کمپنی انگریز بہادر کو ج۔ ملکہ برطانیہ کو د۔ وائسرائے ہند کو
- (iii) دلی عہدی کے معاملے پر جو کاغذات و سفارشات دہلی میں صاحب کلاں بہادر کو موصول ہوئے وہ آگے کہاں بھیج دیے گئے؟
- الف۔ آگرہ ب۔ کلکتہ ج۔ لاہور د۔ امرت سر
- (iv) لوبان اور اگر بختی کے دھوکے میں رات بھر کس کا شور رہا؟
- الف۔ ڈھول باجے کا ب۔ گریہ و بکا کا ج۔ گانے بجانے کا د۔ چچ و پکار کا
- (v) چہلم کے کون سے دن وزیر خانم کی خدمت میں ملکہ سوورائ کا پیغام آیا؟
- الف۔ پہلے ب۔ دوسرے ج۔ تیسرے د۔ چوتھے

۲: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:

- الف۔ فتح الملک کا سوئم ختم ہوتے ہی نواب زینت محل نے کس بات کا زور بادشاہ پر ڈالنا شروع کر دیا؟
- ب۔ بادشاہ کے لیے یہ کیوں ممکن نہ تھا کہ وہ زینت محل کی بات کو نظر انداز کر دیں؟
- ج۔ لارڈ گورنر جنرل بہادر کو لکھے گئے خطوں میں میرزا جواں بخت کے متعلق کیا کچھ بیان کیا گیا تھا۔
- د۔ میرزا فتح الملک بہادر کے چہلم کے موقع پر کیا اہتمام کیا گیا تھا؟

۱۔ صاحبِ عالم کی وفات کے بعد وزیر کی کیا حالت تھی؟

و۔ چہلم کے تیسرے دن وزیر خانم کی خدمت میں ملکہ بدورال کا کیا پیغام آیا؟

ز۔ زینت محل نے وزیر خانم کو محل چھوڑنے کے لیے کیوں کہا؟

ح۔ نواب زینت محل کی بات ماننا وزیر خانم کے لیے ایک مجبوری تھی، کیوں؟

ط۔ قلعہ مبارک کے لاہوری دروازے سے نکلنے والے چھوٹے سے قافلے کا احوال اپنے الفاظ میں لکھیں؟

یوٹیوب چینل سے ضیاء الدین کی ویڈیو تلاش کریں جس میں انھوں نے پطرس بخاری کا شہرہ آفاق مزاحیہ مضمون ”مرحوم کی یاد میں“ کی تحت اللفظ میں نثر خوانی کی ہے۔ اس مضمون کے درج ذیل حصے کو خصوصی طور پر سن کر احساس، جذبہ، اور تاثر کے حوالے سے زبان و بیان کے حسن و قبح کی نشان دہی کریں۔ بعض اوقات شاعر یا ادیب اپنی تخلیقات میں جدت اور تاثر پیدا کرنے کے لیے دوسری زبانوں کے الفاظ کو بھی بے تکلفی سے برت جاتے ہیں جس سے اردو زبان و بیان میں خوب صورتی یا اجنبیت (خسن و قبح) کا احساس ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شاعر یا ادیب کی مہارت ہی اسی بات میں ہوتی ہے کہ دیگر زبانوں کے الفاظ اس چابک دستی سے استعمال کرے کہ وہ اردو روزمرہ اور محاورے میں رچ بس جائیں۔

سبق ”شاخوں پہ جلے ہوئے بیرے“ آپ نے پڑھا جس میں شمس الرحمن فاروقی نے زبان و بیان، روزمرہ اور محاورے کی چاشنی کے ساتھ مغلیہ سلطنت کے زوال کی داستان بیان کی ہے۔ طلبہ آپس میں اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی امور وغیرہ سے متعلق اپنی محنت گو میں درج ذیل موزوں الفاظ و تراکیب پر مشتمل روزمرہ اور با محاورہ زبان استعمال کریں:

تقاضائے عمری، بہ وجہ ضعف، تھمر تھری، عدم مداخلت، حکومت، سنگ مرمر، آفاق، ستم ظریفی، استمرار، طویل المدت،

کبیدگی، خلاف مصلحت، ڈھنڈورا، پیر خرف، لٹے پاؤں، مقوی، مفرح، پہاڑوں کی کھوہ، جائے امان، رکھوالی۔

اصطلاحی اور مجازی نقطہ نظر پیش کرنے کے لیے دو طالب علم، وزیر خانم اور ملکہ بدورال کے درمیان ہونے والے درج ذیل مکالمے کو آپس کی گفت گو کے انداز میں پیش کریں:

چہلم کے تیسرے دن وزیر خانم کی خدمت میں ملکہ بدورال کا پیغام آیا کہ آپ کی یاد ہو رہی ہے، جلد تشریف لے چلیے۔ وزیر کا ماتھا ٹھنکا۔ ملکہ بدورال نے پہلے کبھی اس طرح یا نہ فرمایا تھا۔ شاید تعزیتی کلمات کہنا چاہتی ہوں، اس نے دل میں کہا۔ ہر چند کہ میر فتح الملک شاہ بہادر کی ولی عہدی کے بعد زینت محل نے وزیر اور اس کے بچوں سے خطاب و تکلم کم و بیش بند ہی کر دیا تھا لیکن شاید اس موقع پر ان کے دل میں کچھ درد آگیا ہو۔ وزیر نے جلد جلد منہ پر چار چھینٹے مارے، آئینہ دیکھے بغیر انگلی سے بالوں میں کٹکٹھی کی اور سفید لیکن صاف کپڑے پہن کر نواب زینت محل کی ڈیوڑھی پر حاضر خدمت ہوئی۔ نواب زینت محل نے معمولی طور پر اس کا استقبال کیا اور اپنے سامنے بٹھایا۔ کچھ دیر سکوت رہا، پھر ملکہ عالیہ نے ارشاد فرمایا:

”چھوٹی بیگم! ہمیں تمھاری بیوگی پر بہت افسوس ہے۔“ وہ ایک پل رکیں۔ وزیر شکرے کے کچھ کلمات کہنے ہی والی تھی کہ ملکہ بدورال نے

سلسلہ کام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ”لیکن تم تو ایسے سانحوں کی عادی ہو چکی ہو۔ اسے بھی سہ جائے گی۔ انو اسی کا کلیجا مضبوط ہوتا ہے، لوگ کہے ہیں۔“

ملکہ بدورال کی بعض منہ لگی مصاحبوں نے ڈوپٹہ منہ پر رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کی لیکن بعض دوسری خواصوں کے چہرے پر کبیدگی کے

آثار نمایاں ہوئے۔

وزیر کو یہ سمجھنے میں کوئی مشکل نہ ہوئی کہ ان توہین آمیز کلمات کا مقصد محض توہین نہیں۔ اصل مقصد یہ تھا کہ وزیر سے کوئی خلاف ادب یا خلاف مصلحت بات کہلا دی جائے اور بعد میں اسے وزیر کے خلاف استعمال کیا جائے۔ اس نے سر جھکا کر کہا:

"نہیں تو سولی پر بھی آجاتی ہے ملکہ دوراں! واقعہ کتنا ہی سخت ہو لیکن تاب لائے ہی بنتی ہے۔ میں اللہ کے حضور میں آپ اور ظلِ سحابی کی درازی عمر اور صحت و دولت اور اقبال کی دعا کرتی ہوں۔ آپ دونوں کا سایہ میرے لیے بہت ہے۔"

زینت محل ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئیں۔ انھیں اس جواب کی توقع نہ تھی۔ پھر گلا صاف کر کے وہ بولیں:

"ولی عہد بہادر مرحوم تمہارے لیے کیا کیا چھوڑ گئے ہیں چھوٹی بیگم؟"

اب وزیر نے سر اٹھا کر اور کمر سیدھی کر کے جواب دیا: ولی عہد بہادر کا احوال مجھ سے زیادہ سے ملکہ دوراں اور ظلِ الہی پر روشن ہے۔

"میں ان کی ڈیوڑھی خالی کرتی ہو گی۔"

"ملکہ دوراں شاید بھولتی ہیں۔ میں چھوٹی بیگم ہی نہیں، شوکت محل بھی ہوں۔"

"تم شوکت محل تھیں۔ اب نہیں ہو۔" زینت محل نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"یہ فیصلہ تو وہی کرے گا جس نے مجھے یہ خطاب عطا کیا تھا۔"

"چھوٹی بیگم! کسی فریب میں نہ رہنا۔ تم نے ہمارے بھولے بھالے میرزا فخر و بہادر کو شیشے میں اتار کر قلعہ شاہی میں پاؤں دھنسا لیے، اس موقع پر کہ تم بھی تیموری شاہ زادوں میں شمار ہو گی۔ پھر بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور تم ولی عہد سوئم کی بیگم کے بہ جائے ہندوستان کی ملکہ بننے کے امکانات میں مگن ہو گئیں۔ تم جیسیوں نے کتنے ہی اینٹ کے گھر مٹی کر دیے لیکن قدرت خداوندی بھی کوئی چیز ہے۔"

وزیر سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے ملکہ کی بات کاٹنے کی گستاخی کی پر واکے بغیر نرم لیکن مضبوط آواز میں کہا: "ملکہ عالم پر خوب عیاں ہے کہ میں کن حالات میں قلعہ مبارک میں آئی۔ میں تو اپنے صاحب عالم و عالیان کی خاک برابر بھی نہیں۔ انھوں مجھے ذرے سے آفتاب کیا ورنہ میں اپنی کال کو ٹھڑی میں بیوگی کاٹ رہی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" زینت محل نے تیز لہجے میں کہا۔ "جس نے تمہیں ذرے سے آفتاب کیا اب وہ خود تہ خاک ہے۔ اب تم پھر وہی ذرہ خاک ہو جو یہاں آنے کے پہلے تھیں۔"

سبق کے درج بالا پڑھے گئے حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل سے اظہار رائے کریں اور اس حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کریں۔

عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے لیے درج ذیل تحریر کو پڑھیں اور اس سے معلومات حاصل کریں:

پاکستان اور چین اپنے جغرافیائی محل وقوع کے حوالے سے اقوام عالم کے لیے بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہونے کے باوجود گہری دوستی کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پاک چین دوستی بحیرہ عرب سے گہری اور کوہ ہمالیہ سے بھی بلند تر ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مضبوط تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ چین دنیا کی ابھرتی ہوئی معاشی اور دفاعی طاقت ہے جب کہ پاکستان اپنی تجارتی گزرگاہوں کے حوالے سے چین کی ترقی میں مدد و معاون۔ چین نے متعدد مشکل مواقع پر پاکستان کو اخلاقی، مالی اور سیاسی معاونت فراہم کی۔ گزشتہ چند سالوں سے سی بیک منصوبوں کے ذریعے دونوں ممالک کی دوستی کو مزید مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے معاشی میدان میں اربوں ڈالرز کے پراجیکٹس کا

(الف) مرکب توصیفی: ایسے مرکب کو کہتے ہیں جو اسم صفت اور اسم موصوف سے مل کر بنے۔

مثال کے طور پر: سایہ دار درخت، شفیق والدین۔ مرکب توصیفی کی ان مثالوں میں سایہ دار اور شفیق؛ صفات ہیں جب کہ درخت اور والدین موصوف ہیں۔

(ب) مرکب اضافی: ایسے مرکب کو کہتے ہیں جو مضاف، مضاف الیہ اور حرف اضافت (کا، کی، کے) سے مل کر بنے۔ بعض اوقات اسم کے نیچے جو زیر لگتی ہے وہ بھی حرف اضافت ہی کا کام کرتی ہے۔

مثال کے طور پر: اردو کی کتاب، شجاع کے کپڑے، انوار رحمت وغیرہ

(ج) مرکب عطفی: ایسے مرکب کو کہتے ہیں جو معطوف علیہ، حرف عطف اور معطوف سے مل کر بنے۔

مثال کے طور پر: مال و دولت، ماں اور باپ۔ ان مثالوں میں مال، ماں اور باپ۔ ان مثالوں میں مال، ماں معطوف علیہ، و، اور؛ حرف عطف جب کہ دولت اور باپ معطوف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

(ii) مرکب تام

دو یا دو سے زائد الفاظ کا ایسا مجموعہ جو پڑھنے والے پر اپنا مفہوم مکمل طور پر ادا یا واضح کر دے، مرکب تام کہلاتا ہے۔

مثلاً: میرا ملک پاکستان ہے۔ دو بھائی پڑھ رہے ہیں۔

۹۔ مرکب ناقص کی اقسام (مرکب توصیفی، مرکب اضافی اور مرکب عطفی) اور مرکب تام کی دو دو مثالیں لکھ کر ان کے جملے بنائیں۔

مرکب مصادر:

مصدر ایک ایسا اسم ہے جو خود کسی سے نہیں بنایا لیکن اس سے کئی لفظ بن سکتے ہیں۔ دو یا دو سے زائد مصادر مل کر مرکب مصدر بناتے ہیں۔ یعنی جب ایک مصدر کسی اسم یا کسی فعل کے ساتھ ملے۔ مثال کے: آگنا اور آنا سے آگ آنا، سنبھالنا اور رکھنا سے سنبھال کر رکھنا، گرنا اور پڑنا سے گر پڑنا، دھونا اور دینا سے دھو دینا مرکب مصادر کی مثالیں ہیں جب دو مصادر مل کر ایک مصدر بنائیں جب کہ کتاب پڑھنا، خط لکھنا، سانپ مارنا، سچ بولنا وغیرہ ایسے مرکب مصادر ہیں جب ایک اسم ایک مصدر کے ساتھ مل کر مرکب مصدر کی تشکیل کرتا ہے۔

مرکب مصدر میں جب دو فعل اکٹھے آجائیں تو پہلے فعل کو اصل فعل جب کہ دوسرے فعل کو امدادی یا معاون فعل کہتے ہیں۔ مثال کے طور اوپر دی گئی مثالوں میں آگ آنا، گر پڑنا میں آگ، گر دونوں اصل فعل ہیں جب کہ آنا اور پڑنا امدادی یا معاون فعل ہیں۔

۱۰۔ مرکب مصادر کی دو دو مثالیں دے کر وضاحت کریں۔



لاہور سے شہریت صدیقی کا لکھا ہوا ناول ”خدا کی بستی“ جاری کر انہیں۔ اسے پڑھتے ہوئے شوکت صدیقی اور شمس الرحمن فاروقی کے ناول ”کئی چاند تھے سر آسمان“ کے اسلوب میں امتیاز کریں۔

شروع قصے کا

۲



اس سبق کی ہر ریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کام/اہم بات کو آغاز اور میان سے سن کر لکھ و نثر کے مرکزی خیال، نکتے، تصویر تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ اور موضوع بیان کر سکیں۔
- افسانوی غیر افسانوی انتخاب پڑھ کر اس میں موجود معلومات اخذ کرتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مختلف نثری اصناف ادب (کہانی، داستان، ڈراما، ناول، پچھ کر ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کر سکیں۔
- منظوم یا منثور کسی بھی دو اصناف ادب کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کر سکیں۔
- عالمی، ثقافتی، معاشرتی، معاشی اور سماجی رابطوں کے لیے مختلف تصاویر پڑھ سکیں اور ان سے معلومات اخذ کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کر سکیں۔
- درخواست، رسمی غیر رسمی خطوط، دعوت نامے، تہنیت نامے کی تحریری یا برقی (ای میل) تکمیل کر سکیں۔
- تراکیب لفظی کی شناخت کر سکیں اور اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی تحریر میں اس کا استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ	باؤشد	اسم باسٹھی	چورچکار	مانند تار مٹیش	خزانہ غیب
صحنہ خیزے	تسلیمات و کورنشات	رعیت	نور خانے	نور خانے	نور خانے

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مختلف اصناف ادب (کہانی، ناول، افسانہ، ڈراما، داستان) کو پڑھ کر ان کے اسلوب میں امتیاز کرنے کے طریقوں سے روشناس کرائیں۔
- کوئی سی بھی دو اصناف ادب (نثری یا شعری) کے درمیان موازنہ کر کے تبصرہ کرنے کے اصول و ضوابط سے متعارف کرائیں۔



پریاں، جن بھوت، بادشاہ، شہزادے اور دیگر
ما فوق الفطرت عناصر کس قسم کی کہانی کا اہم
حصہ ہوتے ہیں؟

اب آغاز قصے کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا
ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور
حاکم کی سی سخاوت اُس کی ذات میں تھی۔ نام اُس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں) اُس کا پائے تخت تھا۔ اُس کے وقت میں رعیت
آباد، خزانہ معمور، لشکر غرق، غریب غربا آسودہ، ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات شب برات

پڑھیں



تھی اور جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے، اٹھائی گیرے، دغا باز تھے؛ سب کو نیست و نابود کر کر، نام و نشان اُن کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے اور دکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راہی، مسافر، جنگل، میدان میں سونا اُچھالتے چلے جاتے؛ کوئی نہ یہ پوچھتا کہ تمہارے منہ میں کسے دانت ہیں اور کہاں جاتے ہو؟

اُس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے اور کئی سلطان نعل بندی دیتے۔ ایسی بڑی سلطنت پر ایک ساعت اپنے دل کو خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام دنیا کا، جو چاہیے، سب موجود تھا، لیکن فرزند (کہ زندگانی کا بھل ہے) اس کی قسمت کے باغ میں نہ تھا۔ اس خاطر اکثر فکر مند رہتا اور پانچویں وقت کی نماز کے بعد اپنے کریم سے کہتا کہ اے اللہ! مجھ عاجز کو تُو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا، لیکن ایک اس اندھیرے گھر کا دیانہ دیا۔ یہی ارمان تھی میں باقی ہے کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں اور تیرے خزانہ غیب میں سب کچھ موجود ہے، ایک بیٹا جیتا جائے مجھے دے، تو میرا نام اور اس سلطنت کا نشان قائم رہے۔

اسی امید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہو گئی۔ ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر وظیفہ پڑھ رہے تھے؛ ایک بادگی آئینے کی طرف خیال جو کرتے ہیں، تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا کہ مانند تار مقیش کے چمک رہا ہے۔ بادشاہ دیکھ کر آب دیدہ ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر دل میں اپنے سوچ کیا کہ افسوس! تُو نے اتنی عمر ناحق بربادی اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اتنا ملک جو لیا، اب تیرے کسی کام آوے گا! آخر یہ سارا مال اسباب کوئی دوسرا اڑا دے گا۔ تجھے تو پیغام موت کا آچکا۔ اگر کوئی دن جیسے بھی، تو بدن کی طاعت کم ہوگی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث چھتر اور تخت کا پید ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے، اس سے یہی بہتر ہے کہ میں غی سے چھوڑ دوں اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں۔

یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر، پائیں باغ میں جا کر، سب بُجرائیوں کو جواب دے کر فرمایا کہ کوئی آج سے میرے پاس نہ آوے، سب دیوان عام میں آیا جایا کریں اور اپنے کام میں مستعد رہیں۔ یہ کہہ کر آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور مصلّا بچھا کر عبادت میں مشغول ہوئے۔ سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کام نہ تھا۔ اسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گزرے۔ شام کو روزہ کھولنے کے وقت ایک چھبھارا کھاتے اور تین گھونٹ پانی پیتے اور دن رات جانا نماز پڑھتے رہتے۔

اس بات کا باہر چرچا پھیلنا۔ رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر پھیل گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ چاروں طرف غنیمتوں اور مفیدوں نے سر اٹھایا اور قدم اپنی حد سے بڑھایا۔ جس نے چاہا ملک دالیا اور سرانجام سرکشی کا کیا۔ جہاں کہیں حاکم تھے، اُن کے حکم میں خلل عظیم واقع ہوا۔ ہر ایک صوبے سے عرضی بد عملی کی حضور میں پہنچی۔ اُمرا جتنے تھے جمع ہوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے۔ آخر یہ تجویز ٹھہری کہ نواب وزیر، عاقل اور دانائے اور بادشاہ کا مقرب اور معتمد ہے اور درجے میں بھی سب سے بڑا ہے؛ اُس کی خدمت میں چلیں، دیکھیں وہ کیا مناسب جان کر کہتا ہے۔

سب عہدہ، امیر، وزیر کے پاس آئے اور کہا: بادشاہ کی یہ صورت اور ملک کی وہ حقیقت؛ اگرچہ آہ اور تھقل ہوا، تو اس محنت کا ملک لیا ہوا نفٹ میں جاتا رہے گا، پھر ہاتھ آنا بہت مشکل ہے۔ وزیر پرانا، قدیم، نمک حلال اور عقل مند، نام بھی خرد مند، اسم با مسکی تھا، بوا: اگرچہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا ہے؛ لیکن تم جلو، میں بھی چلتا ہوں؛ خدا کرے بادشاہ کی مرضی آوے جو زہ نہ زو بلاوے۔ یہ کہہ کر سب کو اپنے ساتھ دیوان عام ملک

لایا۔ اُن کو وہاں چھوڑ کر آپ دیوان خاص میں آیا اور بادشاہ کی خدمت میں محلی کے ہاتھ کھلا بھیجا کہ یہ میر غلام حاضر ہے، کئی دنوں سے جمال جہاں آرا نہیں دیکھا؛ امیدوار ہوں کہ ایک نظر دیکھ کر قدم بوسی کروں تو خاطر جمع ہو۔

یہ عرض وزیر کی بادشاہ نے سنی؛ از بس کہ قدامت اور خیر خواہی اور تدبیر اور جاں نثاری اُس کی جانتے تھے اور اکثر اُس کی بات مانتے تھے، بعد تامل کے فرمایا: خردمند کو بلا لو۔ بادے جب پر اُٹھی ہوئی؛ وزیر حضور میں آیا، آداب بجالایا اور دست بستہ کھڑا رہا۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجب سے صورت بن رہی ہے کہ زار بہ زار رونے اور ڈھلپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ خردمند کو تاپ نہ رہی، بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرنا۔ بادشاہ نے ہاتھ سے سر اُس کا اٹھایا اور فرمایا: لو! مجھے دیکھا، خاطر جمع ہوئی۔ اب جاؤ، زیادہ مجھے نہ ستاؤ، تم سلطنت کرو۔

خردمند سن کر، ڈاڑھ مار کر دیا اور عرض کی: غلام کو آپ کے تصدیق سلامتی سے ہمیشہ بادشاہت میسر ہے، لیکن جہاں پناہ کی ایک بہ یک اس طرح کی گوشہ گیری سے تمام ملک میں تہلکہ مچ گیا ہے، اور انجام اس کا اچھا نہیں۔ یہ کیا خیال مزاج مبارک میں آیا! اگر اس خانہ زاد موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجیے، تو بہتر ہے، جو کچھ عقل ناقص میں آوے، التماس کرے۔ غلاموں کو جو یہ سرفرازیں بخشی ہیں، اسی دن کے واسطے کہ بادشاہ عیش و آرام کریں اور تم پر در دے تدبیر میں ملک کی رہیں۔ خدا نہ خواستہ جب فکر مزاج عالی کے لاحق ہوئی، تو بندہ ہائے بادشاہی کس دن کام آویں گے!

بادشاہ نے کہا: سچ کہتا ہے، پر جو فکر میرے جی کے اندر ہے، سنو تدبیر سے باہر ہے۔ سن اے خردمند! میری ساری عمر اسی ملک گیری کے درد سر میں کئی، اب یہ بن و سال ہوا، آگے موت باقی ہے، سو اس کا بھی پیغام آیا کہ سیاہ بال سفید ہو چلے۔ وہ مشکل ہے: ساری رات سوئے، اب صبح کو بھی نہ جاگیں! اب تک ایک چنا پیدہ نہ ہوا، جو میری خاطر جمع ہوئی؛ اس لیے دل سخت اُداس ہوا اور میں سب کچھ چھوڑ بیٹھا۔ جس کا جی چاہے ملک لے یا مال لے، مجھے کچھ کام نہیں؛ بلکہ کوئی دن میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ سب چھوڑ چھاڑ کر، جنگل اور پہاڑوں میں نکل جاؤں اور منہ اپنا کسو کو نہ دکھاؤں۔ اسی طرح یہ چند روز کی زندگی بسر کروں۔ اگر کوئی مکان خوش آیا، تو وہاں بیٹھ کر بندگی اپنے معبود کی بجالاؤں گا، شاید عاقبت بہ خیر ہو اور دنیا کو تو خوب دیکھا، کچھ مزہ نہ پایا۔ اتنی بات بول کر اور ایک آہ بھر کر بادشاہ چپ ہوئے۔

خردمند اُن کے باپ کا وزیر تھا۔ جب یہ شہ زادے تھے، تب سے محبت رکھتا تھا؛ علاوہ، دانا اور نیک اندیش تھا؛ کہنے لگا: خدا کی جناب سے ناامید ہونا ہرگز مناسب نہیں۔ جس نے میرے ہزار عالم کو ایک حکم میں پیدا کیا، تمہیں اولاد دینی اُس کے نزدیک کیا بڑی بات ہے۔ قبلہ عالم! اس تصویر باطل کو دل سے دور کرو، نہیں تو تمام عالم درہم برہم ہو جاوے گا اور یہ سلطنت کس کس کی محنت اور مشقت سے تمہارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ہے، ایک ذرا میں ہاتھ سے نکل جائے گی اور بے خبری سے ملک ویران ہو جائے گا؛ خدا نہ خواستہ بدنامی حاصل ہوگی۔ اس پر بھی باز پرس روز قیامت کی ہوا چاہے کہ تجھے بادشاہ بنا کر اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا؛ تو ہماری رحمت سے مابوس ہو اور رعیت کو حیران پریشان کیا؛ اس سوال کا کیا جواب دو گے؟ پس عبادت بھی اُس روز کام نہ آوے گی، اس واسطے کہ آدمی کا دل خدا کا گھر ہے؛ اور بادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائیں گے۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو، گھر سے نکل پانا اور جنگل جنگل پھرنا، کام جو گیوں اور فقیروں کا ہے، نہ کہ بادشاہوں کا؛ تم اپنے جو کام کرو۔ خدا کی یاد اور بندگی جنگل، پہاڑ پر موقوف نہیں۔ آپ نے یہ بیت سنی ہوگی؟

خدا اس پاس ہے دھندلے جنگل میں
دھندلے شہر میں، لڑکا بغل میں

اگر منصفی فرمائیے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجیے، تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر دعا مانگا کریں۔ اُس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف عدالت غریب غریب کی فرمائیں؛ تو بندے خدا کے دامن دولت کے سائے میں امن و امان، خوش گزران رہیں۔ اور رات کو محبت کیجیے اور دُرو و پیہر کی روح پاک کو نیاز کر کر، درویش گوشہ نشین، متوکلوں سے مدد لیجیے اور روزِ رات بیتی، امیر، سیال داروں، محتاجوں اور راندنیوؤں کو کر دیجیے۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت سے، خدا چاہے تو امید قوی ہے کہ تمہارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں اور جس واسطے مزاج مالی مکدر ہو رہا ہے، وہ آرزو بر آوے اور خوشی خاطر شریف کو ہو جاوے۔ پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیے کہ وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے، سو کرتا ہے۔ ہارے خردمند وزیر کی ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی، فرمایا: اچھا! تو جو کہتا ہے، بھلا یہ بھی کر دیجیے! آگے جو اللہ کی مرضی ہے، سو ہو گا۔

جب بادشاہ کے دل کو تسلی ہوئی، تب وزیر سے پوچھا کہ اور سب امیر و وزیر کیا کرتے ہیں اور کس طرح ہیں؟ اُس نے عرض کی کہ سب ارکان دولت قبلہ عالم کے جان و مال کو دعا کرتے ہیں، آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ہو رہے ہیں۔ جمال مبارک لہنا دکھائیے، تو سب کی خاطر جمع ہوں۔ چنانچہ اس وقت دیوان عام میں حاضر ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم کیا: ان شاء اللہ تعالیٰ کل دربار کروں گا، سب کو کہ دو حاضر رہیں۔ خردمند یہ وعدہ سن کر خوش ہوا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا دی کہ جب تلک یہ زمین و آسمان برپا ہیں، تمہارا تاج و تخت قائم رہے اور حضور سے رخصت ہو کر خوشی خوشی باہر نکلا اور یہ خوش خبری امراؤں سے کہی۔ سب امیر ہنسی خوشی گھر گئے۔ سارے شہر میں آئند ہو گئی۔ رعیت، ہر جاگن ہوئے کہ کل بادشاہ دربار عام کرے گا۔ صبح کو سب خانہ زاد، اعلیٰ ادنیٰ اور ارکان دولت چھوٹے بڑے، اپنے اپنے پائے اور مرتبے پر آکر کھڑے ہوئے اور منتظر جلوۂ بادشاہی کے تھے۔

جب پھر دن چڑھا، ایک بارگی پردہ اٹھا اور بادشاہ نے برآمد ہو کر تخت مبارک پر جلوس فرمایا۔ نوبت خانے میں شادیانے بجنے لگے۔ سبھوں نے نذریں مبارک بادی کی گزائیں اور نجرے گاہ میں تسلیمات و کورنشات بجالائے۔ موافق قدر و منزلت کے ہر ایک کو سرفرازی ہوئی۔ سب کے دل کو خوشی اور چین ہوا۔ جب دوپہر ہوئی، برخاست ہو کر اندرون محل داخل ہوئے۔ خاصہ نوش جان فرما کر خواب گاہ میں آرام کیا۔

اُس دن سے بادشاہ نے یہی مقرر کیا کہ ہمیشہ صبح کو دربار کرنا اور تیسرے پہر کتاب کا شغل یا درود و خلیفہ پڑھنا اور خدا کی درگاہ میں توبہ استغفار کر اپنے مطلب کی دعا مانگی۔ ایک روز کتاب میں بھی لکھا دیکھا کہ اگر کسی شخص کو غم یا فکر ایسی لاحق ہو کہ اُس کا علاج تدبیر سے نہ ہو سکے، تو چاہیے کہ تقدیر کے حوالے کرے اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے۔ دُرو و طفیل پیغمبر کی روح کے اُن کو بخشے اور اپنے تئیں نیست و نابود سمجھ کر، دل کو اس غفلت دنیاوی سے ہشیار رکھے اور عبرت سے رووے اور خدا کی قدرت کو دیکھے کہ مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحب ملک و خزانہ اس زمین پر پیدا ہوئے، لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لا کر خاک میں ملا دیا۔ یہ کہاوت ہے:

چلتی چلی دیکھ کر . دیا کبیرا رو

دو پائوں کے سچ آ ، ثابت گیا نہ کو

اب جو دیکھیے، سوائے ایک مٹی کے ڈھیر کے، اُن کا کچھ نشان باقی نہیں رہا اور سب دولت دنیا، گھر بار، آل اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے چھوڑ کر اکیلے پڑے ہیں۔ یہ سب اُن کے کچھ کام نہ آیا؛ بلکہ اب کوئی نام بھی نہیں جانتا کہ یہ کون تھے اور قبر کے اندر کا احوال معلوم نہیں کہ کیزے کھودے، چپوئے، سانپ اُن کو کھا گئے، یا ان پر کیا جتی اور خدا سے کیسی بنی۔ یہ باتیں اپنے دل میں سوچ کر، ساری دنیا کو دیکھنے کا کھیل جانے، تب اُس کے دل کا فتنہ ہمیشہ شگفتہ رہے گا، کسو حالت میں پڑمردہ نہ ہو گا۔

یہ نصیحت جب کتاب میں مطالعہ کی، بادشاہ کو خردمند وزیر کا کہنا یاد آیا اور دونوں کو مطابق پایا۔ یہ شوق ہوا کہ اس پر عمل کروں؛ لیکن سوار ہو کر اور بھیڑ بھاڑ لے کر بادشاہوں کی طرح سے جانا اور پھرنا، مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر رات کو اکیلے مقبروں میں، یا کسی مرد خدا گوشت نشین کی خدمت میں جایا کروں اور شب بیدار رہوں یا شاید ان مردوں کے ویلے سے دنیا کی مراد اور ماقبت کی نجات میسر ہو۔

یہ بات دل میں مقرر کر کر، ایک روز رات کو مونے جھوٹے کپڑے پہن کر کچھ روپے اشرفی لے کر چپکے قلعے سے باہر نکلے اور میدان کی راہ لی۔ جاتے جاتے ایک گورستان میں پہنچے۔ نہایت صدق دل سے دُرو پڑھ رہے تھے، اور اُس وقت پادشہ چل رہی تھی، بلکہ آندھی کہا جاتا ہے۔ ایک ہارگی بادشاہ کو دُور سے ایک شعلہ سا نظر آیا کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے۔ دل میں اپنے خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی حکمت سے نہیں۔ یا یہ ظلم ہے کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتی کے آس پاس چھڑک دیجیے؛ تو کیسی ہی ہوا چلے، چراغ کھل نہ ہو گا۔ یا کسو دلی کا چراغ ہے کہ جلتا ہے۔ جو کچھ ہو سو ہو، چل کر دیکھنا چاہیے؛ شاید اس شمع کے نور سے میرے بھی گھر کا چراغ روشن ہو اور دل کی مراد ملے۔

یہ نیت کر کے اُس طرف کو چلے۔ جب نزدیک پہنچے، دیکھا تو چار فقیر بے نوا، کتھیاں گلے میں ڈالے اور سر زانو پر دھرے، سالم بے ہوشی میں خاموش بیٹھے ہیں اور ان کا یہ عالم ہے جیسے کوئی مسافر اپنے ملک اور قوم سے چھڑ کر، بے کسی اور مفلسی کے رنج و غم میں گرفتار ہو کر حیران رہ جاتا ہے، اسی طرح سے یہ چاروں نقش دیوار ہو رہے ہیں۔ اور ایک چراغ پتھر پر دھرا ٹنڈا رہا ہے۔ ہر گز ہوا اس کو نہیں لگتی، گویا فائوس اس کی آسمان بنا ہے کہ بے خطرے جلتا ہے۔ آزاد بخت کو دیکھتے ہی یقین آیا کہ مقرر تیری آرزو، ان مردانِ خدا کے قدم کی برکت سے بر آوے گی اور تیری امید کا سونکا کھار خست ان کی توجہ سے ہر اہو کر پھلے گا۔ ان کی خدمت میں چل کر اپنا احوال کہہ اور مجلس کا شریک ہو؛ شاید تجھ پر رحم کھا کر دعا کریں، جو بے نیاز کے یہاں قبول ہو۔ یہ ارادہ کر کے چاہا کہ قدم آگے دھرے، وہیں عقل نے سمجھایا کہ اے بے وقوف! جلدی نہ کر، ذرا دیکھ لے۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور کیدھر جاتے ہیں! کیا جانیں یہ دیو ہیں یا غول یا بانی ہیں کہ آدمی کی صورت بن کر باہم مل بیٹھے ہیں۔ یہ ہر صورت، جلدی کرنا اور ان کے درمیان جا کر مخل ہونا خوب نہیں۔ ابھی ایک گوشے میں چھپ کر حقیقت ان درویشوں کی جانا چاہیے۔ آخر بادشاہ نے یہی کیا کہ ایک کونے میں اُس مکان کے چپکا جا بیٹھا کہ کسو کو اُس کے آنے کی آہٹ کی خبر نہ ہوئی۔ اپنا دھیان اُن کی طرف لگایا کہ دیکھیے آپس میں کیا بات چیت کرتے ہیں؟

اتفاقاً ایک فقیر کو چھینک آئی، شکر خدا کا کیا۔ وہ تینوں قلندر اُس کی آواز سے چونک پڑے، چراغ کو اکسایا۔ ٹھپ توروشن تھا، اپنے اپنے بستروں پر جتنے بھر کر پینے لگے۔ ایک اُن آزادوں میں سے بولا: اے یاران! ہم دردور فیتان جہاں گرد! ہم چار صورتیں، آسمان کی گردش سے اور لیل و نہار کے انقلاب سے، در بہ در خاک بہ سر، ایک مدت پھریں۔ الحمد للہ! کہ طالع کی مدد اور قسمت کی یادری سے آج اس مقام پر باہم ملاقات ہوئی اور کل کا احوال کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آوے! ایک گت رہیں یا جدا جدا ہو جاویں۔ رات بڑی پہاڑ ہوتی ہے، ابھی سے پڑ پڑ رہنا خوب نہیں، اس سے یہ بہتر ہے کہ اپنی اپنی سرگذشت، جو اس دنیا میں جس پر بیتی ہو (بہ شرط یہ کہ جھوٹ اُس میں کوڑی بھرنہ ہو) بیان کرے، تو باتوں میں رات کٹ جائے۔ جب تھوڑی شب باقی رہے، تب لوٹ پوٹ رہیں گے۔ سبھوں نے کہا: یا ہادی! جو کچھ ارشاد ہوتا ہے، ہم نے قبول کیا؟ پہلے آپ ہی اپنا احوال (جو دیکھا ہے) شروع کیجیے تو ہم مستفید ہوں۔

(باغ و بہار)

میرامن کا خاندان شہنشاہ شاہیوں کے عہد حکومت سے عالم گیر مانی کے دور اقتدار تک منصب داروں میں شامل رہا لیکن جانوں، امیر شاہ ادلی، نادر شاہ درانی نے جب دلی کو تاراج کیا تو ان پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مجبوراً دلی سے ہجرت کر کے پٹنہ اور پھر کلکتہ پہنچے۔ میربہادر علی حسینی کے ذریعے جان بچ کرست سے ہان پچکان بڑھی اور یہیں سے فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہو کر ۱۸۰۶ء تک تصنیف و تالیف کا کام سرانجام دیتے رہے۔

فورٹ ولیم کالج میں میرامن نے ہندوستانی شیعے میں خدمات سرانجام دیں کہ فارسی زبان کے معروف قصہ چہار درویش کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی ذمہ داری سونپی گئی جسے انھوں نے ”باغ و بہار“ کے نام سے مکمل کیا۔ ترجمہ اتنا عمدہ، رواں اور سلیس تھا کہ کالج انتظامیہ کی طرف سے تقدیرانہام سے نوازا گیا۔ ”باغ و بہار“ بنیادی طور پر تو ترجمہ ہے لیکن شہرت اور نام دہری کے اعتبار سے اصل کتاب سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ ترجمہ اتنا خوب صورت، رواں اور سلیس ہے کہ اس پر طبع زاد کا کماں ہوتا ہے جس میں میرامن نے دلی کی معاشرتی، سماجی اور ثقافتی زندگی کے چلتے پھرتے مرقعے پیش کر دیے ہیں۔ میرامن نے فارسی اور عربی سے گریز کرتے ہوئے ہندی یا ہندوئی بلکہ دلی کی زبان کا استعمال کیا۔ ”باغ و بہار“ کے علاوہ ”نچ خوبی“ بھی میرامن کی تصنیف ہے جس کا اصل متن ملا حسین وسطی کا شعی کی ”اخلاق حسنی“ ہے۔



درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

- (i) سبق ”شروع قصے کا“ صنف ادب کے لحاظ سے ہے:
- الف۔ ڈراما ب۔ افسانہ ج۔ داستان د۔ ناول
- (ii) دنیا کی ہر آسائش ہونے کے باوجود بادشاہ کی قسمت کے باغ میں کیا نہیں تھا؟
- الف۔ فرزند ب۔ موسم بہار ج۔ مال و دولت د۔ شاہی خزانہ
- (iii) بادشاہ آزاد بخت روزہ کھولنے کے وقت کھاتے:
- الف۔ خاصہ ب۔ ایک چھوہارا ج۔ مرغ مسلم د۔ بہترین کھانا
- (iv) رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر پھیل گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر اختیار کر لی ہے:
- الف۔ وزارت اعلیٰ ب۔ سالاری ج۔ گوشہ نشینی د۔ خاک ساری
- (v) بادشاہ آزاد بخت کے وزیر کا نام تھا:
- الف۔ عقل مند ب۔ ذی عقل ج۔ عالی بخت د۔ خردمند
- (vi) بادشاہ آزاد بخت ایک رات چپکے سے قلعے سے نکل کر کہاں پہنچے؟
- الف۔ ایک محل میں ب۔ دوسرے شہر میں ج۔ ایک گورستان میں د۔ ایک میدان میں
- (vii) کتنے فقیر اپنے اپنے سر زانو پہ دھرے، عالم بے ہوشی میں خاموش بیٹھے تھے؟
- الف۔ تین ب۔ چار ج۔ پانچ د۔ چھ

۲۔ سبق ”شروع قصے کا“ کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جواب دیں:

الف۔ روم ملک کے شہنشاہ کی حکومت کی کیا خوبیاں بتائی گئی ہیں؟

ب۔ بادشاہ آزاد بخت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کریں۔

ج۔ میرامن دہلوی کی ”باغ و بہار“ داستان کے اس حصے کا کیا مقصد ہے؟ بادشاہ آزاد بخت کے کردار کے حوالے سے وضاحت کریں۔

د۔ میرامن دہلوی نے اس سبق میں داستان گوئی کے اسلوب کو کہاں تک نبھایا ہے؟ (سبق کی تدریس سے قبل استاد محترم یا استانی صاحبہ کے بتائے گئے نکات کی روشنی میں تبصرہ لکھیں۔)

ہ۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے متعلق کیا خبر پھیل گئی؟

و۔ خردمند وزیر نے بادشاہ کو معاملات سلطنت میں دوبارہ دل چسپی لینے کے لیے کس طرح آمادہ کیا؟

ز۔ بادشاہ نے اپنے لیے صبح اور تیسرے پہر کی کیا مصروفیت تلاش کی؟

ح۔ بادشاہ نے قبرستان میں فقیروں کو کس حالت میں دیکھا؟

ط۔ بادشاہ نے اپنی سواری اور شاہی لباس میں گورستان جانا کیوں پسند نہیں کیا؟

درج ذیل دو عبارتیں دی جا رہی ہیں۔ ایک سبق کے آغاز اور دوسری درمیان سے لی گئی ہے۔ دو طلبہ ان عبارتوں کی درست تلفظ کے ساتھ بلند خوانی کریں۔ باقی طلبہ آغاز اور درمیان سے لی گئی ان عبارتوں کو سن کر اس سبق کے مرکزی خیال، نکتے یا تصویر تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھیں اور پھر سبق کے موضوع کو اپنے الفاظ میں بیان کریں:

(سبق کے آغاز سے لے کر درمیان تک)

اب آغاز قصے کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اُس کی ذات میں تھی۔ نام اُس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں)، اُس کا پائے تخت تھا۔ اُس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مرفہ، غریب غربا آسودہ، ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات شب برات تھی۔ اور جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے، اٹھائی گیرے، دغا باز تھے، سب کو نیست و نابود کر کے، نام و نشان اُن کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے اور دکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راستی، مسافر جنگل میدان میں سونا چھالتے چلے جاتے؟ کوئی نہ یہ پوچھتا کہ تمہارے منہ میں کئے دانت ہیں اور کہاں جاتے ہو؟

(سبق کے درمیان سے لے کر آخر تک)

اگر منصفی فرمائیے اور اس ندوی کی عرض قبول کیجیے، تو بہتریوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر دعا مانگا کریں۔ اُس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف عدالت غریب غریب کی فرما دیں؛ تو بندے خدا کے دامن دولت کے سائے میں امن و امان، خوش گزران رہیں اور رات کو عبادت کیجیے اور درود و تسبیح کی روح پاک کو نیاز کر کر، درویش گوشہ نشین، متوکلوں سے مدد لیجیے اور روز راتب یتیم، اسیر، عیال داروں، محتاجوں اور رانڈ ہواؤں کو کر دیجیے۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت سے، خدا چاہے تو امید قوی ہے کہ

تمہارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں اور جس واسطے مزاج عالی مکدر ہو رہا ہے، وہ آرزو برآوے اور خوشی خاطر شریف کو ہو جاوے۔ پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیے کہ وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے، سو کرتا ہے۔ ہارے خرد مند وزیر کی ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی، فرمایا: اچھا! توجو کہتا ہے، بھلا یہ بھی کر دیکھیں! آگے جو اندھ کی مرضی ہے، سو ہو گا۔

۴۴ ذیل میں ایک افسانوی اور ایک غیر افسانوی انتخاب دیا جا رہا ہے، آپ انھیں پڑھ کر ان میں موجود معلومات اخذ کرتے ہوئے روزمرہ گفتگو میں استعمال کریں:

”سیرت النبی ﷺ“ سے اقتباس (غیر افسانوی انتخاب)

آپ ﷺ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر کھٹی نہیں کرتے تھے۔ مجالس صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے، حضرت زینب ؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوتِ ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے۔ اس وقت پر دے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور حضرت زینب ؓ بھی مجلس میں شریک تھیں۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ آپ ﷺ اٹھ کر حضرت عائشہ ؓ کے منجرے تک گئے، واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے، پر دے کی آیت اسی موقع پر اتری۔

جہۃ الوداع میں آں حضرت ﷺ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحبِ آکر شامل ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُن کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں کے درست معلوم ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تن درست، کام کرنے کے لائق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اشفاق احمد کے افسانے ”محسن محلہ“ سے اقتباس (افسانوی انتخاب)

سردیوں کی ایک شام مالک مکان نے ماسٹر الیاس کو بڑے سخت الفاظ میں ڈانٹا اور دھمکی دی کہ اگر اس نے تین دن کے اندر اندر گزشتہ چھ ماہ کا کرایہ ایک ساتھ ادا نہ کیا تو وہ اس کا سامان نکال کر باہر پھینک دے گا۔ ماسٹر جی کی خوف کے مارے گنگھسی بندھ گئی۔ کیوں کہ ان کے پاس ایک سو اسی روپے یک مُشت موجود نہیں تھے۔ صرف چالیس روپے تھے، جن کے ساتھ دس کا ایک نوٹ اور پروکرائیوں نے پچاس بنالیے تھے۔ پہلے تو مالک مکان بچیس، تیس، چالیس، پچاس لے کر آگے کی تاریخ دے دیا کرتا تھا۔ لیکن اس مرتبہ وہ تو تک ہو گیا اور اس نے دھاگے میں پروئے ہوئے پچاس روپے اصل مرنے کے آگے پھینک کر کہا: ”جاوئے! میں نہیں لیتا۔ مجھے پورے ایک سو اسی کر کے دے۔“

جب وہ یہ کہہ کر چلا گیا تو ماسٹر الیاس نے پچاس روپے فرش پر سے اٹھا کر اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈال لیے۔ پھر وہ اپنی کوٹھڑی کے اندر جا کر چار پائی پر بیٹھ گئے۔ چون کہ وہ اظہار کے معاملے میں کم زور تھے اس لیے ان کو رونا بھی نہیں آتا تھا۔ دکھی سے ہو کر بیٹھ گئے اور شدید غم کے باعث ان کی گنگھسی بندھ گئی اور یہ پہلا موقع تھا کہ روئے بغیر کسی شخص کی گنگھسی بندھی ہو!

وعدے کے مطابق مالک مکان نے ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ ماسٹر صاحب کی چار پائی ٹرانسپارمر والے دو کھمبوں کے پیچھے لگا دی اور ان کا باقی سامان اس کے ارد گرد چُن دیا۔ اس نے کوٹھڑی کو نیا چینی تالا لگایا اور اسکو پر سوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کا گھر اس محلے سے کافی دور تھا اور وہ اپنی کوٹھڑیوں کا کرایہ وصول کرنے ماہ بہ ماہ آیا کرتا تھا۔

i۔ کہانی:

کہانی کا مطلب ہے کسی واقعے، حکایت یا قصے کو دلچسپ انداز میں اس طرح بیان کرنا کہ پڑھنے والا اس سے ذہنی اور قلبی تعلق اور فرحت محسوس کرے اور اس کا انجام یا نتیجہ معلوم کرنے کے لیے ایک ہی نشست میں اسے پڑھ ڈالے۔ کہانی لکھنا باقاعدہ ایک فن ہے۔ اس میں انشا پر دازی کی مشق کے ساتھ ساتھ خیال کی قوت کو استعمال میں لانا ضروری ہوتا ہے۔ طبع زاد کہانی سے مراد خود سے سوچی ہوئی کہانی جو دوسری کہانیوں سے مختلف ہو۔ اس کے علاوہ ایک لوک کہانی بھی ہوتی ہے۔ ہر علاقے کی اپنی لوک کہانیاں ہوتی ہیں جو کہ اپنی تہذیب و تمدن کی علم بردار ہی نہیں بلکہ ایک قیمتی سرمایہ بھی ہوتی ہیں۔ ایسے مخصوص علاقے کی نمائندگی کرنے والی کہانیوں کا کوئی مصنف نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک نسل سے دوسری نسل تک سینہ بہ سینہ چلتی ہیں۔ ان لوک کہانیوں کے ذریعے آئندہ نسلوں کی ذہنی، فکری تربیت کا سامان کیا جاتا ہے۔ ان میں امن، اخلاص، حب الوطنی، اخوت، ایثار اور بہادری جیسی صفات اجاگر کی جاتی ہیں۔ لوک کہانی پر اپنے علاقے کے سماجی، معاشی، اخلاقی اور سیاسی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔

الغرض ”کہانی“ سننے اور سنانے کا رواج قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ ہم میں سے اکثر نے بچپن کے دنوں اپنے گھر کے بوڑھے، بوڑھیوں سے کوئی نہ کوئی ضرور سنی ہوگی۔ بعض کہانیاں دل چسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہوتی ہیں۔ کہانی لکھنے کے لیے عموماً کوئی واقعہ ہوتا ہے۔ کہانی کا کوئی نہ کوئی اخلاقی نتیجہ ہوتا ہے۔

ii۔ داستان

”داستان“ اصناف نثر کی وہ طویل صنف ہے جس میں مافوق الفطرت عناصر اور دوسرے لوازمات کی مدد سے قصہ در قصہ یا داستان در داستان کہانی بیان کی جاتی ہے۔ داستان کی بنیاد تخیل، رومان اور مافوق الفطرت عناصر پر ہوتی ہے۔ فی زمانہ داستان گوئی کی روایت تقریباً ناپید ہو چکی ہے۔ داستان کے اجزائے ترکیبی اور خصوصیات میں پلاٹ، تخیل اور رومان، مافوق الفطرت عناصر، مثالی کردار، حیرت انگیز اور غیر معمولی واقعات، اخلاق آموزی، تہذیب و معاشرت کی عکاسی وغیرہ اہم ہیں۔

عام طور پر ملاوچی کی لکھی ہوئی ”سب رس“ کو اردو داستانوں کے سلسلے کی پہلی کڑی قرار دیا جاتا ہے تاہم کچھ لوگ میر حسین عطا حسین کی ”نوطرز مرصع“ کو اردو کی پہلی باقاعدہ داستان کہتے ہیں۔ آج اگرچہ داستان گوئی معدوم ہو چکی ہے لیکن اردو ناول اور افسانے کے ارتقائی تسلسل کے حوالے سے اردو داستان اولین سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

iii۔ ناول

ناول (novel) اطالوی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی ہیں: انوکھا، نرالا اور عجیب۔ ناول سے مراد ایسی طویل کہانی ہے جس میں انسانی زندگی کے معمولی واقعات اور روزانہ پیش آنے والے معاملات کو ایک خاص سلیقے قرینے کے ساتھ اس طرح بیان کیا جائے کہ پڑھنے والے کی اس میں دل چسپی پیدا ہو۔ یہ دل چسپی پلاٹ، منظر نگاری، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری سے پیدا کی جاتی ہے۔ ناول اس نثری قصے کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص نقطہ نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعاتی عکاسی کی گئی ہو گویا حقیقت نگاری کو ناول کے لیے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ناول کا مرکزی کردار اس کا ہیرو ہوتا

ہے۔ واقعات میں ایک تسلسل موجود ہوتا ہے۔ حقیقت نگاری اور صداقت بیانی اس کا خاصہ ہے۔ اس کا موضوع انسانی زندگی ہوتا ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے حالات و واقعات اور معاملات کو انتہائی گہرے اور مکمل مشاہدے کے بعد کہانی کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ناول کے اجزاء: کہانی، پلاٹ، کردار، مکالمے، زبان و بیان، منظر نگاری

موضوع، کہانی، واقعات اور کرداروں کے لحاظ سے ناول کی مختلف اقسام ہوتی ہیں جن میں تاریخی ناول، جاسوسی ناول، سیاسی ناول، اصلاحی ناول، سائنسی ناول، معاشرتی ناول اور نفسیاتی ناول اہم سمجھے جاتے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار قرار دیا جاتا ہے۔ اُن کے لکھے ہوئے ”مرآۃ العروس“ کو اردو پہلا ناول ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

iv۔ افسانہ:

افسانے کو جدید سائنسی، مشینی اور صنعتی دور کی پیداوار صنف ادب کہا جاتا ہے۔ آج کے مصروف انسان کے پاس اتنا وقت ہے ہی کہاں کہ وہ بھاری بھر کم داستانیں اور ناول پڑھنے بیٹھ جائے۔ اس لیے انسان نے تھوڑے وقت میں ذہنی تسکین و تفریح کا سامان کرنے کے لیے صنف ادب افسانے کو فروغ دیا۔ لغت میں افسانہ ایک فرضی کہانی کو کہتے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں یہ ایک ایسی مختصر فکری کہانی ہوتی ہے جو زندگی کا ایک جزو پیش کرتی ہے۔ افسانہ: اختصار اور وحدت تاثر کی حامل بھی ایک کہانی ہوتی ہے۔ افسانہ یا مختصر افسانہ کم سے کم آدھے گھنٹے میں ایک ہی نشست میں پڑھا جانے والا ایسا قصہ ہوتا ہے جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو یا ایک کردار، ایک تجربے یا ایک تاثر کو اختصار اور دل چسپی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

افسانے کے اجزائے ترکیبی میں: پلاٹ، کردار، نقطہ نظر یا مرکزی خیال، مکالمہ، آغاز و اختتام اور اسلوب بیان، وحدت تاثر، اختصار، موضوع پر گرفت اور مقصدیت شامل ہیں۔ علامہ راشد الخیری اور مثنیٰ پریم چند کو اردو کے اولین افسانہ نگار قرار دیا جاتا ہے۔

v۔ ڈراما

ڈراما یونانی زبان کے لفظ ڈراؤ (drao) سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں عمل یا کر کے دکھانا۔ ڈرامے کی ابتدا بھی یونان سے ہوئی۔ برصغیر میں بھی قدیم زمانوں سے ڈرامے کا سراغ ملتا ہے۔ راجا بکرماجیت کے عہد کا لکھا ہوا ڈراما ”شکنتلا“ دنیا بھر میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ڈراما کھیلا کرتے تھے۔ مگر بعد میں ترقی کر کے فن کی منزل تک پہنچ گیا۔ بعض ماہرین فن نے اردو ڈرامے کی باقاعدہ ابتدا کو نواب واجد علی شاہ کے عہد سے جوڑا ہے۔ انھی کے عہد میں امانت لکھنوی کے لکھے ہوئے ”اندر سبھا“ کو اردو کا پہلا ڈراما قرار دیا جاتا ہے۔ ڈرامے کی دو مشہور اقسام ہیں۔

۱۔ طریبہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں ہنسی اور مزاح کے ذریعے سماج کی کمزوریوں سے پردہ اٹھایا جائے۔

المیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں پیش آنے والے واقعات اندوہناک ہوں اور اس کا انجام المیہ ہو۔

ڈراما عمل (حرکت) اور الفاظ (مکالمے) کے ذریعے پیش کی جانے والی کہانی کو کہتے ہیں۔ انسانی زندگی کی عملی تصویر ہونے کے باعث، انسانی معاشرے اور زندگی کا کوئی بھی پہلو یا زاویہ ڈرامے کا موضوع ہو سکتا ہے۔ ڈرامے کے اجزائے ترکیبی: پلاٹ، کردار نگاری، ارتقائی عمل، کش مکش، مکالمے، اسٹیج، حرکات و سکنات، اختتامی عمل

ادبی اسلوب اس وقت تشکیل پاتا ہے جب کوئی مصنف یا شاعر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے موزوں زبان پالیتا ہے۔ خیال، سوچ، اور تصور سب کچھ الفاظ کی صورت میں ڈھل کر ایسی صورت اختیار کر جاتے ہیں کہ زبان اور الفاظ کے بغیر اپنے آپ کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اسلوب بنیادی طور پر اپنے خیالات اور احساسات کو اظہار کے ذریعے دوسروں تک پہنچانے کا ایک وسیلہ ہے۔ ابلاغ، اسلوب کی بنیادی صفت ہے۔ ادبی اسلوب میں لکھنے والے کی شخصیت، کردار، اس کے نقطہ نظر اور نظریات کا بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے۔ اسلوب کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں: نثری، شعری۔

۵۔ گزشتہ جماعتوں کی نصابی کتاب میں پڑھی گئی مختلف نثری اصناف ادب ”چٹل خور“ (کہانی)، جماعت دہم، دہلیز (ڈراما) گیارہویں جماعت) جب کہ محشر (افسانہ)، کئی چاند تھے سر آسمان (ناول)، شروع قصے کا (داستان) کے شامل نصاب حصے پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کریں۔

۶۔ درج بالا اصناف ادب کی عبارتوں کو پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کریں۔ جہاں مشکل پیش آئے اپنے استاد محترم / استانی صاحبہ سے رہ نمائی حاصل کریں۔

۷۔ شامل نصاب ڈراما ”رستم و سہراب“ (آغا حشر کاشمیری) اور افسانہ ”ماں جی“ (قدرت اللہ شہاب) کا مطالعہ آپ نے کیا ہے۔ ان دونوں اصناف ادب کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ و تجزیہ کریں۔ (اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان و بیان کا انتخاب، اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے)

۸۔ عالمی ثقافتی، معاشرتی، معاشی، اور سماجی رابطوں کے لیے کالج لائبریری سے عوامی جمہوریہ چین اور ترکی کے منتخب افسانوں کے تراجم پر مشتمل مجموعے جاری کر کے انھیں پڑھیں اور ان سے متعلقہ معاشروں کی سماجی، تہذیبی، اخلاقی حوالوں سے مختلف معلومات حاصل کریں۔

تراکیب لفظی:

دنیا کی تمام زبانوں کے ادب میں پہلے حرف سے لفظ اور پھر لفظ سے مختلف اصناف ادب کی تخلیق کا ایک طویل اور وسیع سلسلہ شروع ہوا۔ ادب کا یہ دھارا اپنی تمام تر جولانی کے ساتھ آج بھی بے چلا جا رہا ہے۔ انسانی معاشرے نے اپنے تنوع کے زیر اثر اپنی زبان اور اس کے مخصوص ذخیرہ الفاظ کو بھی فروغ دیا۔ دنیا میں بولی جانے والی ہر زبان کا اپنا بولچہ، لفظیات، اسلوب اور جداگانہ رنگ و آہنگ ہے۔ اردو زبان نے بھی اپنے جنم سے لے کر آج تک اپنے ارتقائی مختلف منزلیں اور مدارج طے کیے ہیں۔ اپنے ذخیرہ الفاظ کی بدولت اردو آج دنیا کی بڑی زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔

دو یا دو سے زائد الفاظ مل کر جو آمیزش بناتے ہیں اور جو نئے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسے ترکیب لفظی کہا جاتا ہے۔ گویا لفظی ترکیب کو ہم دو یا دو سے زائد الفاظ کا جوڑا کہہ سکتے ہیں جو تشکیل پانے کے بعد نئے معانی دے۔ جیسے اہل اور جنوں دو لفظ ہیں تو ان سے نئی لفظی ترکیب تشکیل پائے گی اہل جنوں۔ سایہ دیوار، عہد وفا، اقوام مغرب، سایہ دار درخت، بیگی شام، گرم دن، مال و دولت، صبح و شام وغیرہ

اردو زبان نے اپنی لفظیات، لہجہ اور دیگر لسانی نزاکتوں کے لیے زیادہ تر فارسی اور عربی زبان سے فیض اٹھایا ہے اس لیے ترکیب سازی کے بیشتر طریقے بھی فارسی ہی سے مستعار ہیں۔ ترکیب سازی کے حوالے سے ماہرین فن نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ فارسی اور عربی کے اصل الفاظ ہی باہم ترکیب میں آسکتے ہیں۔ تاہم بعض صورتوں میں ایک لفظ عربی زبان اور دوسرا فارسی زبان کا لے آئیں یا ان زبانوں کے الفاظ کے ساتھ ہندی یا کسی اور زبان کا لفظ ملا کر لفظی ترکیب بنائی جائے۔ عابد علی عابد نے اپنی تصنیف ”البیان“ کے صفحہ نمبر ۱۰ پر لکھا ہے کہ مختلف لفظی تراکیب کا اظہار، مطالب میں

معاون ہوتا ہے کیوں کہ دوہا معنی لفظ مل کر ایک نئی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جس طرح علم کیسیا میں مختلف اجزاء مل کر ایک نئی چیز بنا دیتے ہیں اسی طرح الگ الگ معانی کے حامل دو لفظ ملنے سے تراکیب کے دونوں اجزاء ایک نیا مفہوم حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جس مفہوم کو الگ الگ الفاظ کے ذریعے ادا نہیں کیا جاسکتا وہ مرکبات کے ذریعے بہ حسن و خوبی قاری کے ذہن تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

۹۔ اس سبق میں استعمال ہونے والی تراکیب لفظی کی شناخت کریں اور ان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی تحریر میں استعمال کریں۔



درج ذیل میں سے کسی ایک پر برقی تحریر (ای میل) تشکیل دیں:

- الف۔ پر ہیل کے نام، تفریحی دورے کی اجازت کے لیے درخواست
- ب۔ دوست کے نام اپنی سال گرہ میں شرکت کے لیے ایک دعوت نامہ (غیر رسمی خط)
- ج۔ اپنے چچا زاد کو ڈاکٹر بننے پر تہنیت نامہ



۷

بہادر خان کی سرگزشت

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مختلف نثری اصنافِ ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کر سکیں۔
- کسی بات، پیغام، کلام، نشریات، کہانی، کالے کوسن کر اس کے حسن و قبح کا جائزہ لیتے ہوئے دہرا سکیں
- کسی بھی رسمی و غیر رسمی تحریر (کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ، تجزیہ وغیرہ) کی جزئیات کو سمجھتے ہوئے اس پر تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- منتخب اقتباسات کی تحفیں لویں کر سکیں۔
- عالمی، ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے لیے مختلف تمثیری کوڈز سکیں اور ان سے معلومات حاصل کر سکیں۔
- ذومعانی الفاظ / جملوں / فقروں کا تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔
- سابقوں اور لاحقوں کا تحریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص	خوشوں	مُبادا	دُھوم دھام	خریص	مزارعت
الفاظ	والہانہ	ملفوظ	دھان	شب ب سری	سرگزشت

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ میں یہ شعور پیدا کریں کہ لوک ادب کیا ہوتا ہے اور لوک داستانیں کیسے زبانی روایات سے سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں تک پہنچتی رہی ہیں۔ طلبہ کو سمجھائیں کہ لوک کہانیوں میں کس طرح لوک ثقافت اور قبائلی سماج کی عکاسی ہوتی ہے۔
- کہانی کو اپنے پورے تاثر کے ساتھ پڑھنے کی تربیت بہم پہنچائیں۔ طلبہ سے ان کی اپنی زبان میں کہانی لکھنے کے لیے کہیں۔



پنپٹ سے پہلے چھپیں

اپنے والدین یا دادا، دادی، نانا نانی سے سنی ہوئی
کوئی کہانی سنائیں۔

پڑھیں



بہادر خان ایک کھانا پیتا کسان تھا۔ بارش نہ ہونے کی صورت میں بھی وہ کاریز کے پانی کی مدد سے اپنے کھیتوں میں اتنی سیرابی کر لیتا تھا کہ نہ صرف اپنے لیے سال بھر کے غلے کا خرچ پورا کر لیتا بلکہ

اپنے ہمسایوں اور غریب غریب کی مدد بھی کر دیتا۔ جب کاریزوں میں پانی تھوڑا ہوتا تو بھی اس کو کسی دوسرے زمین دار کی مزارعت نہ کرنا پڑتی تھی، اس کی اس معاشی آزادی کی وجہ سے اس میں کافی خودداری تھی اور اس کی ہانٹ چونٹ کر کھانے کی عادت نے ارد گرد میں اسے کافی نیک نامی دے رکھی تھی۔ لہذا اس کی شادی نہایت آسانی اور دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی سے پہلے وہ اپنے کھیتوں اور فصلوں کی پرورش میں بے حد پیش بینی اور محنت کرتا تھا۔ گندم کے خوشوں کے لیے وہ ایک حریص باپ سے کم نہ تھا، ان کے لیے دعا مانگتا تھا اور انھیں جانتا تھا، اور جب سبز خوشے اناج سے بھر کر سنہرے ہو جاتے تھے اور اپنے سر جھکا لیتے تھے تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہتی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا، اناج سے بھرے ان خوشوں کو اپنے وجود کا احساس ہے۔ یہ اپنے مالک کو

جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ان میں زندگی کی سرسری اور قہقہے ملبوف ہیں اور جوان سے پیار کرتا ہے یہ اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور ایک ایک کی جگہ دو دو پھونٹتے ہیں۔

شادی کے بعد اس کے معمول میں تھوڑا سا فرق آنا لازمی تھا، شادی سے پہلے وہ پسند نہ کرتا تھا کہ کوئی اور اس کے کھیتوں کے ان خوشوں کو بٹھو بھی لے۔ ان کے لیے اس کی محبت خود غرض، والہانہ اور حاسدانہ تھی۔ لیکن جب شادی ہو گئی تو وہ سوچنے لگا۔ ہر انسان کے دل میں محبت کی ایک قدرتی اور دائمی کاریزموزن ہے اور وہ اس سے دنیا کی ہر چیز اور اپنی ہر مقبوضہ شے کو سیراب کرتا رہتا ہے۔ اسے اپنے مکان سے محبت ہے، اپنے بیلوں سے محبت ہے، اپنے سے محبت ہے، سبز خوشوں سے محبت ہے، لیکن اس محبت کی انتہا اس وقت ہوتی ہے جب ایک عورت اس کی زندگی میں داخل ہوتی ہے اور وہ اسے چاہتا ہے لہذا جب اس کی محبت کا بیشتر حصہ اس کی بیوی پر خرچ ہونے لگا تو وہ بادل ناخواستہ اس بات پر تیار ہو گیا کہ بونے کانٹے کے لیے ایک نوکر رکھ لے۔ یہ نوکر بھی اسے اس کی منشا کے مطابق مل گیا۔ وہ ہر وقت کھیتوں سے قاتلو گھاس، کائی وغیرہ صاف کرتا، وقت پر پانی دیتا، بیلوں کو چارہ ڈالتا اور فصلوں کی خاطر تواضع میں لگا رہتا تھا۔ بس تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ حقے کے چار کش لگاتا تھا، یہی اس کی عیاشی تھی اور پھر جن کی طرح کام کرتا تھا۔ خدا کے فضل سے ان دنوں بارش خوب ہوئی اور بہادر خان کے بھر کھیت بھی پانی سے بھر گئے۔ نوکر نے ان کھیتوں میں بھی گندم بودی جو چند ماہ بعد پک کر تیار ہو گئی۔ بہادر خان نے جب پوری گندم کو کٹوایا اور خاردار جھاڑیوں کے پاس جو حان (کھلیان) لگوا دیا تو گاؤں کے سب لوگ، راہ گیر اور ارد گرد کے زمین دار دیکھنے آتے اور اسے کہتے: ”بہادر خان! تو بہت اونچے ستارے والا ہے، تیری بیوی سونے پر سہاگا ہے اور تیرا نوکر بھی اچھے شگون والا ہے۔“ وہ خود اس وسیع انبار کو آنکھ بھر کر دیکھتا تو سر سے پیر تک ایک خاموش قہقہہ بن جاتا لیکن کچھ خوف، کچھ نامعلوم ڈر، کچھ بے نام سے شکوک اس کے دل و دماغ میں سنگتے! وہ سوچتا جب غریب آدمی ہاسی ٹکڑوں کو ترستا ہے تو وہ کسی کے لیے خطرہ نہیں ہوتا لیکن جو فسی اسے دو وقت کی روٹی میسر آنے لگتی ہے وہ خطرہ بن جاتا ہے اور جب اس کا گھر بھر جائے تو پھر زمین اور آسمان کی ساری طاقتیں اس کے درپے ہو جاتی ہیں اور وہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہتا: ”خدا یا! یہ سب تیری دین ہے۔“

چنانچہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ خود بھی نوکر کے ہمراہ جو حان کے پاس ٹھہرا کرے گا۔ مہادانوکر کی نیت خراب ہو جائے یا تفریق ہی اسے لوٹ لیں۔ بیوی نے اس سے اتفاق کیا۔ بہادر خان اور نوکر وہیں رہنے لگے، بیوی ہر صبح اور شام ان کا کھانا وہاں دے آتی۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے حتیٰ کہ ایک شام جب اس کی بیوی آندھی چلنے کی وجہ سے کھانا وقت سے پہلے دے کر جا چکی تھی اس کا ایک دور کا سیال وہیں کھیت میں اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس کے چچا زاد بھائی لشکران کی شادی تھی جس پر وہ بلا والے کر آیا ہے۔ بہادر خان نے سوچا کہ ایسے مواقع بار بار تھوڑا ہی آتے ہیں، چنانچہ اس نے اس بلاوے پر جانا منظور کر لیا۔ اس کی جیب میں سو روپيا تھا جو شادی کے لیے کافی تھا، اس نے نوکر کو سمجھا دیا کہ وہ انبار کی حفاظت کرتا رہے اور اس کے جانے کی بابت کسی سے ذکر نہ کرے مہادانوکر اپنے اسے تنہا سمجھ کر، اس پر پیل نہ پڑیں اور گھر سے جو روٹی آئے وہ کھالیا کرے۔ اس کے بعد بہادر خان اپنے سیال کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ نوکر ایک زبردست چلم کشوک تھا اور خصوصاً فرصت کے اوقات میں تو وہ اپنے حقے سے ایک لمحہ بھی جدا نہ ہوتا تھا، اس نے ادھر ادھر سے خس و خاشاک جمع کر کے آگ جلائی مگر وہ کافی فاصلے پر جھاڑیوں کے وسط میں بیٹھا تھا، تاہم ایک غضب ناک بگولے نے اس آگ کے کچھ انگارے اٹھا کر جو حان میں پھینک دیے۔ جو حان کو آنا غانا آگ لگ گئی تو نوکر گندم کو بچانے کے لیے دوڑا لیکن وہ خود بھی اس کی بل کھاتی ہوئی پیٹوں کی نذر ہو گیا۔ اگلی صبح بہادر خان کی بیوی روٹی لے کر جو آئی تو اس نے دیکھا کہ بہادر خان جو حان سمیت جل گیا تھا۔ وہ روٹی پیٹنی واپس آگئی اور اپنے سیالوں کو بتایا۔ وہ جلے ہوئے نوکر کو بہادر خان سمجھ کر کھاٹ پر اٹھا کر لے گئے اور ایک قبرستان میں دفن کر آئے۔

کچھ دن بعد بہادر خان اپنی سیال داریوں سے خلاصی پا کر اپنے گھر کو واپس ہوا۔ وہ نیم شب کے قریب پہنچا اور یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس کی بیوی ماتم کر رہی ہے اور رورہی ہے۔ بیوی نے اسے دیکھ لیا اور سمجھی کہ اس کا شوہر مردوں سے زندہ ہو کر واپس آیا ہے تاکہ اسے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ پس اس نے ایک چٹائی ماری۔ اور سارے تومان (قبیلہ) کو بتانے کے لیے باہر بھاگی۔ ہر شخص پہاڑوں میں چھپ گیا۔ ان کو اپنی زندگی کا کھٹکا پڑ گیا۔ بہت سوں نے اپنے کندھوں پر اپنی اپنی بندوق رکھ لی۔ کچھ نے بغلوں میں تلواریں لٹکالیں اور سینوں پہ ڈھال جمالیے اور بہت سوں نے ڈنڈے سنبھال لیے اور جوانو! پکڑ لو! جانے نہ پائے، کہ کر بے چارے بہادر خان کا تعاقب کرنے لگے۔ بہادر خان چار وناچار بھوکا اور پیاسا ایک قبرستان میں شب بسری کے لیے چھپ گیا اور تارے گن گن کر انتظار کرنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر لوگوں نے اسے کون سمجھا۔ شاید اس لیے کہ وہ رات کے وقت اپنے گاؤں آیا تھا۔ یقین تھا کہ اس کے لوگ صبح کو اسے پہچان لیں گے۔ اسی امید پر اس نے رات مردوں کے قریب گزار دی۔ صبح صبح وہ زور کی بھوک کے مارے اپنے محلے میں پھر داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ مسجد میں تلا اذان کہنے کے لیے اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے ہوئے تھا۔ بہادر خان نے کہا: ”اے ملا! میں بھوکا ہوں۔“ ملا نے اپنا منہ اس کی طرف موڑا اور بہادر خان کو دیکھ کر اتنا خوف زدہ ہو گیا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور زمین پر لوٹ لوٹ کر مر گیا۔ لوگ بھی دیکھ کر اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ بہادر خان کو یہ اس سبب پھر قبرستان میں لوٹنا پڑا۔ تھوڑے عرصے بعد لوگ ملا کو قبرستان لائے اور اسے دفن کر دیا۔ ان کے پاس آپس میں تقسیم کرنے کے لیے کھجوریں تھیں۔ ملا کے باپ نے پوچھا کہ انھیں کتنے آدمیوں میں تقسیم کرنا ہے؟ کسی نے جواب دیا: سو آدمیوں میں، عین اس وقت بہادر خان نے بھوک سے بے تاب ہو کر ایک قبر کے عقب سے نعرہ لگایا۔ سو آدمیوں کو دے دو لیکن پہلے میرا حصہ دو بہادر خان کی آواز سن کر لوگوں نے کھجوریں اور کھات تو وہیں چھوڑے۔ بلکہ بہت سوں کی جوتیاں بھی وہیں رہ گئیں اور وہ سر توڑ بھاگے۔ کچھ چیختے چلاتے پہاڑوں میں چھپ گئے اور کچھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے جاتے تھے اور پیچھے دیکھتے جاتے تھے۔ بہادر خان کے خوف کی وجہ سے وہ گھروں میں پہنچ گئے اور توبہ کی کہ وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلیں گے۔ بہادر خان نے سب لوگوں کو بھاگتے دیکھ کر مونچھوں کو تاؤ دیا اور کھجوریں کھانے لگا۔ اس نے دل میں کہا: ”میرے خدا! میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ میرے گاؤں کے لوگ مجھے مردہ سمجھتے ہیں اور مجھ سے روپوشی اختیار کرتے ہیں۔ میری بیوی میرے سائے سے بھی گریز کرتی ہے۔“

آدمی رات کے قریب جبکہ بہادر خان ایک قبر کے عقب میں بیٹھا قسمت کو کوسے اونگھ رہا تھا۔ ایک سیاہ پوش خوفناک انسان قبرستان میں داخل ہوا اور سیدھا ملا کی قبر پر آکر کھڑا ہو گیا۔ وہاں کھڑے ہو کر اس نے کچھ پڑھا۔ قبر شق ہو گئی اور ملا کی لاش گھنٹوں تک باہر آگئی۔ بہادر خان سمجھ گیا۔ یہ کوئی جاؤ گر ہے جو تازہ لاشوں پر اپنے جادو کے تجربے کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ وہ جادو گر کو پکڑ کر اس سے جادو سیکھ لے اس خیال سے وہ کڑے کڑے (چپکے چپکے) جادو گر کے پیچھے آیا اور پھر یک بارگی لپک کر اس نے اسے قابو کر لیا۔ جاؤ گر چلایا: مجھے چھوڑ دو۔ بہادر خان نے کہا: مجھے اپنا عجیب و غریب سحر سکھاؤ تو چھوڑوں گا۔ جادو گر نے کہا: مجھے چھوڑ دو تو میں سکھا دوں گا۔ آخر بہادر خان نے لیت و لعل کے بعد اسے چھوڑ دیا۔ جادو گر نے فوراً کوئی منتر پھونکا، بہادر خان جدھر بھی جائے ملا بھی اس کے پیچھے ادھر ہی جائے۔ جادو گر تو اس کے بعد غائب ہو گیا لیکن ملا سائے کی طرح بہادر خان کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ وہ جدھر جاتا ملا بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتا۔ بہادر خان نے سوچا کہ میں نے اپنے اوپر ایک اور قبر طاری کر لیا۔ میں جدھر جاتا ہوں، ملا بھی ادھر جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ میں نے مردہ ملا کو زندہ کر دیا ہے۔

ایک دفعہ بہادر خان بھوکا تھا۔ اس نے سوچا کہ میں فلاں فلاں پالیز (باغ) میں چلتا ہوں جو قریب ہے۔ وہاں سے کچھ خربوزے اور تربوز پڑا کر کھاتا ہوں۔ چنانچہ وہ روانہ ہوا لیکن اس نے دیکھا کہ تلا بھی آ رہا ہے۔ اس نے کہا: ”او ملا! خدا سے ڈرو اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔ لوگ تو مجھ سے پہلے ہی

بھاگتے ہیں تمہیں دیکھ کر اور بھی خوف زدہ ہو جائیں گے۔“ تلا یہ سن کر تھوڑا سا ٹھٹھا لیکر جو بھی بہادر خان چلے لگا۔ ملا بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ بہادر خان نے ملا کی خوب مرمت کی لیکن اس کے باوجود ملا بہادر خان کے پیچھے لگا رہا۔ بہادر خان نے دوسری دفعہ تیسری دفعہ اسے خوب زد و کوب کیا لیکن کوئی اثر نہ ہوا، پھر غصے سے بے تاب ہو کر اس نے ملا کو گھسیٹنا شروع کیا اور قبرستان میں واپس لا کر اسے کھاٹ سے ہاندھ دیا۔ جس پر ملا کی لاش آئی تھی اور کہنے لگا: ”اب بلو تو میں تمہیں دیکھوں گا۔“ اس کے بعد وہ روانہ ہوا۔

تلا نے جب دیکھا کہ بہادر خان جا رہا ہے تو اس نے زور لگایا اور ایک جھٹکے سے کھاٹ سمیت کھٹ کھٹ کھٹ کرتا ہوا بہادر خان کے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے دیکھا کہ ملا بہت تیزی سے اس کے تعاقب میں آ رہا ہے تو اس نے بہت ہیچ و تاب کھایا اور اسے خوب مارا لیکن سخت جاں ملا پر مار کٹائی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بہادر خان ناچار ہو کر کھیت میں گیا۔ جہاں پانی دینے کے لیے ایک بڑا آبی چرخ نصب تھا۔ وہاں ملا کو کھاٹ سمیت کھڑا کر کے اس نے کہا: ”یہاں ذرا ٹھہرو میں کچھ خربوزے اور تربوز چڑاؤں۔ ملا تم حرکت نہ کرنا، میں تمہیں بھی دوں گا اور کچھ میں بھی کھاؤں گا۔“ لیکن وہ پیچھے آگیا۔ بہادر خان نے جوش میں آ کر اسے پھر مارنا شروع کیا لیکن تلا ڈھٹائی سے کھڑا رہا۔ آخر بہادر خان نے کھاٹ سمیت ملا کو چرنے سے مضبوط طریقے سے ہاندھ دیا اور خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا تیزی سے پالیز میں داخل ہو گیا۔ تلا نے بہادر خان کو جاتے دیکھ کر زور مارا اور ایک زبردست جھٹکا دے کر چرخ اور کھاٹ سمیت گڑگڑک کر نکلا۔ بہادر خان نے دیکھا تو اس سے کہا: ”تیرا خانہ خراب میرا پیچھا چھوڑ دے۔ خدا سے ڈر۔“ یہ کہہ کر اس نے ملا کو خوب مارا اور آگے چلا۔ ملا بھی پیچھے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے کہا: ”بد بخت! میں بھوکا ہوں۔ مجھے ذرا تنہا چھوڑ دے۔ میں کچھ خربوزے اور تربوز چڑاؤں اور ہم دونوں کھائیں گے۔ یہیں کھڑا رہ۔“ لیکن ملا کو کہاں سکون تھا۔ وہ آسب کی طرح اس کے پیچھے رہا۔ بہادر خان نے پھر اسے مارا اور پھر جھاڑیوں میں چھپتا ہوا پالیز میں پہنچا۔ ملا بھی گڑگڑک کر نکلا۔ بہادر خان نے جلدی جلدی کچھ خربوزے توڑے۔ پالیز دان (مالی) نے دیکھا کہ بہادر خان اور ملا گڑگڑک کرتے ہوئے خربوزے توڑ رہے ہیں تو وہ چننا ہوا بھاگا اور لوگوں کو بتانے لگا کہ بہادر خان اور ملا ہر طرف دندناتے پھر رہے ہیں۔ شہریوں اور غریبوں کا مال زور سے قبضہ کر رہے ہیں۔ لوگ اور بھی خوف زدہ ہو گئے۔

ایک دن بہادر خان نے دُور سے دیکھا کہ ایک آدمی بتل پر بیٹھا ہوا روٹی کھاتا آ رہا ہے۔ چناں چہ وہ اس کی طرف گام زن ہوا۔ اس سے کہا: ”بندہ خدا! مجھے روٹی دو۔ میں بھوکا ہوں۔“ بتل سوار نے بہادر خان اور تلا کو دیکھا تو وہ دہشت زدہ ہو کر بتل سے گرا اور تپ کر مر گیا۔ بہادر خان نے روٹی لے لی اور دونوں اسے کھاتے ہوئے واپس قبرستان آ گئے۔ کچھ دن بعد گاؤں کے رئیس کی پوشاک خلیفہ ہوئی تو اس نے اپنے دھوبی سے کہا: ”میرے کپڑے ندی پر لے جاؤ اور صاف کر لاؤ۔“ دھوبی نے کہا: ”حضور بہادر خان مع تلا زندہ ہو گیا ہے اور دونوں ادھر ادھر دندناتے پھرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے بھی پکڑ کر مار نہ دیں۔ اس لیے میں نہیں جاؤں گا۔“ رئیس نے کہا کہ حفاظت کے لیے تین سوار بھیج دیتا ہوں اس پر دھوبی رضامند ہو گیا۔ اس نے کپڑے لیے اور سواروں کی معیت میں اپنے گدھے پر بیٹھ کر ندی پر آیا۔ سواروں نے اپنے گھوڑے رسیوں سے مضبوط ہاندھ دیے اور دھوبی کی پہرے داری کرتے رہے۔ دریں اثنا بہادر خان کو پیاس لگی اور وہ ندی کی طرف چلا۔ اس کے پیچھے پیچھے تلا بھی گڑگڑک کرنے لگا۔ بہادر خان نے کہا: ”اے تلا! کیوں ظلم کرتے ہو؟ خدا سے ڈر اور سینیں ٹھہرو تاکہ میں پانی پی آؤں۔ میں ابھی تمہارے پاس لوٹ آؤں گا۔“ لیکن کم بخت تلا تو بے دھڑک تھا۔ اس کے قدم کہاں رکتے تھے؟ آخر کار بہادر خان نے آسٹرا نکال کر تلا کے بال صاف کر دیے، اس کے بعد وہ ندی پر آیا اور جبکہ کپانی پینے لگا۔ تلا بھی گڑگڑک کر نکلا۔ دھوبی کی نگاہ جو اس پر پڑی تو وہ چلایا: ”سپاہیو! بہادر خان مع ملا آگیا ہے۔“ سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ بے لگام گھوڑوں پر چڑھے، دھوبی نے کپڑے وہیں چھوڑ دیے اور گدھے پر بیٹھ کر لٹھ مار مار کر اسے گاؤں کی طرف ہانکنے لگا تاکہ گاؤں والوں کو خبردار

کرے۔ سواروں نے گھوڑوں کو یکے بعد دیگرے چابک مارے۔ انھوں نے گردن کے رتے تو کھول دیے تھے لیکن ایزلیوں کے رتے گھبراہٹ میں بھول گئے تھے۔ اس وجہ سے گھوڑے ان رتوں اور میخوں کی وجہ سے دوڑتے دوڑتے گر گئے۔ سپاہی انھیں مار رہے تھے اور اس بھگم بھاگ میں میخیں اکھڑ اکھڑ کر ان کے چروں پر لگ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کے چہرے، سر اور کان لہو لہان ہو گئے۔ اسی طرح ہوتے ہوتے ان میں سے دو مر گئے اور صرف ایک زندہ واپس آیا۔ اُس نے رئیس کو اپنی کہانی سنائی اور اپنے زخم دکھائے۔ دھوبی نے توبہ کی کہ وہ پھر کبھی باہر نہیں جائے گا۔ اپنے تئیں بہادر خان نے یہ سب کچھ دیکھا اور وہ خود سے کہنے لگا کہ میں کیا کروں؟ ندی میں ڈوب مروں یا پتھروں سے اپنا سر پھوڑوں؟ اقارب کے لیے بیگانہ ہو گیا ہوں، میرے اپنے حمن (قبیلہ) کے لوگ مجھ سے گریزاں ہیں اور یہ تلام بخت ایک آسیب کی طرح مجھ سے چٹا ہوا ہے۔ کاش! میں اس شادی پر نہ گیا ہوتا۔ وہ اسی طرح سوچتے سوچتے قبرستان واپس آ گیا۔ اس کے لیے وقت کا نفاذ و بھر ہو گیا۔ ایک ایک لمحہ ایک ایک پہاڑ بن گیا۔ اس کے دماغ میں ریختا ہوا ہر خیال اس کی رگوں میں کانٹے کی طرح چبھنے لگا۔ آخر اس نے کون سا گناہ کیا تھا۔ جس کی پاداش میں وہ اس مصیبت میں پھنس گیا اور مصیبت جب شروع ہوئی تو اس کی کوئی انتہا بھی نظر نہ آتی تھی۔ نہ جانے وہ اسی طرح کب تک اور کیا کیا سوچتا رہا۔ آدھی رات کے وقت جادوگر پھر قبرستان میں آیا۔ وہ اسے پکڑنے کے لیے روانہ ہوا تھا بھی اس کے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے کہا: ”اوشوم، ذرا صبر کر۔“ اور وہ جادوگر کے پیچھے پہنچا اور اسے پکڑ کر کہنے لگا: ”میں تمہیں ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم نے تلام کو مجھ سے علیحدہ نہ کیا۔“ جادوگر نے بہتیرا لیت و لعل سے کام لیا لیکن بہادر خان ڈنار ہا اور کہنے لگا: ”اس دفعہ کوئی رعایت نہ ہوگی۔ تلام کو فوراً قبر میں واپس کر دو چناں چہ جادوگر نے دوبارہ تلام کو اس کی قبر میں ڈال دیا اور خود قبرستان سے چلا گیا۔

بہادر خان اپنے ان سیالوں کی طرف چلا جن کی شادی میں وہ تھا۔ اس نے ان سے سب کچھ کہا اور درخواست کی کہ میرے گاؤں والے مجھے مردہ سمجھتے ہیں اس لیے میرے ساتھ چلو اور انھیں بتادو کہ میں تمہاری شادی میں آیا تھا۔ چناں چہ وہ اسے لے کر بہادر خان کے گاؤں آئے۔ لوگ اسے دیکھنے کے لیے باہر نکلے۔ اس کے سیال نے خان کی بیوی اور اس کے دوسرے رشتے داروں کو بلایا اور سمجھایا کہ جسے تم مردہ سمجھتے ہو وہ تو اس کا نوکر تھا۔ بہادر خان تو ان دنوں شادی میں گیا ہوا تھا۔ وہ انھیں یہ سمجھا کر واپس چلا گیا اور سب خوشی سے ناچ ناچ کر پکارنے لگے کہ ہم نے حاصل کر لیا، ہم آزاد ہو گئے، ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔

انور رومان (۱۹۲۶ء-۲۰۱۳ء)

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہر تعلیم، مورخ، محقق، شاعر، کٹھن نگار اور مترجم تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ کوئٹہ میں گزرا۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے ایم۔ اے تاریخ کی سند حاصل کرنے کے بعد بہ طور معلم ملازمت کا آغاز کوئٹہ سے کیا تھا۔ ۱۹۸۵ء تک ملازمت کے دوران وہ مختلف کالجوں کے پرنسپل بھی رہے۔ انور رومان نے بہ طور چیئر مین ٹیکسٹ بک بورڈ بلوچستان بھی گرامر قدر خدمات سر انجام دیں۔ وہ نظامتِ تعلیمات کے ڈائریکٹر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

تعلیم و تعلم کے موضوع پر تصانیف کے علاوہ انور رومان نے بلوچی، براہوی اور پٹان قبائل کے بارے میں مغربی اور مقامی مصنفین کی بہت سی کتابوں کے تراجم اردو زبان میں کیے۔ ان کے تراجم میں بلوچستان اور سندھ کے بارے میں نوآبادیاتی دور کے گزشتہ بھی شامل ہیں۔ بلوچی اور براہوی ادب کو بھی انھوں نے اردو میں منتقل کیا۔ ”براہوی لوک کہانیاں“ ان کی ساٹھ سے زائد تصنیفات و تالیفات میں سے ایک ہے۔

انور رومان غیر منقسم ہندوستان کے ضلع جالندھر کے ایک قصبہ کنیان کلاں میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے کراچی میں وفات پائی۔

ۛ بہادر خان کی بیوی کو آخر کار کیسے پتا چلا کہ بہادر خان زندہ ہے؟

۴۔ گزشتہ جماعتوں میں آپ رسی وغیرہ کی تحریروں (کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ و تجزیہ وغیرہ) کے تصور کو تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔ اخبار میں چھپنے والی درج ذیل خبر کی جزئیات کو سمجھتے ہوئے اس پر تنقید و تبصرہ کریں نیز پروف خوانی کرتے ہوئے اغلاط کی بھی نشان دہی کریں۔

زنجوں کے پودوں کے ارد گرد سے جڑی بوٹیوں اور دیگر غیر ضروری پودوں کو ہٹانے پر توجہ مرکوز کرنے کی ہدایت
 جینی کشن کوہاٹ عبدالاکرم جڑی بوٹی کے اوج میں غار سے افسر کے سر اور ہارمی اینڈ میں جڑوں کے باغ کا جائزہ لیا

کوہاٹ (کانٹھہ آج) اپنی فطرت کو اٹھانے سے کام لیتی ہے کہ اس کی ہر جڑی بوٹی اپنے مقام پر
 عبدالاکرم جڑی بوٹی کے اوج میں غار سے افسر کے سر اور ہارمی اینڈ میں جڑوں کے باغ کا جائزہ لیا

کوہاٹ اور سب اوج میں غار سے افسر کے سر اور ہارمی اینڈ میں جڑوں کے باغ کا جائزہ لیا

ہر جڑی بوٹی اپنے مقام پر افسر کے سر اور ہارمی اینڈ میں جڑوں کے باغ کا جائزہ لیا

اے جڑی بوٹی اپنے مقام پر افسر کے سر اور ہارمی اینڈ میں جڑوں کے باغ کا جائزہ لیا

سب جڑی بوٹی اپنے مقام پر افسر کے سر اور ہارمی اینڈ میں جڑوں کے باغ کا جائزہ لیا

ملخص نگاری

۵۔ درج ذیل اقتباسات کی تلخیص کریں:

(i) یہ شہر تقریباً ۱۵۰۰ سال پہلے مسیح سے لے کر سکندر اعظم کے زمانے تک پوری ہم عصر اور بعد کی دنیا کے لیے ایک مرقع حیرت بنا رہا۔ جہاں ایک رسم الخط اور طرزِ تحریر پیدا ہوا، جہاں دنیا کی پہلی انسائیکلو پیڈیا ترتیب دی گئی، جہاں چھتوں پر باغ تھے، بیکنگ گارڈن، جہاں سڑکیں ایک



اس سبق کی ہدایس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- ذرائع ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور نغمہ میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات پر تنقیدی گفت گو سن کر اپنی رائے کا اضافہ کر سکیں۔
- منظوم اور منثور اصنافِ ادب پڑھ کر مصنفین کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- متن پڑھ کر خیالات، آراء اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ اور تجزیہ کر سکیں۔
- علامتِ ادقاف (استنباطیہ، استنباطیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترجمانِ خط، علامتِ شعر، علامتِ تخلص اور علامتِ مصرع) کو پہچان کر درست استعمال کر سکیں۔

خاص	قوتِ شامہ	منطق	ذوق	دھنگارے	کھرچن
الفاظ	زعبت	ٹھٹھنی	استنباطِ رائے	عاقبتِ اندیشی	خلفیہ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مشتاق احمد یوسفی کی مزاح نگاری کے بارے میں بتائیں اور انھیں مشتاق احمد یوسفی کی کوئی سی کتاب پڑھنے کا مشورہ دیں۔



پڑھتے سے پہلے پوچھیں

- کافی اور چائے میں کیا فرق ہے؟
- اپنے علاقے کے چند روایتی مشروبات کے نام بتائیں۔

پڑھتے ہیں



میں نے سوال کیا کیا آپ کافی کیوں پیتے ہیں؟

انھوں نے جواب دیا: آپ کیوں نہیں پیتے؟

مجھے اس میں سگار کی سی بو آتی ہے۔

اگر آپ کا اشارہ اس کی سوندھی سوندھی خوشبو کی طرف ہے تو یہ آپ کی قوتِ شامہ کی کوتاہی ہے۔

گو کہ ان کا اشارہ صریحاً میری ناک کی طرف تھا۔ تاہم رفعِ شر کی خاطر، میں نے کہا: ”تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیتا ہوں کہ کافی میں سے واقعی بھینسی بھینسی مہک آتی ہے۔ مگر یہ کہاں کی منطق ہے کہ جو چیز ناک کو پسند ہو وہ حلق میں اڈیل لی جائے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کافی کا عطر کیوں نہ کشید کیا جائے تاکہ ادبی محفلوں میں ایک دوسرے کے لگایا کریں۔“

تڑپ کر بولے: صاحب! میں ماکولات میں معقولات کا دخل جائز نہیں سمجھتا، تاوقتِ یہ کہ اس گھپلے کی اصل وجہ تلفظ کی مجبوری نہ ہو۔ کافی کی مہک سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک تربیت یافتہ ذوق کی ضرورت ہے۔ یہی سوندھا پن لگی ہوئی کھیر اور دھنگارے ہوئے رائے میں ہوتا ہے۔ میں نے معذرت

کی؛ کفر چن اور دھنگار دونوں سے مجھے ختمی ہوتی ہے۔ فرمایا: ”تعب ہے! یو۔ پی میں تو شرفا بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔ میں نے اسی بنا پر ہندوستان چھوڑا۔ چراندے ہو کر کہنے لگے: آپ قائل ہو جاتے ہیں تو کج بحثی کرنے لگتے ہیں۔ جواباً عرض کیا: ”گرم ممالک میں بحث کا آغاز صحیح معنوں میں قائل ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ دانستہ دل آزاری ہمارے مشرب میں گناہ ہے۔ لہذا ہم اپنی اصل رائے کا اظہار صرف نئے اور غصے کے عالم میں کرتے ہیں۔“ خیر، یہ تو جملہ معترضہ تھا، لیکن اگر یہ سچ ہے کہ کافی خوش ذائقہ ہوتی ہے تو کسی بچے کو پلا کر اس کی صورت دیکھ لیجیے۔

جھلا کر بولے: آپ بحث میں معصوم بچوں کو کیوں گھسیٹتے ہیں؟

میں بھی الجھ گیا: آپ ہمیشہ بچوں سے پہلے لفظ معصوم کیوں لگاتے ہیں؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کچھ بچے گناہ گار بھی ہوتے ہیں؟ خیر، آپ کو بچوں پر

اعتراض ہے تو بلی کو لیجیے۔

بلی ہی کیوں؟ بکری کیوں نہیں؟ وہ سچ مچ مچھلتے لگے۔

میں نے سمجھایا: بلی اس لیے کہ جہاں تک پینے کی چیزوں کا تعلق ہے، بچے اور بلیاں بُرے بھلے کی کہیں بہتر تمیز رکھتے ہیں۔

ارشاد ہوا: کل کو آپ یہ کہیں گے کہ چون کہ بچوں اور بلیوں کو کچے گانے پسند نہیں آسکتے اس لیے وہ بھی لغو ہیں۔

میں نے انھیں یقین دلایا: میں ہر گز یہ نہیں کہہ سکتا۔ کچے راگ انھیں کی ایجاد ہیں۔ آپ نے بچوں کا روٹا اور بلیوں کا لڑنا... بات کاٹ کر بولے: بہ

ہر حال ثقافتی مسائل کا فیصلہ ہم بچوں اور بلیوں پر نہیں چھوڑ سکتے۔

آپ کو یقین آئے یا نہ آئے مگر یہ واقعہ ہے کہ جب بھی میں نے کافی کے بارے میں استصواب رائے عامہ کیا اس کا انجام اسی قسم کا ہوا۔ شائقین میرے سوال کا جواب دینے کے بہ جائے الٹی جرح کرنے لگتے ہیں۔ اب میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کافی اور کلاسیکی موسیقی کے بارے میں استصواب رائے عامہ کرنا بڑی ناواقفیت اندیشی ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بد مذاقی ہے جیسے کسی نیک مرد کی آمدنی یا خوب صورت عورت کی عمر دریافت کرنا (اس کا مطلب یہ نہیں کہ نیک مرد کی آمدنی اور خوب صورت عورت کی عمر دریافت کرنا خطرے سے خالی ہے بلکہ زندگی میں صرف ایک شخص ملا جو واقعی کافی سے بے زار تھا۔ لیکن اس کی رائے اس لحاظ سے زیادہ قابل التفات نہیں کہ وہ ایک مشہور کافی ہاؤس کا مالک لکھا۔ ایک صاحب تو اپنی پسند کے جواز میں صرف یہ کہہ کر چپ ہو گئے کہ ”چھنتی نہیں منہ سے یہ کافی لگی ہوئی“ میں نے وضاحت چاہی تو کہنے لگے: دراصل یہ عادت کی بات ہے۔

بعض احباب تو اس سوال سے چراغ پا ہو کر ذاتیات پر اتر آتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ ایمان کی بات ہے کہ جھوٹے الزام کو سمجھ و ادراک سے نہایت اعتماد سے ہنس کر نال دیتا ہے مگر سچے الزام سے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس ضمن میں جو متضاد باتیں سننا پڑتی ہیں، ان کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ایک کرم فرما، نے میری بے زاری کو محرومی پر محمول کرتے ہوئے فرمایا: ”ہائے کم بخت! تو نے پی ہی نہیں“ ان کی خدمت میں حلفیہ عرض کیا کہ دراصل بیسیوں گیلن پینے کے بعد ہی یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ دوسرے صاحب نے ذرا ٹھل کر پوچھا کہ کافی سے چڑکی اصل وجہ معدے کے وہ داغ (Ulcers) تو نہیں جن کو میں دو سال سے لیے پھر رہا ہوں اور جو کافی کی تیزابیت سے جل اٹھے ہیں اور اس کے بعد وہ مجھے نہایت تشخص ناک نظروں سے گھورنے لگے۔ استصواب رائے عامہ کا حشر آپ دیکھ چکے۔ اب مجھے اپنے تاثرات پیش کرنے کی اجازت دیجیے۔ میرا ایمان ہے کہ قدرت کے کارخانے میں کوئی شے بے کار نہیں۔ انسان غور و فکر کی عادت ڈالے (یا محض عادت ہی ڈال لے) تو ہر بری چیز میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور نکل آتی ہے۔ مثال کے طور پر حق ہی کو لیجیے۔ معتبر بزرگوں سے سنا ہے کہ حقہ پینے سے تفکرات پاس نہیں پھٹکتے۔ بلکہ میں تو یہ عرض کروں گا کہ اگر تمباکو خراب ہو تو تفکرات

ہی کیا موقوف ہے، کوئی بھی پاس نہیں پھٹکتا۔ اب دیگر ملکی اشیائے خورد و نوش پر نظر ڈالیے۔ مرچیں کھانے کا ایک آسانی سے سمجھ آ جانے والا فائدہ یہ ہے کہ ان سے ہمارے مشرقی کھانوں کا اصل رنگ اور مزہ دب جاتا ہے۔ خیرہ کاؤز بان اس لیے کھاتے ہیں کہ بغیر راشن کارڈ کے شکر حاصل کرنے کا یہی ایک جائز طریقہ ہے۔ جو شائد اس لیے گوارا ہے کہ اس سے نہ صرف ایک ملکی صنعت کو فروغ ہوتا ہے بلکہ نفسانہ کو مارنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ شلغم اس لیے زہر مار کرتے ہیں کہ ان میں وٹامن ہوتا ہے۔ لیکن جدید طبی ریسرچ نے ثابت کر دیا ہے کہ کافی میں سوائے کافی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اہل ذوق کے نزدیک یہی اس کی خوبی ہے۔

معلوم نہیں کہ کافی کیوں، کب اور کس مردم آزار نے دریافت کی۔ لیکن یہ بات وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یونانیوں کو اس کا علم نہیں تھا۔ اگر انھیں ذرا بھی علم ہوتا تو چراسنہ کی طرح یہ بھی یونانی طب کا جزو اعظم ہوتی۔ اس قیاس کو اس امر سے مزید تقویت پہنچتی ہے کہ قصوں میں کافی کی بڑھتی ہوئی کھپت کی غالباً ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عطانیوں نے ”اللہ شانی اللہ کافی“ کہہ کر موخر الذکر کا سفوف اپنے نسخوں میں لکھنا شروع کر دیا ہے۔

سنائے کہ چائے کے باغات بڑے خوب صورت ہوتے ہیں۔ یہ بات یوں بھی سچ معلوم ہوتی ہے کہ چائے اگر کھیتوں میں پیدا ہوتی تو ایشیائی ممالک میں اتنی افراط سے نہیں ملتی بلکہ غلے کی طرح غیر ممالک سے درآمد کی جاتی۔ میری معلومات عامہ محدود ہیں مگر قیاس یہی کہتا ہے کہ کافی بھی زمین ہی سے آتی ہو گی۔ کیونکہ اس کا شائد ان نعمتوں میں نہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر آسمان سے براہ راست نازل کرتا ہے۔ تاہم میری چشم تخیل کو کسی طور یہ باور نہیں آتا کہ کافی باغوں کی پیداوار ہو سکتی ہے اور اگر کسی ملک کے باغوں میں یہ چیز پیدا ہوتی ہے تو اللہ جانے وہاں کے جنگلوں میں کیا آلتا ہو گا؟ ایسے ارباب ذوق کی کمی نہیں جنہیں کافی اس وجہ سے عزیز ہے کہ یہ ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتی۔ مجھ سے پوچھیے تو مجھے لہنا ملک اسی لیے اور بھی عزیز ہے کہ یہاں کافی پیدا نہیں ہوتی۔ میں مشروبات کا پارکھ نہیں ہوں۔ لہذا شراب کے اچھے یا برے ہونے کا اندازہ ان اثرات سے لگانا ہوں جو اسے پینے کے بعد رونما ہوتے ہیں۔

کافی ہاؤس کی شام کا کیا کہنا! فضا میں ہر طرف ذہنی کھراچھا یا ہوا ہے۔ جس کو سرمایہ دار طبقہ اور طلبہ سرخ سویرا سمجھ کر ڈرتے اور ڈراتے ہیں۔ شور و شغب کا یہ عالم کہ اپنی آواز تک نہیں سنائی دیتی اور بار بار دوسروں سے پوچھنا پڑتا ہے کہ میں نے کیا کہا۔ ہر میز پر تشنگان علم کافی پی رہے ہیں۔ اور غروب آفتاب سے غمراہے تک، یا عوام اور آم کے خواص پر بقراطی لہجے میں بحث کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کافی لہنا رنگ دکھاتی ہے اور لوگ روٹھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سوچ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ: اب تو گھر کے یہ کہتے ہیں کہ گھر جائیں گے گھر میں بھی چہین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔

کافی پی پی کر سماج کو کونسنے والے ایک انگلیچہ نیل نے مجھے بتایا کہ کافی سے دل کا کنول کھل جاتا ہے اور آدمی چپکنے لگتا ہے۔ میں بھی اس رائے سے متفق ہوں۔ کوئی معقول آدمی یہ سیال پی کر اپنا منہ نہیں بند رکھ سکتا۔ ان کا یہ دعویٰ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا کہ کافی پینے سے بدن میں چستی آتی ہے۔ جیسی تو لوگ دوڑ دوڑ کر کافی ہاؤس جاتے ہیں اور گھنٹوں وہیں بیٹھے رہتے ہیں۔

بہت دیر تک وہ یہ سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ کافی نہایت مفرح ہے اور دماغ کو روشن کرتی ہے۔ اس کے ثبوت میں انھوں نے یہ مثال دی کہ: ابھی کل ہی کا واقعہ ہے۔ میں دفتر سے گھر بے حد مذہال پہنچا۔ بیگم بڑی بد مزاج ہیں۔ فوراً کافی کا (TEA POT) لاکر سامنے رکھ دیا۔

میں ذرا چکرایا: پھر کیا ہوا؟ میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

میں نے دودھ دان سے کریم نکالی: انھوں نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا: شکر دان سے کیا نکلا؟

فرمایا: شکر نکلی، اور کیا ہاتھی گھوڑے نکلتے؟

مجھے غصہ تو بہت آیا مگر کافی کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا۔

عمدہ کافی بتانا بھی کیسا گری سے کم نہیں۔ یہ اس لیے کہ رہا ہوں کہ دونوں کے متعلق یہی سننے میں آیا ہے کہ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ ہر ایک کافی ہاؤس اور خاندان کا ایک مخصوص نسخہ ہوتا ہے جو سینہ بہ سینہ، حلق بہ حلق منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مشرقی افریقہ کے اس انگریز افسر کا نسخہ تو سبھی کو معلوم ہے جس کی مزے دار کافی کی سارے ضلع میں دھوم تھی۔ ایک دن اس نے ایک نہایت پر تکلف دعوت کی جس میں اس کے حبشی خاندان نے بہت ہی خوش ذائقہ کافی بنائی۔ انگریز نے بہ نظر حوصلہ افزائی اس کو معزز مہمانوں کے سامنے طلب کیا اور کافی بنانے کی ترکیب دریافت پوچھی۔ حبشی نے جواب دیا: بہت ہی سہل طریقہ ہے۔ میں بہت سا کھولتا ہوا پانی اور دودھ لیتا ہوں۔ پھر اس میں کافی ملا کر دم کرتا ہوں۔ لیکن اسے حل کیسے کرتے ہو؟ بہت مہین چھنی ہوتی ہے۔ حضور کے موزے میں چھانتا ہوں۔ کیا مطلب؟ کیا تم میرے قیمتی ریشمی موزے استعمال کرتے ہو؟ آقا نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔ خاندان سہم گیا: نہیں سرکار! میں آپ کے صاف موزے کبھی استعمال نہیں کرتا۔

سچ عرض کرتا ہوں کہ میں کافی کی تندہی اور تلخی سے ذرا نہیں گھبراتا۔ بچپن ہی سے یونانی دواؤں کا عادی رہا ہوں اور قوت برداشت اتنی بڑھ گئی ہے کہ کڑوی سے کڑوی گولیاں کھا کے بے مزانہ ہوا! لیکن کڑواہٹ اور مساس کی آمیزش سے جو معتدل قوام خفا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ میری انتہا پسند طبیعت اس میٹھے زہر کی تاب نہیں لاسکتی۔ لیکن دقت یہ آن پڑتی ہے کہ میں میزبان کے اصرار کو عداوت اور وہ میرے انکار کو تکلف پر محمول کرتے ہیں۔ لہذا جب وہ میرے کپ میں شکر ڈالتے وقت اخلاقاً پوچھتے ہیں: ایک چمچہ یادو؟ تو مجبوراً یہی گزارش کرتا ہوں کہ میرے لیے شکر دان میں کافی کے دو چمچے ڈال دیجیے۔ صاف ہی کیوں نہ کہ دوں کہ جہاں تک اشیائے خورد و نوش کا تعلق ہے، میں تہذیب حواس کا قائل نہیں۔ میں یہ فوری فیصلہ ذہن کے بہ جائے زبان پر چھوڑنا پسند کرتا ہوں۔ کھانے پینے کے معاملے میں میرا یہ نظریہ ہے کہ پہلا ہی لقمہ یا گھونٹ فیصلہ کن ہوتا ہے۔ بد ذائقہ کھانے کی عادت کو ذوق میں تبدیل کرنے کے لیے بڑا پیمانہ ناپڑتا ہے۔ مگر میں اس سلسلے میں برسوں تلخی کام و دہن گوارا کرنے کا حامی نہیں، تاوقت یہ کہ اس میں بیوی کا اصرار یا گریہتی مجبوریاں شامل نہ ہوں۔ مشرقی اور مغربی مشروبات کا موازنہ کرنے سے پہلے یہ بنیادی اصول ذہن نشین کر لینا از بس ضروری ہے کہ ہمارے یہاں پینے کی چیزوں میں کھانے کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ اپنے قدیم مشروبات مثلاً پنجنی، ستواور فالودے پر نظر ڈالیے تو یہ فرق واضح ہو جاتا ہے۔ ستواور فالودے کو خالصتاً لغوی معنوں میں آپ نہ کھا سکتے ہیں اور نہ پی سکتے ہیں۔ بلکہ دنیا میں اگر کوئی ایسی شے ہے جسے آپ با محاورہ اردو میں بیک وقت کھا اور پی سکتے ہیں تو یہی ستواور فالودہ ہے جو ٹھوس غذا اور ٹھنڈے شربت کے درمیان ناقابل بیان سمجھوتا ہے، لیکن آج کل ان مشروبات کا استعمال خاص خاص تقریبات میں ہی کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اب ہم نے عداوت نکالنے کا ایک اور مہذب طریقہ اختیار کیا ہے۔ آپ کے ذہن میں خدانہ خواستہ یہ شبہ نہ پیدا ہو گیا ہو کہ راقم السطور کافی کے مقابلے میں چائے کا طرف دار ہے تو مضمون ختم کرنے سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا از بس ضروری سمجھتا ہوں۔ میں کافی سے اس لیے بے زار نہیں ہوں کہ مجھے چائے عزیز ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافی کا جلا چائے بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔

(چرخ غلتے)

مشتاق احمد یوسفی (۱۹۲۳ء-۲۰۱۸ء)

مشتاق احمد یوسفی کی ولادت ۴ ستمبر ۱۹۲۳ء کو متحدہ ہندوستان کے شہر ٹونک، راجستھان کے ایک تعلیم یافتہ خاندان میں ہوئی۔ آپ نے سینٹ جانس کالج آگرہ سے فلسفہ میں ایم۔ اے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ بی کیا۔ بعد ازاں ہندوستانی پبلیک سول سروسز کا امتحان پاس کر کے ۱۹۵۰ء تک ہندوستان میں مسلم کمرشیل بینک سے متعلق ہوئے اور ڈپٹی جنرل منیجر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد بھارت سے ہجرت کر کے کراچی میں سکونت اختیار کی اور وہاں ایک بینک میں ملازمت اختیار کر لی۔ مشتاق احمد یوسفی نے اردو ادب میں مزاح نگاری کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا وہ اردو دنیا کے لیے ایک نایاب تحفے ہیں۔ ان کی پہلی کتاب ”چراغ تے“ ۱۹۴۱ء میں چھپی جب کہ دوسری ”خاکم بدہن“ ۱۹۴۹ء، ”ذکر گزشت“ ۱۹۷۴ء، ”آب گم“ ۱۹۹۰ء اور آخری کتاب ”شام شعریاں“ ۲۰۱۳ء میں چھپی۔ ان کی خدمات کو دیکھتے ہوئے صدر پاکستان نے ۱۹۹۹ء میں ”ستارہ امتیاز“ اور ۲۰۰۲ء میں ”ہلال امتیاز“ سے نوازا۔ ۲۰ جون ۲۰۱۸ء کو وہ کراچی میں انتقال کر گئے۔



۱۔ درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

(i) یہ کہاں کی منطق ہے کہ جو چیز ----- کو پسند ہو وہ خلق میں اتذلیل لی جائے۔

الف: آنکھ ب: ناک ج: دل د: دماغ

(ii) یونی کے شرفار غبت سے کھاتے ہیں:

الف: روٹی اور سالن ب: رائیہ اور کھیر ج: چاول اور رائیہ د: کھیر اور رس ملائی

(iii) مصنف کے نزدیک کافی کے خوش ذائقہ ہونے کا تجربہ، پلا کر کیا جائے:

الف: کسی بچے کو ب: کسی بڑے کو ج: کسی جوان کو د: کسی بوڑھے کو

(iv) سمجھ دار آدمی نہایت اعتماد سے ہنس کر ٹال دیتا ہے:

الف: سچے الزام کو ب: جھوٹے الزام کو ج: بڑے الزام کو د: چھوٹے الزام کو

(v) آپ با محاورہ اردو میں بیک وقت کھا اور پی سکتے ہیں:

الف: ستواور فالودہ کو ب: چاول اور چائے کو ج: کافی اور شربت کو د: قلعی اور دودھ کو

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

۱۔ مصنف کو کافی کیوں ناپسند تھی؟

ب۔ کافی کے بارے میں استصواب رائے سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا تھا؟

ج۔ مصنف کافی کی تندی اور تلخی سے کیوں نہیں گھبراتا تھا؟

د۔ عمدہ کافی بنانا اور کیسی گری کا آپس کا کیا تعلق ہے؟

ہ۔ مشرقی مشروبات، مغربی مشروبات سے کس طرح مختلف ہیں؟

۳۔ انٹرنیٹ کے ذریعے کسی بھی پاکستانی زبان کے حوالے سے ڈاکو منٹری سٹین اور اس کا تجزیہ کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے دیں۔
۴۔ طلبہ ذرائع ابلاغ کی مدد سے اردو ڈراما ”الف۔ نون“ دیکھیں اور اس میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات پر جماعت کے کمرے میں اپنی رائے دیں۔

۵۔ درج ذیل متن پڑھ کر خیالات، آراء اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ اور تجزیہ کریں:
”سچ عرض کرتا ہوں کہ میں کافی کی تندہی اور تلخی سے ذرا نہیں گھبراتا۔ بچپن ہی سے یونانی دواؤں کا عادی رہا ہوں اور قوت برداشت اتنی بڑھ گئی ہے کہ کڑوی سے کڑوی گولیاں کھا کے بے مزانہ ہوا! لیکن کڑواہٹ اور مٹھاس کی آمیزش سے جو معتدل قوام بنتا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ میری انتہا پسند طبیعت اس میٹھے زہر کی تاب نہیں لاسکتی۔ لیکن دقت یہ آن پڑتی ہے کہ میں میزبان کے اصرار کو عداوت اور وہ میرے انکار کو تکلف پر محمول کرتے ہیں۔ لہذا جب وہ میرے کپ میں شکر ڈالتے وقت اخلاقاً پوچھتے ہیں: ایک چمچہ یادو؟ تو مجبوراً یہی گزارش کرتا ہوں کہ میرے لیے شکر دان میں کافی کے دو چمچے ڈال دیجیے۔ صاف ہی کیوں نہ کہ دوں کہ جہاں تک اشیائے خورد و نوش کا تعلق ہے، میں تہذیب حواس کا قائل نہیں۔ میں یہ فوری فیصلہ ذہن کے بہ جائے زبان پر چھوڑنا پسند کرتا ہوں۔ کھانے پینے کے معاملے میں میرا یہ نظریہ ہے کہ پہلا ہی لقمہ یا گھونٹ فیصلہ کن ہوتا ہے۔ بد ذائقہ کھانے کی عادت کو ذوق میں تبدیل کرنے کے لیے بڑا ہمارا ناپڑتا ہے۔ مگر میں اس سلسلہ میں برسوں تلخی کام و دہن گوارا کرنے کا حامی نہیں، تاوقت یہ کہ اس میں بیوی کا اصرار یا گریہ جبری مجبوریاں شامل نہ ہوں۔“

۶۔ طلبہ جماعت کے کمرے میں اپنی استانی صاحبہ / استاد صاحب کی موجودگی میں مشتاق احمد یوسفی کے انشائیہ ”کافی“ کو پڑھتے ہوئے مصنف کے طرزِ تحریر پر مناسب انداز میں تبصرہ کریں۔

علاماتِ او قاف (استقبالیہ، استفہامیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترچھا خط، علامت شعر، علامت تخلص، علامت مصرع)۔
(i) رابطہ: (:) (ii)

جملے یا عبارت میں وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے یہ علامت استعمال ہوتی ہے: مثلاً

میری بات یاد رکھنا: محنت ہی کام یابی کی کنجی ہے
کیا خوب سودا نقد ہے: اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

(ii) تفصیلیہ (-:) (iii)

جملے یا عبارت میں کسی بات کی تفصیل بتانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً

ورزش کے فائدے درج ذیل ہیں:

علامہ اقبال نے نصیحت کی تھی:-

(iii) سوالیہ یا استفہامیہ (?)

جب کوئی بات پوچھنی یا کچھ دریافت کرنا مقصود ہو تو یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً

آپ کا نام کیا ہے؟ قائد اعظم کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(iv) استعجابیہ (!)

حیرت یا حیرانی کے اظہار کے لیے یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً

ارے! اوہ!

(v) خطِ فاصل، ترچھا خط (/)

یہ علامت دفتری مراسلات کا حوالہ دینے کے لیے مختلف قسم کے بیانات، مسودات کے اندراجات میں متبادل اسامیا یا افعال کے درمیان لگائی جاتی ہے، مثلاً: مسمیٰ / مسماۃ، بن / بنت، اقرار کرتا ہوں / کرتی ہوں وغیرہ وغیرہ

(vi) علامتِ مصرع، علامتِ شعر اور علامتِ تخلص:

شاعری لکھتے ہوئے جہاں کہیں ایک مصرع استعمال ہو وہاں علامتِ مصرع (ع)، جہاں پر شعر لکھا جائے وہاں علامتِ شعر (س) اور جہاں شاعر اپنا شاعرانہ نام استعمال کرے اس کے اوپر علامتِ تخلص (ت) استعمال ہوتی ہے۔



درج ذیل علاماتِ او قاف کو پہچانیں اور ان کا اپنے جملوں میں مناسب استعمال کریں:

علامتِ او قاف	نام	علامتِ او قاف	نام
!		—	
/		؛	
؟		ع	
:-		،	
:			



اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مجازی اور اصطلاحی محضر میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے گفت گو کر سکیں۔
- افسانوی غیر افسانوی اقتباسات کو ان کے اسلوب اور بیان کے پیش نظر خاص مقاصد (تفہیم، تمہید، موازنہ وغیرہ) کے لیے پڑھ سکیں۔
- افسانوی غیر افسانوی متن میں شامل مانوس وغیر مانوس الفاظ و تراکیب، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور مرکبات پر مشتمل فقرات سمجھ کر بر محل استعمال کر سکیں۔
- مختلف مصنفین / شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کا تجزیہ کر سکیں۔
- مختلف مصنفین / شعرا کی تخلیقات اور ادب پاروں کو پڑھ سکیں اور اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہو سکیں اور عصری تناظر میں اس کا تجزیہ و تبصرہ کر سکیں۔
- مضمون نویسی کے مختلف انداز تحریر (بیانیہ، مدلل، بحثی، تفصیلی اور تحقیقی و تنقیدی) کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف موضوعات کو قلم بند کر سکیں۔

خاص	خواہش قلبی	فرض منصبی	آثارِ قدیمہ	جہانِ نو	نشانِ خیر
الفاظ	بحث و تحقیق	باز نطینی	شعفیہ	شہ تحسین	برشکال

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اردو میں انشائے لطیف کی روایت سے آگاہ کریں۔



محکم دلائل سے مزین

محمد حسین آزاد اور ابوالکلام آزاد کی ایک ایک نمائندہ تصنیف کا نام بتائیں۔

مینارِ قرارِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر کی نشست تھی، میز کے ارد گرد تمام اراکین جمع تھے، میں آج ان میں پہلی بار شامل ہوا تھا۔ کارروائی کی پہلی شیق غور کے لیے پیش ہوئی۔ میرا ذہن اُس وقت برنارڈ شا کے اِس مقولے پر غور کرنے میں مصروف تھا کہ وہ مقام جہاں خواہشِ قلبی اور فرضِ منصبی کی حدیں مل جائیں اُسے خوش بختی کہتے ہیں۔ میں بہ لحاظ عہدہ، اِس مجلس کی صدارت کر رہا ہوں مگر عہدے کو ایک عہدہ وفا کا لحاظ بھی تو لازم ہے۔ میرے عہدے کا تعلق تعمیر سے ہے، میرے عہدہ کا تعلق تحریک سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اِسے سنگ و خشت کے بجائے جہانِ نو کی تعمیر اور افکارِ نو کی تعبیر سمجھا۔ میں نے اِس مینار کو بالفاظِ اقبال، جلوہ گہر جبرئیل جانا۔

مینار کی تعمیر کے ابتدائی دنوں میں جب میرا، اُس کی تعمیر سے کوئی سرکاری تعلق نہ تھا میں محض تعلقِ خاطر کے واسطے سے وہاں جا پہنچا۔

بنیادیں بھری جا چکی تھیں، باغ میں ہر طرف لمبے پھیلا ہوا تھا، مینار بلندی کی طرف مائل تھا، روکار بانسوں کی ہڈ میں یوں چھپی ہوئی تھی کہ عمارت تو نظر نہ آئی مگر اردو شاعری میں چلن کا مقام مجھ پر واضح ہو گیا۔ نزدیک جانا چاہا تو چوکی دار نے سختی سے روک دیا۔ یہ تو اس چوکی دار کا ہم سر نکلا جسے مولوی عبدالحق نے وائسرائے کو نوک دینے پر آثارِ قدیمہ سے نکال کر چند ہم عصروں میں شامل کر لیا تھا۔ اب کہاں روز روز عبدالحق پیدا ہوں گے اور کسے فرصت ہوگی کہ عصرِ نوک کے لمبے میں عزتِ نفس کی تلاش کرے اور ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات پر مضمون لکھا کرے۔ میں نے چوکی دار سے پوچھا: یہ کیا بن رہا ہے؟ کہنے لگا: یادگار بن رہی ہے۔ آج جب کارروائی کے لیے پہلا مسئلہ پیش ہوا تو میں نے کہا اسے ملتوی کیجیے تاکہ ایک اور ضروری بات پر بحث ہو سکے۔ میز پر لغات کا ذخیرہ لگ گیا۔ سب متفق ہوئے کہ یادگار وہ نشانِ خیر ہے جو مرنے کے بعد باقی رہے۔ جب یادگار کا عام تصور، موت اور فنا کے تصور سے جدا نہ پایا تو منصوبے سے یادگار کا لفظ خارج کر دیا۔ میز صاف کی گئی، لغات کی جگہ مینارِ قرارِ دادِ پاکستان کے نقشے پھیلائے گئے۔ جو تھوڑی بہت جگہ فوج گئی اس میں چائے کی پیالیاں سجائی گئیں۔ چائے شروع ہوئی تو بات بہت دُور جا نکلی۔

کہتے ہیں جب اہرام مصر کا معمار موقع پر پہنچا تو اس نے صحرائی وسعت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ عمارت بلند ہونی چاہیے۔ پھر اس نے بھر بھری اور نرم ریت کو محسوس کیا اور سوچا کہ اس عمارت کو سنگلاخ بھی ہونا چاہیے۔ جب دھوپ میں ریت کے ذرے چمکنے لگے تو اسے خیال آیا کہ اس کی عمارت شعاعوں کو منعکس کرنے کے بہ جائے اگر جذب کر لے تو کیا اچھا مقابل ہو گا۔ ہوا چلی تو اسے نیلیوں کے نصف دائرے بنتے بگڑتے نظر آئے اور اس نے اپنی عمارت کو نوک اور زاویے عطا کر دیے۔ اتنے فیصلے کرنے کے بعد بھی اُسے طمأنینہ حاصل نہ ہوئی تو اس نے طے کیا کہ زندگی تو ایک قلیل اور مختصر وقفہ ہے وہ کیوں نہ موت کو ایک جلیل اور پائے دار مکان بنادے۔ اب جو یہ مکان بنا تو لوگوں نے دیکھا کہ عجائبِ عالم کی فہرست میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اہرام کے معمار کو اگر اقبال پارک میں لاکھڑا کرتے تو اسے نہ جانے کیا کچھ نظر آتا اور وہ اس عمارت کو نہ معلوم کیا شکل دیتا۔ اُس کی غیر حاضری میں ہمیں یہ طے کرنے میں بڑی مشکل پیش آئی کہ قرارِ دادِ پاکستان کو علامت اور عمارت کے طور پر کیا صورت دی جائے۔ باغ، جمیل، فوارے، مسجد، کتب خانہ، عجائب گھر، ہال، ہسپتال، دروازہ، درس گاہ یا مینار۔ فہرست کچھ اس قسم کی بنی تھی اور بحث و تمحیص کے بعد کامیابی کا سہرا مینار سجایا گیا۔ موقع و محل کی نسبت ہو یا صورت و ساخت کی نسبت؛ ماہرین کا متفق ہونا ممکن نہیں۔ اقبال پارک کے مشرق اور شمال میں وسعت اور ہریالی، مغرب میں ایک محلہ، کچھ جھگیاں اور گندہ نالا، جنوب میں قلعہ، گور دوارہ اور مسجد عالم گیری واقع ہے۔ سطحِ زمین سے دیکھا جائے تو تین سفید بیضوی، نوک دار گنبد اور چار بلند سرخ پہلو دار مینار اس قطعے پر حاوی ہیں۔ ذرا بلندی سے دیکھیں تو اندرونِ شہر، دریائے راوی اور جہاں گیر کے مقبرے کے چار مینار بھی اس منظر کا حصہ بن جاتے ہیں۔ آٹھ میناروں کے ہوتے ہوئے نویں مینار کا اضافہ کسی نے خُسن جانا اور کسی نے بد ذوقی۔ اس بات کو البتہ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ عمارت اپنی نسبت کی حیثیت سے منفرد ہے۔ دنیا میں کسی قرارِ داد کو منظور کرنے کی یاد اس طرح نہیں منائی گئی کہ جلسہ گاہ میں ایک مینار تعمیر کر دیا جائے۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ مینار کی ابتدائی صورت، دفاعی ضرورت کے تحت وجود میں آئی، پھر اس کی علامتی حیثیت قائم ہوئی۔ اس کے بعد یہ دین کا ستون بنا اور آخر کار نشانِ خیر کے طور پر بنایا جانے لگا۔ مینارِ قرارِ داد؛ ان ساری حیثیتوں پر محیط ہے۔ یہ نظریاتی دفاع کی ضرورت، تحریکِ آزادی کی علامت، دین کی سرفرازی کا گواہ اور ہماری تاریخ کا ایک نشانِ خیر ہے۔

دفاعی میناریوں تو میسوپوٹیمیا کی اختراع بتائے جاتے ہیں مگر ان کو سب سے زیادہ استعمال کرنے والے اہلِ روم اور بازنطینی تھے۔ اُن کے یہاں شہر کی فصیل سے لے کر ہر بڑی حویلی میں جاہِ جاہینار بنے ہوئے تھے۔ اُن دنوں دنیا کی آبادی مختصر اور جغرافیہ کا علم کم تر تھا۔ فنِ حرب کا درجہ بھی

پست تھا۔ حملہ آور گئے چنے اور اُن کے ہتھیار دیکھے بھالے تھے۔ لہذا دفاع کے لیے یہ کوتاہ قامت مینار ہی بہت کافی تھے۔ علم اور آبادی دونوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ فن حرب کا درجہ بھی بلند ہوتا چلا گیا۔ جنگوں کی تعداد اور شدت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جگہ جگہ مضبوط سے مضبوط تر اور بلند سے بلند تر مینار بننے لگے۔ آبنائے پاسورس، جنوبی فرانس اور وسط چین کی مشہور فصیلیں اور مینار اسی دور کی یادگار ہیں۔ دیوار چین میں، جو اب ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دکھانے کے آتی ہے، جاہ جادوئی مینار اور برج بنے ہوئے ہیں۔ چین گئے تو دیوار دیکھنے کی خواہش کا اظہار کی۔ دیوار بھی دیکھی اور اہل دیوار بھی۔ معلوم ہوا کہ جو کام پہلے دیواروں سے لیا جاتا تھا اب وہ دیوانوں سے لیتے ہیں۔ جہاں لوگ شانہ بہ شانہ، صف بہ صف ایک دوسرے سے پیوست ہو جائیں تو وہی سید سکندری ہے اور وہی سیدیاجوج۔ ایک دن ہم دیوار کی طرف روانہ ہوئے، سڑک میدان سے گزر کر پہاڑی سلسلے میں داخل ہو چکی تھی۔ دُور سے ایسا معلوم ہوا کہ جہاں پہاڑ اور افق ملتے ہیں وہاں کسی نے سیاہ پٹیل سے ایک مدہم سی لکیر لگا دی ہے۔ کچھ اور آگے گئے تو دُور تک سلسلہ کوہ سنجانی نظر آیا۔ نزدیک پہنچے تو یہ مدہم سی لکیر حیرت کدہ ہنر بن گئی اور جسے ہم نے سنجاف سمجھا تھا، وہ ایک سنگلاخ حقیقت نکلی۔ دیوار عمودوار ایک پہاڑی پر چڑھتی تھی اور چوٹی پر ایک دفاعی مینار بنا ہوا تھا۔ میں نے جیب سے پچاس یوآن کا نوٹ نکالا اور ساتھیوں سے کہا کہ یہ انعام مینار پر سب سے پہلے پہنچنے والے کو ملے گا۔ سبھی بھاگ پڑے اور میں نے جانا کہ یہ نوجوان بھی پس ماندہ ملکوں کی طرح زیر مبادلہ کی دوڑ میں شریک ہو گئے ہیں۔ ذرا سی دیر میں بھاگنے والوں کا دم پھول گیا اور ایک ایک کر کے فرش پر بیٹھ گئے۔ مینار اب بھی اتنا ہی دُور نظر آتا تھا اور اگر اس میں یہ خوبی نہ ہوتی تو اب تک دیوار چین میں کئی بار نقب لگ چکی ہوتی۔ یہ کام جو بڑے بڑے ملک نہ کر سکے، اُردو شاعری نے کر دکھایا، شعر ہے:

میرے شیون سے فقط قصر فریدوں نہ گرا
سید اسکندر ، اورنگ نشیں بیٹھ گئی

اب صرف حضرت ناظم کو جن کا یہ شعر ہے، کیوں قصور وار ٹھہرایئے۔ قصور ہے تو خود ہمارے مزاج کا۔ دیوار چین تو نہیں البتہ دیوار چین تو حضرت غالب نے بھی ڈھادی تھی، کہتے ہیں:

بر شکلِ مرغیِ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی مانندِ گل ، سو جا سے دیوارِ چین

دفاعی مینار پر چڑھنے کی جو حسرت دل کی دل میں رہ گئی تھی اُسے میں نے مغربی پاکستان کے قبائلی علاقے میں جا کر پورا کیا۔ میں نے ایک سردار کے یہاں کھانا کھایا اور مہمان کا حق آسائش استعمال کرتے ہوئے مٹی کے اُس مینار پر جا چڑھا جو حویلی کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ باہر سے تو اس کی لپائی کی ہوئی تھی مگر اندر سے مینار تاریک اور خستہ تھا۔ خاک ریز سے روشنی کی جو کرن اندر آتی تھی وہی ہمارا زینہ تھا۔ مینار کی شدہ نشیں میں ایک ٹوٹی کرسی اور چند کار توں پڑے ہوئے تھے۔ پاس ہی ایک ٹرانسٹرینج رہا تھا۔ میں نے کبھی ٹاٹ میں مٹل کا بیوند تو نہیں دیکھا مگر میسوپوٹیمیا کے دفاعی میناروں کی طرز کے ہزار ہا سال پرانے مٹی کے میناروں میں بیسویں صدی کا گاتا بجاتا بیوند لگا ہوا ضرور دیکھا۔ سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ کے طور پر بنائے جاتے ہیں اُن کے بالائی حصے رات کو روشن رہتے ہیں اس لیے انھیں ”روشن مینار“ کہتے ہیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ یہ مینار طوفانی علاقوں میں خطرناک چٹانوں پر بنائے جاتے ہیں اور ان میں رات کو روشنی کرنے والے کی زندگی جفاکشی اور تنہائی سے عبارت ہے۔ اگر طوفان آجائے تو دونوں تک اہل مینار کا تعلق دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ میں ایک ایسا ہی روشن مینار دیکھنے گیا۔ ہر چیز بدل چکی تھی۔ روشنی اب تیل سے نہیں بلکہ گیس اور بجلی سے کی جاتی

ہے۔ مینار والے کی نوکری تحفیف میں آچکی ہے۔ ان میناروں کو کسی رکھوالے کی ضرورت نہیں رہی۔ سب سارا ساحل شام کو بننے لگے کر دیتے ہیں اور صبح کو اوپر۔ آہستہ آہستہ پرانے بادہ کش اٹھتے جا رہے ہیں۔ ترقی نے انفرادی صفات کے اظہار کی کتنی ہی راہیں بند کر دی ہیں اور شجاعت زندگی کے کتنے ہی شعبوں میں غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔

میں نے ایک اور روشن مینار بھی دیکھا ہے۔ پہلے تو یہ میرے ذہن میں نقشے پر لگے ہوئے نقطے کی صورت میں محفوظ رہا اور پھر ایک دن آنکھیں جھپکیں تو وہ نقطہ مینار بن چکا تھا۔ ایشیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو سائبیریا سے لنکا تک خشکی نظر آتی ہے۔ لنکا کے جزیرے کی شکل نقطے میں دیکھا تو گمان گزرا جیسے قدرت کی آنکھوں سے خشکی کا آخری قطرہ ٹپک کر سمندر میں گر پڑا ہو۔ اس جزیرے کی جنوبی حد ہمارے نقشے میں زمین کی آخری حد تھی۔ اسکول کے طالب علم نے سوچا کہ خشکی کی اس حد آخر پر کھڑا ہو کر اگر یہ کہیں کہ ایشیا میرے قدموں میں سائبیریا تک پھیلا ہوا ہے تو یہ بات جغرافیہ کی زو سے درست اور تاریخ کی زو سے نادرست ہو گی۔ یہ خیال نہ جانے کب آیا اور کتنے سال لاشعور میں گم رہنے کے بعد ایک دن مسکراتا ہوا میرے سامنے آگیا۔ میں ایک بحری جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا۔ اعلان ہوا کہ اب ہم لنکا کے گرد گھومتے ہوئے جزیرے کی جنوبی حد کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ میری آنکھوں میں چمک آگئی، سامنے جزیرے کے آخری ساحل پر ایک روشن مینار دمک رہا تھا۔

(آواز دوست)

مختار مسعود (۱۹۲۶ء تا ۲۰۱۷ء)

مختار مسعود کی پیدائش سیال کوٹ میں ہوئی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کی۔ ان کی تاریخ پیدائش سے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ان کے والد معروف اقبال شناس اور معاشیات کے استاد شیخ عطاء اللہ کا تعلق ضلع کجرات کے علاقے جلال پور جٹاں سے تھا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں معاشیات مضمون کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ والد کے علمی کارناموں اور علامہ اقبال سے عقیدت کا اثر مختار مسعود پر بھی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ مختار مسعود اردو، اسلام، اقبال اور پاکستان سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد والد صاحب کے ساتھ پاکستان آئے اور مقابلے کا امتحان پاس کر کے سول سروسز میں مختلف عہدوں پر تعینات ہو کر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جس زمانے میں ”مینار پاکستان“ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا جا رہا تھا اس وقت مختار مسعود لاہور کے کمشنر تھے۔ مختار مسعود ہی نے اس کا نام ”یادگار پاکستان“ سے ”مینار پاکستان“ کر دیا تھا۔

مختار مسعود کی اہم تصانیف میں ”آواز دوست“، ”سفر نصیب“، ”لوح ایام“ اور ”حرف شوق“ شامل ہیں۔ مختار مسعود کے منفرد اسلوب میں ان کی زبان و بیان اور روزمرہ محاورے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نئی تلی نثر، نفاست سے تراشی ہوئی تراکیب، تہذیب و شائستگی میں رچی بسی جملہ آرائی اور تاریخ و ادب کے حوالے جات مختار مسعود کے اسلوب تحریر کو امتیازی حیثیت عطا کرتے ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں مختار مسعود کو حکومت پاکستان کی جانب سے ستارہ امتیاز کے اعزاز سے نوازا گیا۔

۱۔ درج ذیل عبارت کو پڑھ کر دیے گئے سوالات کے جواب لکھیں:

دفاعی مینار پر چڑھنے کی جو حسرت دل کی دل میں رہ گئی تھی اُسے میں نے مغربی پاکستان کے قبائلی علاقے میں جا کر پورا کیا۔ میں نے ایک سردار کے یہاں کھانا کھایا اور مہمان کا حق آسائش استعمال کرتے ہوئے مٹی کے اُس مینار پر جا چڑھا جو حویلی کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ باہر سے تو اس کی لپائی کی ہوئی تھی مگر اندر سے مینار تاریک اور خستہ تھا۔ خاک ریز سے روشنی کی جو کرن اندر آتی تھی وہی ہمارا زینہ تھا۔ مینار کی شہ نشین میں ایک ٹوٹی کرسی اور چند کار توں پڑے ہوئے تھے۔ پاس ہی ایک ٹرانسٹرینج رہا تھا۔ میں نے کبھی ٹاٹ میں مغل کا بیوند تو نہیں دیکھا مگر میسو پو میسیا کے دفاعی میناروں کی طرز کے ہزار ہا سال پرانے مٹی کے میناروں میں بیسویں صدی کا گانا بجاتا بیوند لگا ہوا ضرور دیکھا۔ سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ کے طور پر بنائے جاتے ہیں اُن کے بالائی حصے رات کو روشن رہتے ہیں اس لیے انھیں ”روشن مینار“ کہتے ہیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ یہ مینار طوفانی علاقوں میں خطرناک چٹانوں پر بنائے جاتے ہیں اور ان میں رات کو روشنی کرنے والے کی زندگی جفاکشی اور تنہائی سے عبارت ہے۔ اگر طوفان آجائے تو دونوں تک اہل مینار کا تعلق دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ میں ایک ایسا ہی روشن مینار دیکھنے گیا۔ ہر چیز بدل چکی تھی۔ روشنی اب تیل سے نہیں بلکہ گیس اور بجلی سے کی جاتی ہے۔ مینار والے کی نوکری تخفیف میں آچکی ہے۔ ان میناروں کو کسی رکھوالے کی ضرورت نہیں رہی سبک سارا ان ساحلِ شام کو بٹن نیچے کر دیتے ہیں اور صبح کو اوپر۔ آہستہ آہستہ پرانے بادہ کش اٹھتے جا رہے ہیں۔ ترقی نے انفرادی صفات کے اظہار کی کتنی ہی راہیں بند کر دی ہیں اور شجاعت زندگی کے کتنے ہی شعبوں میں غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔

سوالات:

الف۔ مصنف نے دفاعی مینار پر چڑھنے کی حسرت کہاں اور کیسے پوری کی؟

ب۔ مٹی کے مینار کی باہر اور اندر سے کیا حالت تھی؟

ج۔ سمندر کے کنارے بنے میناروں کو ”روشن مینار“ کیوں کہا جاتا ہے؟

د۔ روشن میناروں کے متعلق مصنف نے کیا سن رکھا تھا؟

ہ۔ مصنف کے مطابق اب روشن میناروں کی دنیا کس حد تک بدل چکی ہے؟

اظہارِ حسی، مجازی معانی:

لفظی معانی کے علاوہ کئی لفظوں کے مجازی معانی بھی ملتے ہیں اور انھیں لفظی معنوں کے بعد درج کیا جاتا ہے۔ مثلاً: بنیادی طور پر مجازی سے مراد کوئی بھی ایسی شے ہوتی ہے جو اپنی ماہیت اور روح میں تو اصل یا حقیقی جیسی ہو یا اُس سے قریب ہو مگر حقیقی نہ ہو۔ جیسے ایک انسان کے سائے کو ایک انسان کی ساخت سے تشبیہ دے دی جائے۔ تو یہ سایہ انسان کے لیے مجازی تصور ہو گا۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ اس کے سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا۔ یہاں لفظ ”سایہ“ اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے لغوی اور مجازی معنوں کے ساتھ ساتھ دیگر مفہیم میں اصطلاحی معانی بھی آتے ہیں۔ مثلاً: مطلع کے لغوی معانی ہیں، طلوع ہونے یا نکلنے کی کیفیت یا موسم کی کیفیت۔ لیکن اصطلاح میں غزل یا قصیدے کا پہلا شعر؛ جس کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ یا ہم قافیہ ہم ردیف ہوں۔

۲۔ طلبہ مجازی اور اصطلاحی محضر کی درج بالا وضاحت کو پیش نظر رکھ کر اپنا ذاتی نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے محنت گو کریں۔

۳۔ درج ذیل افسانوی اقتباس (ڈراما: دستک) اور غیر افسانوی اقتباس (مزاحیہ مضمون: سورے جو کل آنکھ میری کھلی) کو ان اسلوب اور بیان کے پیش نظر خاص مقاصد (تفہیم، تجزیہ، موازنہ وغیرہ) کے لیے پڑھیں۔ جہاں مشکل پیش آئے، اپنے استاد محترم / استانی صاحبہ سے رہ نمائی حاصل کریں:

(۱)

(ڈاکٹر زیدی کا کرا:

ڈاکٹر صاحب پٹنگ پر گاؤں کے سے فیک لگائے بیٹھے ہیں۔ عمر بچپن کے لگ بھگ، فرنج کٹ ڈاڑھی، چہرے پر

نقاہت نمایاں۔ اس وقت انھوں نے کبیل لپیٹ رکھا ہے۔ پٹنگ کے پاس چھوٹی میز پر مختلف شیشیاں۔

رات، طوفان، تیز و تند ہوا کا مستقل شور ہوتا رہتا ہے۔ بیگم زیدی آرام کرسی پر بیٹھی کسی رسالے کا مطالعہ

کر رہی ہیں۔ عمر بچپاس کے قریب، سردی کی وجہ سے شال اوڑھ رکھی ہے۔

ڈاکٹر زیدی کچھ سوچتے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں۔ یکایک اُن کی نظر سامنے دروازے پر جا پڑتی ہے جس پر

نیلے رنگ کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ بیگم انھیں دیکھتی ہیں اور پھر رسالے کی ورق گردانی کرنے لگتی ہیں۔ ڈاکٹر

صاحب کچھ کہتے ہیں مگر بہت آہستہ۔ صرف اُن کے ہونٹ حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر کبیل

اپنے جسم سے ہٹانے لگتے ہیں۔ بیگم کی نظر پڑتی ہے۔)

بیگم: کیا ہے زیدی؟

زیدی: دستک سنی؟

بیگم: دستک!!!

زیدی: سنی نہیں تم نے؟

(ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ رک جاتے ہیں)

بیگم: ہو تو سنوں بھی! کہاں ہے دستک؟

زیدی: کہاں ہے دستک؟ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ دیکھو تو جا کر۔ کوئی آیا ہے دروازے پر، کوئی کھٹکھٹا رہا ہے دروازہ!

بیگم: کوئی نہیں!

زیدی: صاف آواز آرہی ہے۔ نہیں جانا چاہتیں تو میں خود۔۔۔

(ڈاکٹر صاحب کبیل ہٹانے لگتے ہیں۔)

(بیگم رسالہ کرسی پر رکھ کر اٹھتی ہیں اور ان کی طرف آتی ہیں۔)

بیگم: کیا کر رہے ہیں آپ!

زیدی: دیکھتا ہوں دروازے پر کون ہے؟ تم تو جاتی ہی نہیں!!

بیگم: مہربانی کر کے بیٹھے رہیے، دروازے پر کوئی بھی نہیں۔

زیدی: تو یہ دستک؟

(بیگم ان کے گرد کھیل لپٹنے لگتی ہے)

بیگم: تیز ہوا کا شور ہے۔

زیدی: تیز ہوا دروازے پر دستک دیا کرتی ہے! تم جا کے دیکھو تو ذرا۔

بیگم: میں کہتی ہوں کوئی نہیں ہے۔ خواہ خواہ پریشان ہو رہے ہیں!

زیدی: ذرا سنو تو۔ صاف، بالکل صاف۔۔۔ دستک نہیں تو اور کیا ہے؟

بیگم: آپ کا وہم ہے!

زیدی: دیکھو اب زیادہ زور سے ہونے لگی ہے۔ یہ وہم ہے کیا؟

(پھر اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیگم ان کا ہاتھ پکڑ لیتی ہیں)

بیگم: خدا کے لیے لیٹے رہیے۔ آپ تو خود ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر ہو کر ایسی حرکتیں کر رہے ہیں، اپنی حالت کا ذرا خیال کریں۔

زیدی: تم ایک مرتبہ جا کر دیکھ نہیں آتیں۔

بیگم: میں جانتی ہوں دروازے پر کوئی نہیں۔ خیر دیکھ آتی ہوں۔

(یوں سر کو جنبش دیتی ہیں جیسے اس کام کو بے کار سمجھ رہی ہیں۔ دروازے کی طرف جاتی ہیں۔ زیدی انھیں ٹنگی ہاندھے دیکھتے رہتے ہیں۔)

بیگم پر دے کے پیچھے چلی جاتی ہیں دو تین لمحوں کے بعد پر دے سے باہر آتی ہیں۔)

(2)

گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپاشکر جی برہم چاری سے بر سبیل تہذکرہ کہ بیٹھے کہ: ”لالہ جی! امتحان کے دن قریب آتے جاتے ہیں، آپ سحر خیز ہیں ذرا ہمیں بھی جگادیا کیجیے۔“

وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے، نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔ دوسرے دن اٹھتے ہی انھوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مکا بازی شروع کر دی۔ کچھ دیر تک ہم سمجھے کہ عالم خواب ہے، ابھی سے کیا فکر؟ جاگیں گے تو لا حول پڑھ لیں گے لیکن یہ گولہ باری لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی گئی اور کمرے کی چوبی دیواریں لرزنے لگیں۔ صراحتی پر رکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کیلنڈر پنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بے داری کا قائل ہونا ہی پڑا مگر اب بھی دروازہ ہے کہ لگاتار کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا، میرے آباؤ اجداد کی روحیں اور میری قسمت خوابیدہ تک جاگ اٹھی۔ بہتیرا آوازیں دیتا ہوں: ”اچھا! اچھا! تھینک یو، جاگ گیا ہوں، بہت اچھا! نوازش ہے۔“ آں جناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدا یا! کس آفت کا سامنا ہے۔ یہ سوتے کو جگا رہے ہیں یا مردے کو جلا رہے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو بس واجبی طور پر ہلکی سی آوازیں ”نم“ کہہ دیا کرتے ہوں گے۔ زندہ ہو گیا تو ہو گیا نہیں تو چھوڑ دیا۔ کوئی مردے کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ جایا کرتے تھے؟ تو پیں تھوڑی دافا کرتے تھے۔ یہ تو ہم سے بھلا کیسے ہو سکتا تھا کہ اٹھ کر دروازے کی چٹختی کھول دیتے۔ پیش تر اس کے کہ باہر بستر سے نکلیں، دل کو جس قدر سمجھانا بھجانا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ کچھ اہل ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لیپ جلا یا اور ان کو باہر سے روشنی نظر آئی تو طوفان تھا۔

۴۔ میرامن دہلوی کی تحریر ”باغ و بہار“ کے حصے ”شروع قصے کا“ کے متن سے لیے گئے درج ذیل مانوس وغیرہ مانوس الفاظ و تراکیب، محاورات،

ضرب الامثال، مترادفات، مرکبات پر مشتمل فقرات کو سمجھ کر پڑھیں اور موقع کی مناسبت سے اپنی گفت گو میں بر محل ان کا استعمال کریں:

۔ ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔

۔ بھئی ارمان جی میں باقی ہے کہ میرا نام لیا اور پانی دیوا کوئی نہیں۔

۔ ایسے چہین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات، شبِ برات تھی۔

۔ کئی سلطان فعلِ بندی دیتے تھے۔

۔ بادشاہ دیکھ کر آبِ دیدہ ہوئے۔

۔ سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کوئی کام نہ تھا۔

۔ ایک نظر دیکھ کر قدم بوسی کروں تو خاطر جمع ہو۔

۔ زار بہ زار رونے اور دُبا پے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔

۔ وہ مثل ہے: ساری رات سوئے، اب صبح کو بھی نہ جاگیں۔

۔ جب دو پہر ہوئی، برخاست ہو کر اندرونِ محل داخل ہوئے، خاصہ نوشِ جاں فرما کر خوابِ گاہ میں آرام کیا۔

۔ جب تھوڑی شب باقی رہے، تب لوٹ پوٹ رہیں گے۔

۵۔ سعادت حسن منٹو کا معروف افسانہ ”نیا قانون“ بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے سیاسی حالات اور عوامی بے داری کی عکاسی کرتا ہے۔ درج ذیل اقتباس کو پڑھیں اور اُس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کا تجزیہ و تبصرہ کریں کہ کیا واقعی موجودہ دور میں حکمِ ران طبقہ عوام کے حقوق کے لیے صحیح معنوں میں عملی اقدامات کر رہا ہے یا پھر منگو کو چوان کی طرح محض عوام کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔ ان کی زندگی میں بدلنا کچھ نہیں ہے اور عوام کے سر پر اثرانیہ نے مسلط ہی رہنا ہے۔

ششدر و متحیر گورے نے ادھر ادھر سمٹ کر استاد منگو کے وزنی گھونسوں سے بچنے کی کوشش کی اور جب دیکھا کہ اس کے مخالف پر دیوانگی کی سی حالت طاری ہے اور اس کی آنکھوں میں سے شرارے برس رہے ہیں تو اس نے زور زور سے چلانا شروع کیا۔ اس کی چیخ پکار نے استاد منگو کی ہانپوں کا کام اور بھی تیز کر دیا۔ وہ گورے کو جی بھر کے پیٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ کہتا جاتا تھا: ”پہلی اپریل کو بھی وہی آکڑوں۔۔۔ پہلی اپریل کو بھی وہی آکڑوں۔۔۔ اب ہمارا راج ہے بچہ!“

لوگ جمع ہو گئے اور پولیس کے دو سپاہیوں نے بڑی مشکل سے گورے کو استاد منگو کی گرفت سے چھڑایا۔ استاد منگو ان دو سپاہیوں کے درمیان کھڑا تھا اس کی چوڑی چھاتی پھولی سانس کی وجہ سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ منٹو سے جھاگ بہ رہا تھا اور اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے حیرت زدہ مجمع کی طرف دیکھ کر وہ ہنپتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

”وہ دن گزر گئے جب ظلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔۔۔ اب نیا قانون ہے میاں۔۔۔ نیا قانون!“

اور بے چارہ گورا اپنے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ بے وقوفوں کی مانند کبھی استاد منگو کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی ہجوم کی طرف۔

استاد منگو کو پولیس کے سپاہی تھانے میں لے گئے۔ راستے میں اور تھانے کے اندر کمرے میں وہ ”نیا قانون، نیا قانون“ چلاتا ہاں مگر کسی نے ایک نہ سنی۔

”نیا قانون، نیا قانون۔ کیا بک رہے ہو۔۔۔ قانون وہی ہے پرانا!!“ اور اس کو حوالات میں بند کر دیا گیا!

اُردو نثر میں مضمون کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کسی موضوع پر اپنے افکار و خیالات اور جذبات کو مربوط اور مدلل انداز میں لکھنا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ مضمون لکھتے وقت کچھ اصول و ضوابط کا خیال رکھنا پڑتا ہے جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے علمی، ادبی، سیاسی، مذہبی، سنجیدہ یا مزاحیہ موضوعات کو احاطہ تحریر میں لایا جاسکتا ہے۔ مضمون تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(i) تمہید یا تعارف (ii) اصل مضمون / نفس مضمون / متن (iii) اختتام یا ذاتی رائے

مضمون کئی زاویوں اور انداز سے لکھا جاسکتا ہے۔ دلیل والا مضمون؛ تحقیقاتی مواد، اعداد و شمار اور مضمون نگار کی ذاتی رائے پر مشتمل ہوگا۔ بڑے پیمانے پر کی گئی تحقیقات پر مشتمل اس مضمون کی زبان سیدھی سادی زبان استعمال ہوتی ہے۔ وضاحتی مضمون میں کسی موضوع پر وضاحت کے ساتھ غیر جانب داری کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ وضاحتی مضمون کا مقصد کسی موضوع پر رائے بنائے بغیر اس کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ کسی خاص شعبے میں مضمون نگار کی مہارت کا اظہار ہوتا ہے۔

موازنہ اور تضاد مضمون دو پہلوؤں پر بحث کرتا ہے، مماثلت اور فرق کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اس مضمون میں ایک پیرا گراف مماثلت اور ایک پیرا گراف اختلاف پر بحث کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔ وجہ اور اثر مضمون میں بتایا جاتا ہے کہ چیزیں اس طرح کیوں ہیں؛ وہ کیسے وقوع پذیر ہوئیں؛ اور آگے کیا ہوگا۔ اس قسم کا مضمون لکھتے وقت واقعات کے دو مجموعوں کے درمیان ایک منطقی تعلق پیدا کیا جاتا ہے۔

بیانیہ مضمون ایک کہانی بتاتا ہے اور عمومی طور پر ذاتی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہ مضمون باہمی تجربے کو پھیلانے کے لیے رقم کیا جاتا ہے۔ اس مضمون نے مختلف قسم کے چیلنجز کی کوج لگانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وضاحتی مضمون ایک مختصر قسم کا مضمون ہوتا ہے اور عام طور پر ایک صفحے کو محیط ہوتا ہے۔ جہاں ادب، کتاب، ناول، افسانے، ڈرامے یا شاعری کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جب کہ تفصیلی مضمون میں کسی بھی موضوع پر حتی المقدور تمام تفصیلات لکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان تفصیلات کو مختلف پیرا گرافوں میں ایک مربوط انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔ بجٹی مضمون میں مضمون نگار اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ موضوع کے دو مقامات، پہلوؤں اور زاویوں سے آگاہ ہے۔

۱۔ مضمون نویسی کے مختلف انداز تحریر کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل موضوعات کو قلم بند کریں:

الف۔ موسمیاتی ماحولیاتی تبدیلیاں

ب۔ آئین پاکستان اور حقوق انسانی

ج۔ بین المذاہب ہم آہنگی

د۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی



انٹرنیٹ کو استعمال کرتے ہوئے دنیا کے پانچ معروف میناروں کی تصاویر ڈاؤن لوڈ کریں۔ ہر مینار کا پانچ پانچ سطروں میں مختصر تعارف لکھ کر جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے پیش کریں۔



یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- نظم و نثر کو قلم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- مختلف تحریری سرگرمیوں میں الفاظ کی درست املا کا خیال رکھتے ہوئے تحریری کام پر نظر ثانی اور ادارت (پروف ریڈنگ) کر سکیں۔
- مختلف مقاصد کے لیے مرتب کردہ دفتری اور عدالتی مواد (مختلف فارم، رجسٹری برائے کرایہ، تقرر نامے، ملازمت کی درخواست، نکاح نامہ، عرضی، عدالتی حکم نامے، ضمانتی پچھلے وغیرہ) پر مبنی متن پڑھ سکیں اور اس کے مقصد تحریر کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۱۳۵ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔
- افسانوی اور غیر افسانوی اقتباس کو اس کے اسلوب اور بیان کے پیش نظر خاص مقاصد (تفہیم / تجزیہ / موازنہ) کے لیے پڑھ سکیں۔
- منتخب اقتباسات (انگریزی سے اردو) کے اصل معانی و مفہوم اور مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے تراجم کر سکیں۔

خاص	رواداری	اہل مغرب	سُفر والحاد	غلبہ	قید و بند
الفاظ	فروع	نفاق	رانج	مستحکم	مقاہمت

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو نظریہ پاکستان کی اہمیت کے بارے میں بتائیں اور پاکستان کے تمام صوبوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ان کی رہنمائی کریں۔



- تحریک پاکستان میں شامل چند شخصیات کے نام بتائیں۔
- نظریہ کے کچھ ہیں؟

مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کو اپنا شیوہ بنایا ہے لیکن جب کفر والحاد اپنا غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلمان اس کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر رائج ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خود اس کے دینی معاملات میں بھی ختم ہو گئی تھی۔ چنانچہ اکبر کے آخری دور میں اسلام کی سر بلندی کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کھڑے ہوئے۔ آپؒ نے جہاں گیر کے زمانے میں محض دین کی خاطر قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور اسلامی قدروں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ اس کے اثر سے شاہ جہاں اور اس کے بعد اس کا بیٹا اور ننگ زیب، دین کا خادم بنا، لیکن اور ننگ زیب کے بعد ہی اس کے بیٹوں کے باہمی نفاق اور کم زوری کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ مرہٹوں اور ہندوؤں کے کئی گروہوں نے سر اٹھایا۔ انگریزوں نے اپنے قدم جمائے اور ملک میں انتشار پھیل گیا؛ لیکن ایسے گئے گزرے حالات میں بھی قوم کو فروغ دینے اور اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے کوششیں جاری رہیں۔ چنانچہ میسور کے سلطان حیدر علی

اور اس کے بیٹے سلطان ٹیپو نے نہ صرف ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا؛ بلکہ افغانستان، ترکی اور پھر فرانس کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہیں دیا اور انھیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحب زادوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کی تحریک شروع کی پھر ان کے پوتے شاہ اسماعیل نے اپنے مرشد سید احمد بریلوی کے ساتھ اسلامی اصولوں کو دوبارہ رائج کرنے اور ملک کو غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش میں ۱۸۳۱ء میں اپنی جانیں قربان کر دیں تاہم انھوں نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے پھر اپنے قدم جمائے کی کوشش کی لیکن انگریزی اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔ اس لیے انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ اس زمانے میں سرسید نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو نصیحت جانا اور مسلمان قوم کی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح پر توجہ دی اور ان کے دلوں سے احساس کمتری کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔

۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور ظاہر یہ کیا کہ وہ ملک کی تمام قوموں کو ان کے حقوق دلوائیں گے لیکن بعد میں پتا چلا کہ وہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو ان کے کاروبار سے بھی محروم کرنے کی کوشش کی اور وہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قابض ہو گئے۔ نیز انھوں نے مسلمانوں کی مشترکہ زبان اردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کر دیا۔ سرسید نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی اس کانگریس اور ان کی سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور ان کے ایک دوست مولانا محمد قاسم نے دیوبند میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ پھر سرسید کے ایک رفیق نواب وقار الملک نے ۱۹۰۶ء میں کل ہند مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی ایک الگ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم ڈھاکے میں قائم ہوئی تھی جہاں ہندوؤں نے سازش کر کے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مشرقی بنگال اور آسام کا وہ صوبہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی ختم کر دیا اور ۱۹۱۱ء میں اسی علاقے کو پھر بنگال میں شامل کر دیا۔

اسی زمانے میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی، جس میں انگریز کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمان چونکہ ترکی کے سلطان کو حجاز کی خدمت کرنے کی وجہ سے خلیفہ اسلام سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے مالی اور طبقاتی امداد بھی بہم پہنچائی جس کی وجہ سے حکومت برطانیہ کو مسلمانوں سے عناد پیدا ہو گیا لیکن انھوں نے یہاں کے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا کہ ہمیں اس جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی تو ہم کسی طرح بھی ترکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ وعدہ محض فریب تھا۔ چنانچہ جب انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر گئے اور انھوں نے ترکی کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یہاں کے مسلمانوں کو فریب کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچی اور انھوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علیؒ کی رہنمائی میں تحریک خلافت شروع کی۔ لیکن اسی زمانے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے شدھی کی تحریک شروع کی اور ان کو ختم کرنے کے لیے سنگٹھن کی تحریک بھی شروع کی پھر ۱۹۳۸ء میں کانگریس نے جو نہرو رپورٹ شائع کی۔ اس میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ نمائندگی کا اصول جو وہ بارہ سال پہلے تسلیم کر چکی تھی، بالکل نظر انداز کر دیا۔ پھر تو مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا اور انھیں یقین ہو گیا کہ چونکہ ان کا دین، ان کی تہذیب اور ان کی معاشرت سب کچھ غیر مسلموں سے مختلف ہے، اس لیے کسی حالت میں ہندوؤں سے تعاون نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے الہ آباد والے اجلاس میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز پیش کی۔ چار سال کے بعد جب قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ مستقل طور پر قبول کیا تو انھوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر کار ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو انھوں نے لاہور کے اجلاس میں واضح طور پر اعلان کر دیا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی

اکثریت ہے وہاں ایک آزاد مسلم ریاست قائم کی جائے۔ اس اعلان کو ”قرار داد پاکستان“ کہتے ہیں؛ جس کی رو سے مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک وہ جو مغربی مفکرین نے قائم ہے، دوسری وہ جو رسول مقبول ﷺ کی قائم کی ہوئی ہے۔ اہل مغرب نے خاندانی، نسلی اور قبائلی بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس نظریے کی وجہ سے دنیا کے انسانوں کے درمیان تباہی کا جو دروازہ کھلا وہ دو عالمی جنگوں کے ہونے سے بخوبی ظاہر ہے۔ یہ وطنی قومیت ہی کی بنیاد پر لڑی گئی تھیں اور یہ وطنی قومیت جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو تحفظ دینے میں تو بالکل ہی ناکام تھی کیوں کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان اس نظریے کے تحت ایک مجبور اقلیت بن جاتے۔

قومیت کی دوسری بنیاد وہ ہے جو رسول مقبول ﷺ نے ملت اسلامیہ کی تشکیل کرتے وقت قائم فرمائی اور جو مغرب کی تصور قومیت سے جدا ہے، جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ﷺ ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا الہ الا اللہ پر قائم ہے، یعنی یہ کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی خطوں کے لوگ شامل تھے، ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر رہنا منظور نہ تھا جو اسلامی قومیت کے برعکس ذات پات، چھوت چھات اور بت پرستی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی جداگانہ قومیت یعنی اسلامی قومیت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک جدا وطن کا مطالبہ کیا جس میں وہ اپنے عقیدے، اپنے نظریہ زندگی، اپنے طرزِ معاشرت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے دورِ جدید کے چیلنج کا مقابلہ کر کے اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

ہمیں اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نظریہ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدروں کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اخوت، مساوات، عدل، دیانت، انسانی ہم دردی اور عظمتِ کردار کے بغیر نظریہ پاکستان کو فروغ نہیں ہو سکتا۔ نظریہ پاکستان کا مقصد محض ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیوں کہ مسلمانوں کی جگو متیں ایشیا اور افریقہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریہ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی ترویج و اشاعت اور اہل عالم کے لیے مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔

پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو بہت ناگوار گزرا۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ یہ مملکت قائم نہ ہونے پائے۔ ان کے پاس دولت اور طاقت تھی۔ جنوبی ایشیا میں ان کی اکثریت تھی لیکن چونکہ قیام پاکستان کا مطالبہ حق اور انصاف پر مبنی تھا اس لیے حکومتِ برطانیہ کو مجبور ہونا پڑا اور قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی پُر خلوص قیادت، مسلمانوں کے یقین، اتحاد اور عملِ پیہم کی وجہ سے ۱۴/۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک بڑی ترقی کی ہے اور اس کا شمار دنیا کے اہم ملکوں میں ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اور زیادہ ترقی کرے اور ہمیشہ ترقی کرے تو ہمیں نظریہ پاکستان کو ہر وقت پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ اس کی بدولت ہم پاکستان کو زیادہ مستحکم اور شاندار بنا سکتے ہیں۔

نظریہ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا ہے۔ ہمیں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے جس کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ ہمارا جینا اور مرنا پاکستان کے لیے ہونا چاہیے۔ قومی مفاد کے سامنے ذاتی مفاد کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ ہر قسم کی گروہ بندی سے بالاتر ہو کر تمام پاکستانیوں کی فلاح و بہبود کی کوشش کرنا نظریہ پاکستان کو فروغ دینا ہے۔ اگر ہم نے نظریہ پاکستان کو پیش نظر رکھا اور اپنی سیرت اور کردار کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تو دنیا کی دوسری قوموں میں بھی ہمیں امتیاز حاصل ہو گا اور ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں پاکستان کو توانا، مستحکم، شاندار اور پُر عظمت بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوں گے۔ ان شاء اللہ

(گلشن وحدت)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (۱۹۱۲ء-۲۰۰۳ء)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، جبل پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام گلاب خان تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ۱۹۱۷ء میں پہلے چھپچھپا اسکول محلہ کلنٹی اور پھر دلہائی محلہ جبل پور کے اسکول میں تعلیم پائی۔ ایم۔ اے۔ اور کالج علی گڑھ سے میٹرک اور انٹر میڈیٹ کے امتحانات پاس کیے۔ انھوں نے فارسی اور اردو میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۳۶ء میں ایل ایل بی اور ۱۹۳۷ء میں ”سید حسن غزنوی“ کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں کنگ ایڈورڈ کالج امرتوتی میں اردو کے استاد مقرر ہوئے جہاں تقریباً گیارہ برس تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ ۱۹۵۰ء میں اردو کالج کراچی میں صدر شعبہ اردو مقرر ہوئے اور پچیس برس تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۵۹ء میں انھیں ناگ پور یونیورسٹی، بھارت نے ڈی لٹ کی ڈگری دی۔ اُس کے بعد سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد میں رہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اپنے علمی اور تحقیقی کام کی بدولت ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ انھوں نے بڑی تعداد میں تصنیفات، تالیفات اور تراجم یادگار چھوڑے ہیں۔ ان کی اہم کتابوں میں ”سید خجہرام شاہ غزنوی“، ”بہ زبان انگریزی“، ”چند فارسی شعرا“، ”فارسی پر اردو کا اثر“، ”مکتوبات شاہ احمد سعید دہلوی“، ”حالی کا ذہنی ارتقا“، ”علی نقوش“، ”تحقیقی مقالات کا مجموعہ“، ”سندھی۔ اردو لغت“، ”مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی“ اور ”قبل اور قرآن“ شامل ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا انداز بیان علمی اور محققانہ ہے۔ انھوں نے ادب کے سنجیدہ موضوعات پر قلم اٹھایا اور مدلل انداز میں علمی نکات کی وضاحت کی۔



۱۔ درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

(i) سبق ”نظریہ پاکستان“ کے مصنف کا نام ہے؟

الف: ڈاکٹر عبادت بریلوی ب: ڈاکٹر غلام فرید حسینی

(ii) مسلمانوں نے ہمیشہ اپنا شیوہ بنایا؟

الف: تعلق داری کو

ب: رشتہ داری کو

ج: رواداری کو

د: قربت داری کو

د: ڈاکٹر حمید الفت بلخانی

ج: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ

(iii) ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی:

د: ۱۸۵۸ء میں

ج: ۱۸۵۷ء میں

ب: ۱۸۵۶ء میں

الف: ۱۸۵۵ء میں

(iv) مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کی رہنمائی میں شروع ہوئی:

د: تحریکِ نجات

ج: تحریکِ ریشمی رومال

ب: تحریکِ آزادی

الف: تحریکِ خلافت

(v) پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ بہت ناگوار گزرا:

د: افریقیوں کو

ج: انگریزوں کو

ب: سکھوں کو

الف: ہندوؤں کو

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

۱۔ نظریہ پاکستان سے کیا مراد ہے؟

ب۔ مسلمانوں کو اپنی آزادی ختم ہوتی کیوں نظر آئی؟

ج۔ مصنف کی رائے میں نیچر سلطان کی ناکامی کی وجہ کیا تھی؟

د۔ سبق کے مطابق آپ پاکستان بننے میں علامہ اقبال کا کیا کردار دیکھتے ہیں؟

۵۔ اہل مغرب اور مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کا بنیادی فرق کیا ہے؟

۳۔ درج ذیل غیر افسانوی اقتباس کو پڑھ کر اس کے اسلوب اور بیان کے پیش نظر اس کی تفہیم کریں:

”مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا الہ الا اللہ پر قائم ہے، یعنی یہ کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے

ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ

اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی

خطوں کے لوگ شامل تھے، ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر رہنا منظور نہ تھا جو اسلامی قومیت کے برعکس ذات پات، چھوت چھات اور بت پرستی

کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی جدوگانہ قومیت یعنی اسلامی قومیت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک بہادری کا مطالبہ کیا جس میں وہ

اپنے عقیدے، اپنے نظریہ زندگی، اپنے طرز معاشرت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے دورِ جدید کے چیلنج کا مقابلہ کر کے

اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔“

۴۔ مختلف مقاصد کے لیے مرتب دفتری اور عدالتی مواد (مختلف فارم، رجسٹری کرایہ، تقرر نامے، ملازمت کی درخواست، نکاح نامہ، عرضی، عدالتی حکم نامہ) کے مقاصد سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔ اس کی مشق کے لیے مثال دی جا رہی ہے۔ اس مثال کو مد نظر رکھتے ہوئے رجسٹری کرایہ مرتب کریں۔



۵۔ سبق ”نظریہ پاکستان“ کے اہم نکات کا خلاصہ تحریر کریں۔
۶۔ درج ذیل عبارت کو درست املا کا خیال رکھتے ہوئے نظر ثانی (پروف ریڈنگ) کریں اور غلط الفاظ کی املا درست کریں۔
”ہمیں اس بات تو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نظریہ پاکستان میں اسلامی زندگی اور کدروں کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اخوت، مساوات، اول، دیانت، انسانی ہمدردی اور عظمتِ قردار کے بغیر نظریہ پاکستان کو فروغ نہیں ہو سکتا۔ نظریہ

پاکستان کا کھد مٹا ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیوں کہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیا اور افریکہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریہ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی طرح ویتج و اشاعت اور اعلیٰ عالم کے لیے مسالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔“

۷۔ طلبہ، سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ”ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ“ کے عنوان سے اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھیں اور صبح کی اسمبلی میں سنائیں۔

۸۔ درج ذیل اقتباس کے اصل معانی و مفہوم اور مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے اردو میں ترجمہ کریں:

Today, Muslim women all around the world are starting their own businesses. As female entrepreneurship grows, it's important to appreciate the achievements of our own community in business ownership, financial independence and beyond. We see women entrepreneurs develop a sustainable income from another source where they can help their family and their community. We should encourage our females in their efforts to start their own business even if their business starts small or experiences failures because they are still lifting themselves and family financially.



طلبہ انٹرنیٹ کے ذریعے تشکیل پاکستان میں حصہ لینے والی شخصیات (مرد و خواتین) کے تعارف پر مبنی نوٹس تیار کریں اور جماعت کے کمرے میں تبادلاً خیال کریں۔



حصہ نظم





اس نظم کی مدد سے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تخلیق، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- منظوم اور منثور کلام سے متعلق اشعار اور اہم نکات سن کر ان کے فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے رائے دے سکیں۔
- طویل کلام کو اپنے مافضے سے دیگر مثالوں کے ساتھ موازنہ کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر سوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظم پر لحاظ مونسو (مد، نعت، قی، قوی، فہم، قصیدہ، نثر، دوام، مبالغہ، منقبت، مرثیہ، مثنوی) کی شناخت کر سکیں۔
- مترادف الفاظ کو شناخت کرتے ہوئے تحریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص	رواق	ضد	حریم	مقدّر	میزاب رحمت
الفاظ	منظر	خطائیں	إتجاہیں	سنگ اسود	صفا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو حمدیہ اشعار کے بارے میں بتائیں اور انھیں حمدیہ اشعار ترنم کے ساتھ پڑھنے میں ان کی رہنمائی کریں۔
- خصوصی معلومات: ”میزاب رحمت“ خانہ کعبہ کی چھت پر لگا ہوا نالہ جس سے بارش کا پانی کعبے کی چھت سے حلیم میں گرتا ہے۔ یہ پرنالہ سونے کا بنا ہوا ہے۔ اس پرنالے کا پانی باعث رحمت تصور کیا جاتا ہے اس لیے اس پرنالے کو عربی میں ”میزاب رحمت“ کہتے ہیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو یہ سبق پڑھنے پر مجبور نہ کیا جائے۔



- اللہ اکبر کے کیا معنی ہیں؟
- کوئی صاحب یہ شعر بتائیں۔



کعبے کی رونق کعبے کا منظر، اللہ اکبر اللہ اکبر
دیکھوں تو دیکھے جاؤں برابر، اللہ اکبر اللہ اکبر

تجہ خدا سے تر ہیں زبانیں، کانوں میں رس گھولتی ہیں لڑائیں
بس اک صدا آ رہی ہے برابر، اللہ اکبر اللہ اکبر

تیرے حرم کی کیا بات مولیٰ، تیرے کرم کی کیا بات مولیٰ
تا عمر لکھ دے آنا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

مانگی ہیں میں نے جتنی دعائیں، منظور ہوں گی، مقبول ہوں گی
میزابِ رحمت ہے میرے سر پر، اللہ اکبر اللہ اکبر

حیرت سے خود کو کبھی دیکھتا ہوں، اور دیکھتا ہوں کبھی میں حرم کو
کہ ایا کہاں مجھ کو میرا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

یاد آئیں جب اپنی خطائیں، انگلیوں میں ڈھلنے لگیں التجائیں
رویا غافل کعبہ یکر، اللہ اکبر اللہ اکبر

بھیجا ہے جنت سے تجھ کو خدا نے، چوما ہے تجھ کو میرے مصطفیٰ نے
اے سلبِ اسود تیرا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

دیکھا صفا اور مرہ بھی دیکھا، رب کے کرم کا جلوہ بھی دیکھا
دیکھا ماں اک سرہوں کا سمندر، اللہ اکبر اللہ اکبر

مولیٰ صبیح اور کیا چاہتا ہے، بس مغفرت کی، عطا چاہتا ہے
بخشش کے طالب پہ اپنا کرم کر، اللہ اکبر اللہ اکبر

(کلیات صبیح رحمانی)

سید صبیح الدین رحمانی (۱۹۶۵ء)

معروف نعت خواں، نعت شاعر اور نقیہ ادب کے محقق و نقاد سید صبیح الدین رحمانی ۲۷ جنوری ۱۹۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نقیہ ادب کے جریدہ "نعت رنگ" کے مدیر اور نعت ریزی سینیٹ کے بانی و سربراہ ہیں۔ خدمتِ پاکستان نے شعبہ نعت میں آپ کی خدمات کے صلے میں تمغائے امتیاز سے نوازا۔ "کلیات صبیح رحمانی" کے نام سے آپ کی نقیہ شاعری کی تمغیت، شائع ہو چکی ہے۔ آپ کی لکھی ہوئی نقیہ مجموعے "جلوہ رحمت" اور "سرکار کے قدموں میں" نامیاتیہ (Jada e Rehmat) اور (Reverence Unto His Feet) کے نام سے ترجمہ ہو چکے ہیں۔

۱۔ حمد کے مطابق درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

(i) خانہ کعبہ کو دیکھ کر بے اختیار زبان پر آتا ہے:

الف: پہلا کلمہ ب: دوسرا کلمہ ج: تیسرا کلمہ د: اللہ اکبر اللہ اکبر

(ii) شاعر اللہ تعالیٰ سے اپنے مقدر میں کیا لکھوانا چاہتا ہے؟

الف: جنت ب: نیکی ج: خوش بختی د: تمام عمر خانہ کعبہ کی حاضری

(iii) حمد کے تیسرے شعر میں شاعر اپنے آپ کو دیکھتا ہے:

الف: خوشی سے ب: حیرت سے ج: رشک سے د: عاجزی سے

(iv) حمد کے کون سے شعر میں دو مبارک پہاڑیوں کا ذکر ہوا ہے؟

الف: چوتھے ب: پانچویں ج: چھٹے د: ساتویں

(v) حمد کے آخری شعر کے مطابق شاعر طالب ہے:

الف: نعمتوں کا ب: بخشش کا ج: نیکی کا د: جنت کا

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

الف۔ اردو ادب میں حمد اور نعت میں کیا فرق ہوتا ہے؟

ب۔ ”میزابِ رحمت“ کی وضاحت کریں۔

ج۔ شاعر نے حمد میں کون کون سی ”تلمیح“ استعمال کی ہے؟ نشان دیں کریں۔

د۔ حمد میں ”حجرِ اسود“ کے بارے میں کیا معلومات دی گئی ہیں؟

اصنافِ شعری:

حمد:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی واحدیت، یکتائی اور صفات کا ذکر ہو۔

نعت:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں جناب رسالت مآب ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ ہو۔

منقبت:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں صحابہ کرام، بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی خدمات اور اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہو۔

۳۔ درج ذیل نظریہ اشعار کو غور سے پڑھیں اور اصنافِ نظم (حمر، نعت، منقبت) کی شناخت کریں:

(۱)

کیوں نہ ہو رتبہ بڑا، اصحاب و اہل بیت کا
مصطفیٰ منہجہ ان کے خدا، اصحاب و اہل بیت کا
فضل رب سے دو جہاں میں کام یابی پائے گا
دل سے جو شیدا ہوا، اصحاب و اہل بیت کا
(مولانا الیاس قادری)

(۲)

شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبلِ جبل
رنگِ جمال کس کا جما ہے افقِ افق
مکتوم کس کی موجِ کرم ہے صدفِ صدف
مرفوم کس کا حرفِ وفا ہے افقِ افق
(حافظِ تائب)

(۳)

اے رسولِ امیں ﷺ خاتمِ المرسلین ﷺ، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا با صدق و یقین، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسین، اے ابد کے حسین، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

۴۔ درج ذیل نظریہ کلام پر حوالوں کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے تبصرہ کریں:

تیرے حرم کی کیا بات مولیٰ، تیرے کرم کی کیا بات مولیٰ
تا عمر لکھ دے آنا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

مانگی ہیں میں نے جتنی دعائیں، منظور ہوں گی مقبول ہوں گی
میزابِ رحمت ہے میرے سر پر، اللہ اکبر اللہ اکبر

حیرت سے خود کو کبھی دیکھتا ہوں، اور دیکھتا ہوں، کبھی میں حرم کو
کہ لایا کہاں مجھ کو میرا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

۵۔ شامل نصاب حمدیہ کلام کو اپنے حافظے سے درج ذیل حمدیہ کلام کی مثالوں کے ساتھ ادا کریں۔

الف۔ کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آ رہا ہے، وہی خدا ہے
تلاش اس کو نہ کرتوں میں، وہ ہے بدلتی ہوئی رتوں میں
جو دن کو رات اور رات کو دن بنا رہا ہے، وہی خدا ہے
(منظوم وارثی)

ب۔ کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعبِ بتال تیرا
(الطاف حسین حالی)

۶۔ حمدیہ کعبے کی رہنمائی کعبے کا منظر کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

مترادف الفاظ: ہم معنی الفاظ کو مترادف الفاظ کہا جاتا ہے جیسے: سورج۔ آفتاب، مسرت۔ خوشی
۷۔ درج ذیل مترادف الفاظ کے جوڑوں کی شناخت کرتے ہوئے جملوں میں استعمال کریں:

ممت	ذات	قیادت	ذہین	رام نمائی
سیائی	مشقت	عقل مند	صداقت	رسوائی

۸۔ شامل نصاب حمدیہ شاعر نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی حاضری کے حوالے سے اپنی عقیدت اور مناجات کا ذکر پر تاثیر انداز میں کیا ہے۔ آپ مشہور شاعر

حفیظ تائب کے حمدیہ کلام ”کس کا نظام رام نمائے“ ”کس کا کوئی رما ہے“ ”افق افق“ ”یر ان اشارات اور نکات کا فہم کرتے ہوئے اپنی

رائے دیں۔



طلبہ انٹرنیٹ کے ذریعے مختلف شاعروں کے حمدیہ کلام کو پڑھنے کے بعد لکھ کر انہیں اور جماعت کے کمرے میں اپنے ساتھی طلبہ کو سنائیں۔



اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- ہدایات، اشارات کے مطابق کسی ناولیدہ اقتباس (منظوم / منثور) کی تفہیم / تنقید و تجزیہ / تبصرہ کر سکیں۔
- عمدہ سامع کے طور پر الفاظ، جملوں، مصرعوں، شعروں، نظموں، گیتوں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ، لحن، لے اور ادائیگی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی رائے دے سکیں۔
- معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلو پیڈیا، یا لغات وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے بر محل استعمال کر سکیں۔
- منظوم یا منثور کسی بھی دو اصناف ادب یا اقتباسات کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کر سکیں۔ (اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان و بیان کا انتخاب اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے)
- نظم پر لحاظ موضوع (حمہ، نعت، ملی / قوی نغمہ، قصیدہ، ہجو، دعا / مناجات، منقبت، مرثیہ، مثنوی) کی شناخت کر سکیں۔

خاص	مدحیت	خیر الائم	اذن	نمبر و قلم	جواب
الفاظ	منحرف	جادو رحمت	کتاب حق	توفیق	ستم

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ کو معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلو پیڈیا اور لغات وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کرنے کے حوالے سے رہنمائی کریں تاکہ وہ خود بھی متعلقہ مواد تلاش کر کے بر محل استعمال کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو یہ سبق پڑھنے پہ مجبور نہ کیا جائے۔

.. کون سا کام ہے جو اللہ اور اس کے فرشتے کرتے ہیں اس لیے ایمان والوں کو بھی کرنے کے لیے کہا گیا؟

دلوں کے ساتھ جبینیں جو خم نہیں کرتے
وہ پاس مدح خیر الائم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرتے

دعا بغیر، اجازت بغیر، اذن بغیر
ہم ایک لفظ سپردِ قلم نہیں کرتے

کتاب حق نے جنہیں مصطفیٰ ﷺ قرار دیا
جز اُن کے اور کوئی ذکر ہم نہیں کرتے

کریم ایسے کہ انعام کرتے جاتے ہیں
جو اِد ایسے کہ نعمت کو کم نہیں کرتے

جو اُن کے جادۂ رحمت سے منحرف ہو جائیں
زمانے اُن کو کبھی محترم نہیں کرتے

میسر آتی ہے جن کو درود کی توفیق
کسی بھی حال میں ہوں کوئی غم نہیں کرتے

نظر میں طائف و مکہ رہیں تو ان کے غلام
جواب میں بھی ستم کے ستم نہیں کرتے
(شہر علم کے دروازے پر)

اصل نام افتخار حسین عارف اور افتخار عارف کے قلمی نام سے شہرت حاصل کی۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۲ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور تعلیم کے مختلف مراحل کی تکمیل بھی اسی شہر میں ہوئی۔ افتخار عارف عہد موجود کے سنجیدہ اور معتبر ترین شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی شعری تخلیقات میں نہ صرف فنی چاشنی اور ترفیع کا اظہار کیا ہے بلکہ کلام میں نفسی، نئے استعاروں کی تلاش اور اظہار میں انفرادیت کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ افتخار عارف کی شاعری کا مزاج اور ماحول، جی تجربے اور ان تجربوں کے اظہار کا پیرایہ، دوسروں سے مختلف اور روح عصر سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اُن کے کلام کی یہی خوبی انھیں جدید اردو شاعری کی توانا ترین آوازوں میں شامل کرتی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کرنے والے افتخار عارف نے پاکستان کے متعدد سرکاری اداروں میں انتظامی سربراہ کی حیثیت سے خدمات سر انجام دیے ہیں۔ ان اداروں میں آئٹانک کارپوریشن آرگنائزیشن، ادارہ فروغ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان)، اکادمی ادبیات پاکستان، نیشنل بک فاؤنڈیشن، فاؤنڈیشن برائے پاکستانی اہل علم و قلم، اردو مرکز لندن شامل ہیں۔ افتخار عارف کی تخلیقات میں ”میر دو نیم“، ”بارہواں کھلاڑی“، ”باغ گلو سرخ“، ”شہر علم کے دروازے پر“، ”حرف ہاریب“، ”جہان معلوم“، ”کتاب دل و دنیا“، ”فیض بہ نام افتخار عارف“ (مرتبہ ڈاکٹر راشد حمید)، ”کلام قیس بنط فیض“ اور ”سخن افتخار“ شامل ہیں۔ افتخار عارف کو ان کی ہمہ جہت علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں متعدد ایوارڈز سے نوازا جا چکا ہے۔ جن میں نشان امتیاز، ہلال امتیاز، ستارہ امتیاز، صدارتی تمغا برائے حسن کارکردگی، پاکستان رائٹرز گلڈ ایوارڈ، نقوش ایوارڈ شامل ہیں۔ ان ایوارڈز کے علاوہ قومی و بین الاقوامی سطح پر کئی اداروں سے افتخار عارف نے علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈز حاصل کر کے ملک و قوم کا نام روشن کیا ہے۔ (تعارف: پروفیسر امجد اقبال)



۱۔ شامل نصاب نعت کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جواب دیں:

الف۔ افتخار عارف کی شاعری کی نمایاں خوبیاں مختصر لکھیے۔ (افتخار عارف کے شامل نصاب تعارف کو پڑھ کر)

ب۔ افتخار عارف نے شامل نصاب نعت کس بیت میں لکھی ہے، وضاحت کریں۔

ج۔ ”جو اُن کے جادو رحمت سے نخریف ہو جائیں“ کا مفہوم واضح کریں۔

د۔ اس نعت میں استعمال ہونے والے قافیہ ردیف کی نشان دہی کریں۔

و۔ ”نظر میں طائف و مکہ رہیں تو اُن کے غلام جواب میں بھی ستم کے، ستم نہیں کرتے

شاعر نے اس شعر میں کن واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے؟

۲۔ مشہور شاعر اقبال عظیم کی لکھی ہوئی درج ذیل نعت پڑھیں اور شامل نصاب نعتیہ اشعار کا موازنہ کرتے ہوئے اس انداز میں تبصرہ کریں کہ اس میں

اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، شاعر کا نقطہ نظر اور زبان و بیان کی نشان دہی ہو سکے:

جہاں روضہ پاک خیر الوریٰ ہے، وہ جنت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

کہاں میں کہاں یہ مدینے کی گلیاں، یہ قسمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

محمد ﷺ کی عظمت کو کیا پوچھتے ہو کہ وہ صاحبِ قاب قوسین خضرے

بشر کی سرعرش مہماں نوازی، یہ عظمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

جو عاصی کو دامن میں اپنی چپا لے، جو دشمن کو بھی زخم کھا کے دعا دے
اُسے اور کیا نام دے گا زمانہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
شفاعت قیامت کی تابع نہیں ہے، یہ چشمہ تو روزِ ازل سے ہے جاری
خطا کار بندوں پہ لطفِ مسنن، شفاست نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
قیامت کا اک دن معین ہے لیکن ہمارے لیے ہر نفس ہے قیامت
مدینے سے ہم جاں نثاروں کی ذوری، قیامت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
تم اقبالؔ یہ نعت کہہ تو رہے ہو، مگر یہ بھی سوچا کہ کیا کر رہے ہو
کہاں تم کہاں مدح ممدوح یزداں، یہ جرات نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

۳۔ رتنِ بانا نعت کہ نلک کے معروف نعت خواں قاری وحید ظفر قاسمی نے خوش الحانی سے پڑھا بھی ہے۔ آپ عمدہ سامع کے طور پر پوری نعت (نظم)،
الثناء، جملوں، مصرعوں، شعروں، غیرہ کے تلفظ، آہنگ، لہجہ اور ادائیگی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی رائے دیں:
۴۔ پیر نصیر الدین نصیر گولڑی کی درج ذیل نعت کو پڑھیں اور اس تیسرہ کرتے ہوئے معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلو پیڈیا وغیرہ
سے حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے بر محل استعمال کریں:

اب شنگی داماں پہ نہ جا اور بھی کچھ مانگ
ہیں آج وہ مانگ پہ عطا، اور بھی کچھ مانگ
ہیں وہ متوجہ تو دعا، اور بھی کچھ مانگ
جو کچھ تجھے ملنا تھا، ملا، اور بھی کچھ مانگ
سرکار کا در ہے، درِ شباں تو نہیں ہے
جو مانگ لیا، مانگ لیا، اور بھی کچھ مانگ
اس در پہ یہ انجام ہوا حسنِ طلب کا
جبوئی بری بھر بھر کے کہا اور بھی کچھ مانگ
سلطانِ مدینہ کی زیارت کی دعا کر
جنت کی طلب چیز ہے کیا اور بھی کچھ مانگ
پنچیا ہے جو اس در پہ تو رہ رہ کے نصیر آج
آواز پہ آواز لگا، اور بھی کچھ مانگ

۵۔ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ اپنی محبت و عقیدت کا اظہار نعت کہلاتا ہے۔ اردو زبان و ادب میں نعت گوئی میں شعرانے جہان
فکر اور ذوقِ جمال کے خوب صورت احتراز کے ساتھ ایسی نعت کہی ہے کہ فارسی نعت کی روایت بھی اس پہ نازاں ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؔ کی نعت
گوئی بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اُن کی نعت میں عشق ایک ایسے جذبے کے طور پر دکھائی دیتا ہے جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، علامہ اقبالؔ کے دل میں
عشق نبی ﷺ کی تڑپ موجود تھی اور اُن کی خواہش تھی کہ اسی تڑپ سے دوسروں کے دل بھی گرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوش نووی اور معرفت

حسرت رسول ﷺ تلاش کی جاسکے۔ علامہ اقبال نے نبی کریم ﷺ کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو اپنی تساری میں پرویا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ امت مسلمہ کے تمام مسائل کا حل اسی میں ہے کہ یہ اپنا تعلق اس ذاتِ باریکات ﷺ سے مضبوط کر لیں۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں عشق محمد ﷺ سے ابلا کر دے

حضور ﷺ سے عقیدت و محبت میں سرشاری علامہ اقبال کی نعت کا مرکزی دسمار ہے۔ اقبال یہ سمجھتے تھے کہ کائنات رنگ و بو کی تمام تر رحمنی، حسن و دل کشی آپ ﷺ کی مرہونِ منت ہے۔ گویا آپ ﷺ کو وہ حقیقت کائنات ہے۔ نوبیوان نسل کو پاپیہ کہ وہ علامہ اقبال نے افکار و خیالات سے وحشی حاصل کریں اور اپنی زندگیوں کو نبی پاک ﷺ کی تعلیمات سے روشن کریں تاکہ زوال، محوئی، بختی کی اس موبودہ صورتِ حال سے نجات مل سکے۔

درج بالا اشارات اور ہدایات کے مطابق علامہ اقبال کی درج ذیل نعت (ندیدہ اقتباس) کی تقسیم / تفسیر و تجزیہ / تیسرہ کریں:

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتب
گنبد آئینہ رنگ، تیرے محیط میں مہاب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذره ریک کو دیا تو نے طلوع آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
حیرت نگاہِ ناز سے دونوں مرا پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق، حضور و اضطراب

شعری اضافات:

قصیدہ:

قصیدہ عربی لفظ قصد سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معانی ارادہ کرنے کے ہیں۔ یعنی شاعر کسی خاص موضوع پر اظہارِ خیال کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے دوسرے معانی مغز کے ہیں۔ ایسی نظم جس میں کسی بادشاہ وغیرہ کی تعریف کی جائے، قصیدہ کہلاتی ہے۔ قصیدے کا بنیادی مقصد اربابِ اقتدار کی خوش نودی حاصل کرنا ہوتا ہے یا محض اُن کی فرمائش پورا کرنے کے لیے قصیدہ لکھا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں قصیدہ فارسی سے داخل ہوا۔ تشبیب، گریز، مدح، حسن طلب (مدعا) اور دعا کو قصیدے کے اجزا قرار دیا جاتا ہے۔

ملی نغمہ:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں وطن اور قوم کی محبت، جذبوں اور ولولوں کا ذکر ہو۔

مرثیہ:

عربی لفظ ”مرثیہ“ سے ماخوذ ہے جس کے معانی کسی مردے کے لیے رونا اور اس کی خوبیاں، کمالات، کارنامے بیان کرنا ہیں۔ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی عظیم شخصیت کی وفات یا کسی دردناک سانحے کا ذکر ہو۔ جیسے: واقعہ کربلا۔ مرثیہ کی صنف، فارسی سے اردو میں آئی۔ عام طور پر مرثیہ کے درج ذیل اجزاء بتائے جاتے ہیں۔ چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، زجر، جنگ، اوزم، شہادت، بین

مناجات:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں رقت انگیز لہجے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی گئی ہو جیسے: اُس کی ذات سامنے ہو اور شاعر انتہائی متقی ہو۔

نظم یا شاعری کی صورت میں برا کہنا۔ ایسا کلام یا ایسی نظم (ہیت کوئی بھی ہو سکتی ہے) جس میں کسی کی مخالفت میں اس کا مذاق اڑایا جائے تضحیک آمیز طنز کیا جائے، اُسے جھو کہتے ہیں۔

۱۔ حمد، نعت، ملی نغمے، مناجات، مرثیہ اور ہجو کا ایک ایک شعر لکھیں۔



درج ذیل نظیر اشعار کو غور سے پڑھیں اور اصناف نظم (ملی / قومی نغمہ، مرثیہ، مناجات) کی شناخت کریں:

(۱)

اے عزت اور عظمت والے
اے! بے وارث گھروں کے وارث
بے ہڈو، بے پروں کے وارث
بے آسوں کی آس ہے تو ہی
جاگتے سوتے پاس ہے تو ہی
بس والے ہیں یا بے بس ہیں
تو نہیں جن کا، وہ بے کس ہیں
(الطاف حسین حالی)

(۲)

تھا بس کہ، روزِ قتلِ شیرِ آسمانِ جناب
لکلا تھا خوں طے ہوئے، چہرے پہ آفتاب
تھی نیرِ علقہ بھی، نجات سے آبِ آب
روتا تھا، پھوٹ پھوٹ کے، دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی، سپاہِ خدا، تین رات کی
ساحل سے، سرچلتی تھیں، موجیں فرات کی
(میرائیں)

(۳)

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں
یہاں غزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو
(احمد ندیم قاسمی)

پس روزے سے ہوں

اس نظم کی تدوین کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی بھی نظم یا نثر کو نہ تراویح کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظمیہ اشعار کو درست تلفظ، لب و لہجہ، آواز چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- نظم / نثر کے متن (سر، مسرت، شعر، قافیہ، ردیف، مطلع، مقطع، مطلع ثانی) کی شناخت کر سکیں۔
- کسی بھی نثر پر اس نظم میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے مصنف اور قارئین کے نقطہ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- نظم / نثر کے اشعار کی مبالغوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو نہ کر مصنف / شاعر اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- مضمون پر قرار رکھتے ہوئے متن میں متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کر سکیں۔

خاص	غزل	تکرار	گفتار	کرب	اظہار
الفاظ	ذہنی	کترا کے کُز	بہر زیارت	لحن	برخوردار

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- نظم کی قرأت بار بار طلبہ سے درست تلفظ اور آہنگ کے ساتھ کروائیں۔ سید ضمیر جعفری کا یہ طور جدید مزاجیہ شاعر طلبہ سے تفصیلی تعارف کروائیں اور ان کے دوسرے چیدہ چیدہ مزاجیہ اشعار طلبہ کو یاد کروا کر ان سے سنیں۔ اخلاقی اور ثقافتی اقدار کے شعور کو جلا دے کر طلبہ کو مضامین لکھنے کی ترغیب دیں اور اس ضمن میں ان کی تربیت کریں۔

طنز اور مزاح میں کیا فرق ہوتا ہے؟

مجھ سے مت کر یا رکھ گفتار، میں روزے سے ہوں
 ہونہ جائے تجھ سے بھی تکرار، میں روزے سے ہوں
 ہر کسی سے کرب کا اظہار، میں روزے سے ہوں
 دو کسی اخبار کو یہ تار، میں روزے سے ہوں
 میرا روزہ اک بڑا احسان ہے لوگوں کے سر
 مجھ کو ڈالو موتیے کے ہار، میں روزے سے ہوں

میں نے ہر فائل کی ڈمچی پر یہ مصرع لکھ دیا
 کام ہو سکتا نہیں سرکار! میں روزے سے ہوں
 اے مری بیوی! مرے رستے سے کچھ کترا کے چل
 اے مرے بچو! ذرا ہوشیار میں روزے سے ہوں
 شام کو بہر زیارت آ تو سکتا ہوں مگر
 نوٹ کر لیں دوست رشتہ دار میں روزے سے ہوں
 تو یہ کہتا ہے بہ لحن تر کوئی تازہ غزل
 میں یہ کہتا ہوں کہ بر خور دار! میں روزے سے ہوں
 (مانی الغنیر)

سید ضمیر جعفری (۱۹۱۶ء-۱۹۹۹ء)

نام سید ضمیر حسین شاہ تھا اور تخلص ضمیر۔ جب کہ سید ضمیر جعفری کے نام سے معروف تھے۔ ضلع جہلم میں چک عبدالحق نامی سادات کی قدیم بستی میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے کیا۔ محکمہ مالیات سے ملازمت کا آغاز کیا لیکن جوانی کا بیشتر حصہ فوجی ملازمت میں گزارا۔ راول پنڈی سے ایک اخبار "پوشال" بھی نکالا اور انتخابات میں بھی حصہ لیا۔ عمر کے آخری حصے میں اکادمی ادبیات پاکستان سے بھی وابستہ رہے۔ بچپن ہی سے شاعری سے طبعی لگاؤ تھا چنانچہ گورنمنٹ ہائی اسکول جہلم میں ساتویں جماعت ہی سے شعر کہنا شروع کر دیے۔ ابتدا میں سنجیدہ اشعار کہے مگر جلد ہی طبیعت مزاح کی طرف بھی مائل ہو گئی اور پھر سنجیدہ شاعری کے ساتھ ساتھ مزاحیہ شاعری کو بھی اپنا ذریعہ اظہار بنایا۔ ان کی شاعری معاشرتی ناہمواریوں اور زندگی کے رویوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں سادگی اور برجستگی ہے، مضامین اور شیرینی ہے جو اپنی ترنم خیزی سے کانوں میں رس گھولتی ہے۔ وہ سنجیدہ، جنمیں اور لفظ انگیز کیفیتوں کو اس طرح فن کے پیرائے میں ڈھالتے ہیں کہ پڑھنے والا ہر کیفیت کو اپنے اپنے انداز میں محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شائستگی اور ثقافت مزاح کی جس روایت کا آغاز اکبر الہ آبادی نے کیا تھا، سید ضمیر جعفری اسی روایت کے سلسل میں اپنے عہد کی ایک اہم آواز تھے۔ سید ضمیر جعفری کو ۱۹۶۷ء میں تمغائے قائد اعظم اور ۱۹۸۵ء میں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔ ان کی فکاہیہ کلیات "لٹاڑ تماشا" کے نام سے چھپ چکی ہے۔ جس میں "مانی الغنیر"، "دلائی زعفران"، "ضمیریات"، "ضمیر طرافت"، "شناخت پرید" اور "دست و دلاں" (تمام کتابیں) شامل ہیں۔ "دلائی زعفران" اور "دھپھول کہ جن کا نام نہیں" منظوم تراجم پر مبنی ان کی دو کتابیں ہیں۔

مشق



- ۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:
- ۱۔ شاعر نے فائل کی ڈمچی سے کیا مراد لی ہے؟
- ۲۔ شاعر نے دوستوں اور رشتہ داروں کے ہاں شام کو آنے پر کیا نوٹ کرنے کے لیے کہا؟
- ۳۔ شاعر نے اپنے روزے کو لوگوں کے لیے کیا قرار دیا ہے؟

۱۔ شاعر نے اپنی بیوی اور بچوں کو کیا ہدایت دی؟
۲۔ پر خور دار نے روزے دار شاعر سے کیا فرمائش کی؟

۳۔ درج ذیل اشعار کو درست تلفظ، لب و لہجہ، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں:

اے مری بیوی! مرے رستے سے کچھ کترا کے چل
اے مرے بچو ذرا ہوشیار میں روزے سے ہوں
شام کو بہر زیارت آ تو سکتا ہوں مگر
نوٹ کر لیں دوست رشتہ دار میں روزے سے ہوں
تو یہ کہتا ہے یہ لحن تر ہو کوئی تازہ غزل
میں یہ کہتا ہوں کہ پر خور دار میں روزے سے ہوں
۴۔ اس نظم کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۵۔ روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ روزے کی سختی کے باعث اس میں کچھ رعایتیں بھی رکھی گئی ہیں۔ غزل کا روزے دار روزہ انفرادی ثواب کے لیے رکھتا ہے۔ شاعر روزہ داری کے بہانے دفتر، گھر اور اقربا سے کیا کیا تقاضے کر رہا ہے؟ نظم میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر اور قارئین کے نقطہ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے انسانی مزاج اور معاشرتی روایات کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کریں۔

۶۔ درج ذیل الفاظ کے متبادلات کیا کیا ہو سکتے ہیں؟ انہیں اپنے جملوں میں استعمال کریں:

تکرار زیارت فائل ہشیار بیوی

۷۔ نظم کے عناصر (مصرع، شعر، قافیہ، ردیف، مطلع اور مطلع ثانی) کی شناخت کر کے الگ سے ایک نوٹ بک پر لکھیں۔

۸۔ نظم کے درج ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں:

مجھ سے مت کر یا کچھ گفتار میں روزے سے ہوں

ہو نہ جائے تجھ سے بھی تکرار میں روزے سے ہوں

ہر کسی سے کرب کا اظہار میں روزے سے ہوں

دو کسی اخبار کو یہ تار میں روزے سے ہوں

میرا روزہ اک بڑا احسان ہے لوگو کے سر

مجھ کو ڈالو موتیے کے ہار میں روزے سے ہوں

۹۔ نظم کو پڑھ کر شاعر اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کریں۔

سرگرمی

اکبر الہ آبادی، سید محمد جعفری اور سید ضمیر جعفری کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری سے اپنی پسند کی ایک ایک نظم چن کر نوٹ بک پر لکھیں۔

نثر میں تری گلیوں کے۔۔۔

۴



اس نظم کی ہر ریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مختلف سعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تحریر، اعلان، خطبہ، نکتہ گو، خبر ڈراما، ہدایت، اور فچر سن کر کلام کے اہم نکات، تراکیب، جملے، مصرعے یا اشعار پر عمل اور برجستہ استعمال کر سکیں۔
- عالمی ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کا پاکستانی ادب (اردو) سے موازنہ کر سکیں۔
- منظوم یا منثور کسی بھی دو اصناف ادب یا اقتباسات کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کر سکیں۔ (اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان و بیان کا انتخاب اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے)
- مختلف تہذیب (منظوم) پڑھ کر ان میں سے عالمی مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے حل کے لیے اپنی تجاویز پیش کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظم پر لحاظ موضوع (مثنوی، جھو، قصیدہ، منقبت) کی شناخت کر سکیں۔
- تشابہات کو نظم و نثر کے ربط و تسلسل اور تاثر سے شناخت کرتے ہوئے اس کا پر عمل استعمال کر سکیں۔

خاص	اہل جنوں	اہل ہوس	بست و نشاد	طالع رقیب	دست بسانہ نجو
الفاظ	سنگ و خشت	منقید	سنگ	روزن زنداں	ظواف

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو عالمی ادب سے اردو تراجم (منظوم / منثور) سے روشناس کرائیں تاکہ طلبہ مختلف شعر اور ادبی تخلیقات کا موازنہ اپنے شعری ادب سے کرنے کے قابل ہو سکیں۔

انسانی حقوق کے حوالے سے کن کن پاکستانی شاعروں نے آواز اٹھائی؟

پڑھیں



نثر میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا، طواف کو نکلے
نظر پڑا کے چلے، جسم و جاں بچا کے چلے

ہے اہل دل کے لیے اب یہ لطم بہت و کشاد
کہ سنگ و خشت مقید ہیں اور سنگ آزاد

بہت ہے ظلم کے دست بہانہ جو کے لیے
جو چند اہل جنوں تیرے نام لیوا ہیں
بنے ہیں اہل ہوس، مدعی بھی، منصف بھی
کے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں
مگر گزارنے والوں کے دن گزرتے ہیں
ترے فراق میں یوں صبح و شام کرتے ہیں

بجھا جو روزِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر ترے رخ پر بکھر گئی ہوگی
غرض تصویرِ شام و سحر میں جیتے ہیں
گرفتِ سایہ دیوار و در میں جیتے ہیں

یونہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ اُن کی رسم نئی ہے، نہ اپنی ریت نئی
یوں ہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے، نہ اپنی جیت نئی
اسی سبب سے فلک کا مجھ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل بُرا نہیں کرتے

مگر آج تجھ سے جدا ہیں تو کل بہم ہوں گے
یہ رات بھر کی جدائی تو کوئی بات نہیں
مگر آج آج پہ ہے طالعِ رقیب تو کیا
یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں

جو تجھ سے عہدِ وفا اُستوار رکھتے ہیں
علاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں
(دستِ صبا)

فیض احمد فیض (۱۹۱۲ء-۱۹۸۳ء)

فیض احمد نام اور فیض متخلص تھا۔ سلطان محمد خان بیرسٹر کے بیٹے تھے۔ تاریخ پیدائش ۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۲ء تھی۔ بی اے مرے کالج سیالکوٹ سے اور ایم اے گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ اور نیشنل کالج لاہور سے عربی میں ایم اے کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۰ء تک ایم۔ اے۔ او کالج امرتسر اور ہیلی کالج لاہور میں ٹیچر رہے۔ ۱۹۳۲ء میں فوج کی ملازمت اختیار کی جو پانچ سال تک رہی۔ بعد میں لاہور آکر ۱۹۳۷ء میں ”پاکستان ناٹمز“ اور ۱۹۳۸ء میں روزنامہ ”ایمر وز“ کے چیف ایڈیٹر رہے۔ جنوری ۱۹۵۳ء میں آپ کو راول پنڈی سازش کیس میں پانچ سال کی قید ہوئی۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لا میں بھی کچھ عرصہ نظر بند رہے۔ فیض اعلیٰ پائے کے شاعر، نقاد اور صحافی تھے۔ ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ”میزان“ کے نام سے شائع ہوا۔ ”نقش فریادی“، ”دست صبا“، ”دست جہ سنگ“، ”زند ان نامہ“ اور دیگر ان کے شعری مجموعے ہیں۔ فیض کے یہاں رومان اور ترقی پسندانہ نظریات کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعرا میں فیض احمد فیض کا مقام بہت بلند اور منفرد ہے۔ انھوں نے رومانوی شاعر کو ایک نئی جہت عطا کی۔ انھوں نے زندگی کے تنگ اور کڑے حقائق سے پردہ پوشی نہیں کی بلکہ انھیں بھی رومان پر در بنا دیا ہے۔ یہ اپنی شاعری میں ذاتی دکھوں کے علاوہ عالمی انسانی مسئلوں کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ فیض احمد فیض نے ۱۹۸۳ء میں وفات پائی۔ ان کے کلیات ”نسخ ہائے وفا“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔



موضوع کے لحاظ سے نظم کی اقسام:
مثنوی:

عربی لفظ ”مثنیٰ“ سے ماخوذ ہے جس کے معانی دو کے ہیں۔ اصطلاح شاعری میں ایسی صنفِ سخن اور مسلسل نظم جس کے ہر شعر میں دو مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر میں قافیہ تبدیل ہو جائے۔ لیکن ساری مثنوی ایک ہی بحر میں ہوتی ہے۔ مثنوی ایک طویل نظم ہوتی ہے جس میں کوئی ایک داستان ”قصہ در قصہ“ بیان کی جاتی ہے اور مذہبی، اخلاقی، رومانوی، تاریخی موضوعات پر لکھی جاتی ہے۔ مثنوی کے لیے چند بحریں مخصوص ہیں اور اس میں اشعار کی تعداد پر کوئی قدغن نہیں۔ کئی کئی سو بلکہ کئی ہزار اشعار پر مشتمل بھی ایک مثنوی ہو سکتی ہے۔

جہو: نظم یا شاعری کی صورت میں برا کہنا۔ ایسا کلام یا ایسی نظم (بیت کوئی بھی ہو سکتی ہے) جس میں کسی کی مخالفت میں اس کا مذاق

اڑایا جائے تنہیک آمیز طنز کیا جائے، اُسے جہو کہتے ہیں۔

۱۔ منقبت، قصیدہ اور جہو کے دو اشعار لکھیں۔

۲۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے جواب دیں:

(i) ایسی نظم کو کیا کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی واحدانیت، یکتائی اور صفات کا ذکر ہو؟

الف۔ منقبت ب۔ حمد ج۔ نعت د۔ شہر آشوب

(ii) قصیدہ کس زبان کے لفظ قصد سے ماخوذ ہے؟

الف۔ فارسی ب۔ ترکی ج۔ عربی د۔ فرانسیسی

(iii) کسی فردے کے لیے رونا اور اس کی خوبیاں بیان کرنا، ادبی اصطلاح میں کس نظم کا موضوع ہوتا ہے؟

الف۔ قصیدہ ب۔ مرثیہ ج۔ مناجات د۔ ہجو

(iv) تشبیہ، گریز درج ذیل میں سے کس نظم کے اہم اجزاء ہیں؟

الف۔ منقبت ب۔ ہجو ج۔ قصیدہ د۔ مرثیہ

(v) کس نظم میں کسی کا مذاق اڑایا یا طنز کا نشانہ بنایا جاتا ہے؟

الف۔ قصیدہ ب۔ شہر آشوب ج۔ مرثیہ د۔ ہجو

(vi) درج ذیل میں سے کس نظم کے ہر شعر کا قافیہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے؟

الف۔ مثنوی ب۔ ملی نغمہ ج۔ منقبت د۔ قصیدہ

(vii) ”مثنیٰ“ کا مطلب ہے:

الف۔ دو ب۔ تین ج۔ چار د۔ پانچ

(viii) درج ذیل میں سے کس نظم میں کوئی داستان ”قصہ در قصہ“ بیان کی جاتی ہے؟

الف۔ مثنوی ب۔ قصیدہ ج۔ منقبت د۔ ملی نغمہ

۳۔ یونیورسٹی چیمبرل سے فیض احمد فیض کی اپنی آواز میں دست یاب شامل نصاب نظم ”نکات، تراکیب، مصرعے یا اشعار بر محل اور برجستہ استعمال کریں۔“

۴۔ اہل پاکستان نے اہل عرب بالخصوص اہل فلسطین کے ساتھ ہمیشہ بے لوث اور والہانہ محبت و عقیدت کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ دین اسلام کا مضبوط رشتہ ہے جس سے مسلم اقوام صدیوں سے باہم بندھی ہوئی ہیں۔ فلسطین کی جدوجہد آزادی کی حمایت پاکستان نے ہر دور میں جاری رکھی کیوں کہ فلسطینیوں کا حق خود ارادیت دنیا کے تمام انسانوں کی طرح اُن کا بنیادی حق ہے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ ادب اپنے معاشرے اور سماج کا آئینہ دار اور عکاس ہوتا ہے۔ معاشرے کے ہاسیوں اور لوگوں کے خیالات و جذبات، امنگوں، خواہشات، محرومیوں اور مسرتوں کا ترجمان اور نمائندہ ہوتا ہے۔ ذیل میں احمد اسلام احمد کی فلسطین کے مشہور شاعر محمود درویش کی ترجمہ شدہ نظم ”چہرہ محبوب کی تحریر“ کا ایک اقتباس دیا جا رہا ہے۔ عالمی ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کا پاکستانی ادب (اردو) سے موازنہ کریں کہ کس طرح اور کس حد تک فیض احمد فیض جیسے شعرا نے پاکستان میں مزاحمتی ادب کو پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

یہ زمیں اک جسم ہے اور آنکھ ہے میرا وطن

بچنے سے میری ہیشانی پہ اک خنجر کا زخم تیز ہے

اور آج بھی میں

تیری یادوں کے جلو میں جاگتا ہوں

یوں گماں ہوتا ہے جیسے آنے والی ساری خوشیوں کا مگماں

موت کی ہر طرف ہے
 اور اس جانب ہے تو
 اے شہ حسن جمال
 آشیاں گم کردہ اور نادام پرندے کی طرح
 ٹکٹکی باندھے ہوئے مہبوت بچے کی طرح
 دیکھتا ہوں جب بھی میں چہرہ ترا
 یاد آتا ہے مجھے وہ عرصہ کرب و بلا
 اور جشہ

اور ازیت سے پھر کتنا بچپنا
 پھر میں نبیوں کے نقوش پا کے نقشے
 اور اک ایسی مسافت کی کہانی
 پڑھتا ہوں جس میں ہزیمت، شاد کامی اور ذلت
 ایک دو بچے کے جلو میں درج ہیں
 یوں گماں ہوتا ہے جیسے یہ زمیں
 محو طرب ہے آسمان کی ریت پر
 جی میں آتا ہے کہ جڑ سے لوج کر
 پھینک دوں میں شام کے اس جھٹپٹے کو ناگہاں
 اس سمندر اور اُن اُونچے مغللوں سے پرے
 جن میں ہیں بے فیض اور محکوم موسم حکمراں

(مترجم: امجد اسلام امجد)

- ۵۔ محمود درویش کی درج بالا نظم اور فیض احمد فیض کی شامل نصاب نظم ”نثار میں تری گلیوں کے“ کے درمیان (اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان و بیان کا انتخاب اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے) موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کریں۔
- ۶۔ فلسطینی شاعر محمود درویش کی درج شدہ نظم ”چہرہ محبوب کی تحریر“ پڑھ کر موجودہ دور کے اہم ترین ”مسئلہ فلسطین“ کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔ آپ ”مسئلہ فلسطین“ کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کے حل کی تجاویز پیش کریں اور اپنے استاد محترم / استانی صاحب کو چیک کرا کے کسی اخبار میں شائع ہونے کے لیے ارسال کر دیں۔

۷۔ فیض احمد فیض کی شامل نصاب نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ درج ذیل اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کریں:

یوں ہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ اُن کی رسم نئی ہے، نہ اپنی ریت نئی
یوں ہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے، نہ اپنی جیت نئی
اسی سبب سے فلک کا کچھ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل بُرا نہیں کرتے

۸۔ نظم ”نثار میں تری گلیوں“ کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔

تشابہات کی نظم و نثر میں شناخت اور بر محل استعمال

”تشابہ“ کے لغوی معانی ہیں کہ اس کے مختلف حصے ایک دوسرے کی مانند ہوں۔ اسی وجہ سے ایسے جملے جن کے معانی و پیچیدہ ہوتے ہیں اور جن کے متعلق مختلف نقطہ نظر یا احتمال کا اظہار کیا جاسکتا ہے، ان کو تشابہ کہتے ہیں۔ اردو زبان میں بے شمار الفاظ ایسے ہیں جن کا املا ایک ہے لیکن معانی میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مزید یہ کہ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا املا ایک ہے مگر اعراب اور معانی مختلف ہیں۔ ان کے علاوہ ہم صوت یعنی ہم آواز الفاظ بھی ہوتے ہیں۔ الغرض ایسے الفاظ جن کی ظاہری شکل ملتی ہو لیکن وہ املا، معانی اور اعراب میں مختلف ہوں، تشابہ الفاظ کہلاتے ہیں۔

تشابہات ایسے کلام کو بھی کہتے ہیں جس سے کئی ایک دوسرے سے ملتے جلتے مطلب نکلتے ہوں اور ان کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہو جائے۔ ایسے الفاظ کی تفہیم میں فرق کرنا کسی قدر دشوار ہو جاتا ہے

۹۔ درج ذیل اشعار میں آنے والے تشابہات کو کلام کے ربط و تسلسل اور تاثر سے شناخت کریں اور پھر ان کا بر محل استعمال کرتے ہوئے جملے تحریر کریں:

(i) زنداں میں بھی شورش نہ مگنی اپنے جنوں کی

اب سنگ مدادا ہے اس آشفٹ سری کا

(میر تقی میر)

(ii) نہ گو بسکندر ، نہ ہے قبر دارا

مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے

(حیدر علی آتش)

(iii) غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

(حیدر علی آتش)

(iv) چلتے ہیں جبریلؑ کے پہ جس مقام پہ
اس کی حقیقتوں کے شناسا تم ہی تو ہو
(ظفر علی خان)

(v) کیوں نے عرض مضطرب مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا
(مومن خان مومن)

(vi) مہر و وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں
اور تو سب کچھ طنز و کنایہ، رمز و اشارہ جانے ہے
(میر تقی میر)

۱۔ منقبت، قصیدہ، ہجو اور مثنوی کی تعریف مع تین تین اشعار پر مشتمل ہر ایک کی ایک مثال لکھیں تاکہ ان کی شناخت واضح ہو سکے۔



فلسطینی شعر کی نظموں کے ترجمے پر مشتمل امجد اسلام امجد کا شعری مجموعہ ”نکس“ کالج کی لائبریری سے جاری کرائیں اور ان منظومات کا مطالعہ کرتے ہوئے تمام طلبہ باہم گفتگو کریں کہ کس طرح شعر کی تخلیقات اپنے گرد و پیش اور ماحول کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جہاں مشکل پیش آئے اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ سے رہنمائی لیں۔

انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات



اس نظم کی حد ریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- منظوم / منشور کلام سے متعلق اہم اشارات اور اہم نکات سن کر ان کی فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے رائے دے سکیں۔
- طویل کلام کو اپنے حافظے سے دیگر مثالوں کے ساتھ ادا کر سکیں۔
- مختلف عبارات (منظوم) کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ اور تبصرہ (تحقید و استحسان) کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر مصنف / شاعر اور قاری کے نقطہ کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔
- نظم پر لحاظ بیت (غزل، مخمس، مسدس) میں امتیاز کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تحقید و تبصرہ کر سکیں۔

خاص	سرگرم عمل	لسان کے جوہر	آوار ایمانی	الطافِ ربانی	پوشاکیں
الفاظ	تفاخر	مساواتِ بنی آدم	لبِ مختار	شیرازہ	استغنائے ناداری

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اس بات سے آگاہ کریں کہ مختلف منظوم / منشور عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ اور تبصرہ (تحقید و استحسان) کیسے کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ خود بھی منظوم عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھ کر ان کا محتاط موازنہ اور تبصرہ (تحقید و استحسان) کرنے کے قابل ہو سکیں۔

خاتمہ بیت و مخمس
اسلامی تاریخ کو اردو کے کس کس
شاعر نے اپنا موضوع بنایا ہے؟

یہاں رحمت تھی سرگرم عمل، اللہ ناظر تھا
کمالِ بندگی کے، علم کے عرفان کے جوہر
نکاحیں تھیں یہاں الطافِ ربانی کی جو سندہ

یہاں روحِ الٰہی میں خیرِ الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم کے درپہ حاضر تھا
نمایاں ہو رہے تھے روز و شب، لسان کے جوہر
جبینیں تھیں یہاں، انوارِ ایمانی سے تابندہ

نہ رعب بادشاہی تھا نہ فر تاج داری تھی
 نہ شانیں تھیں دکھاوے کی نہ پوشاکیں نمائش کی
 کمر باندھے ہوئے سرکارِ حریت کے درباری
 یہاں بے زر، بے دنیا کی تعمیریں اٹھاتے تھے
 تمنائیں بر آتی تھیں یہاں ذوقِ ارادت کی
 یہاں ہر رنگ کے پھولوں کا اک گل زار کھلتا تھا
 یہاں مٹی نے سیکھا مطلع الانوار ہو جانا
 یہاں تسکین و راحت پائی تھی آفت کے ماروں نے
 یہاں پس ماندگی نے درس پایا شہ سوار کی
 یہاں دولت سے رغبت تھی نہ غربت سے تھی بیداری
 یہاں بندے تھے قائم حق پرستی حق پسندی پر
 مجاہد تھے مگر نام خدا پر کانپ جاتے تھے
 یہ سرفراز سجدہ ریز تھے درگاہِ باری پر میں
 یہاں محنت کو اپنے حق سے ہوتی تھی نہ محرومی
 زکات و صدقہ و خیرات پاکیزہ کمائی کے
 دلوں میں جاگ اٹھا تھا یہاں احساسِ خدمت کا
 رضا کاری کے رشتے سے تھا اس ٹکشن کا شیرازہ
 یہاں سرمایہ و محنت سے غائب تھی حدِ فاصل
 متاعِ محنت و سرمایہ تھے شیر و شکر دونوں
 یہاں اللہ واحد، جی و قیوم ان کا حاکم تھا
 یہاں مسجد تھی جس میں نور کے فوارے چلتے تھے
 یہاں وہ کملی والا تھا محمد ﷺ نام تھا جس کا

محمد ﷺ کی قیادت میں خدا کی شرع جاری تھی
 نہ تمہیدیں تقاضا کی نہ ترکیبیں ستاکش کی
 مسلسل کر رہے تھے آج چشمے فیض کے جاری
 مساواتِ بنی آدم کے نظارے دکھاتے تھے
 صداقت کے لیے دولت مہیا تھی شہادت کی
 غریبوں بے زبانوں کو لبِ کفایت ملتا تھا
 نصیب کو جگانا، دولت بیدار ہو جانا
 یہاں سیکھا خوشی کا مسکرانا سوگ واروں نے
 یہاں حاصل تھا محکوموں کو رتبہ شہر یاری کا
 کہ دولت مند کو تھا رکبِ استغنائے ناداری
 لیے جاتا تھا ذوقِ انکسار، ان کو بلندی پر
 یہ زاہد تھے فقط صدق و یقیں پر سر جھکاتے تھے
 یہ دست و پا تھے خلقِ اللہ کی خدمت گزاری پر
 نہ دیتے تھے یہاں دھقان خراجِ عجز محکومی
 یہاں سامان بنتے تھے غلاموں کی رہائی کے
 مریضِ انسانیت کو مل رہا تھا غسلِ صحت کا
 یہاں سرور ہر چہرہ تھا، جیسے پھول ہو تازہ
 کہ جس کا نام سرمایہ ہے محنت ہی کو تھا حاصل
 دفاعِ جبرِ شخصی کے لیے، سینہ سپر دونوں
 وہ خالق تھا وہ رازق تھا وہی رحمن و راحم تھا
 یہاں قرآن تھا جس سے فیض کے دریا اُٹھتے تھے
 جہاں میں صلح و امن و آشتی پیغام تھا جس کا

نہ شخصی دولت و حشمت نہ تحت و تاج والا تھا

مگر وہ سرورِ کونین ﷺ تھا معراج والا تھا

ہمہ اخلاق اور احسان، ہمہ حسن اور محبوبی
 دلانے آیا تھا بندوں کو غیر اللہ سے آزادی

محمد ﷺ مرکزِ خیر دو عالم، مخزنِ خوبی
 وہ اللہ کی طرف سے مذہبِ اسلام کا ہادی ﷺ

محمد ﷺ نے دیا انسان کو جوہر حق نبوتی کا
 دماغ و فکر کو، علم و عمل کو زندگی دے دی
 نہ حاصل تھی جو قوت بادشاہوں کج کلاہوں کو
 یہ خوش بختی صلائے عام تھی سارے زمانے کو
 قدم زن ہو گیا انسان آزادی کی راہوں پر
 یہاں دہقان خود تھا اپنی بکشت زیت کا مالی
 مری برقی اخوت، خرمین نبض و کدورت پر
 ملی پامال سبزے کو اجازت لہلہانے کی
 ہوئی آنسو بھری آنکھوں کو جرأت مسکرانے کی

(شاہ نامہ اسلام۔ جلد چہارم)

حفیظ جالندھری (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۸۲ء)

محمد حفیظ نام اور حفیظ ہی تخلص تھا، جالندھر، مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے حفیظ جالندھری کہلائے۔ ابتدائی تعلیم جالندھر میں حاصل کی تاہم خانگی حالات اور گھریلو ذمے داریوں کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ شاعری کا ملکہ ان میں فطری طور پر موجود تھا۔ اس لیے اس میدان میں انھوں نے وہ نام پیدا کیا کہ بڑے بڑوں سے اپنی شاعری کا لوہا منوالیا۔ ان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ پاکستان کے قومی ترانے کے خالق ہیں۔ حفیظ کی طبیعت کو نظم اور غزل دونوں سے یکساں مناسبت تھی، ان کی شاعری میں مقصدیت اور قومی جذبہ حالی اور اقبال سے منتقل ہوا۔

ان کا عظیم ترین شعری کارنامہ ”شاہنامہ اسلام“ ہے جو اسلام کے ابتدائی دور کی منظوم تاریخ ہے۔ یہ مجموعہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ”نغمہ زار“، ”چراغ سحر“، ”تکلفہ شیریں“ اور ”سوز و ساز“ ان کے دیگر شعری مجموعے ہیں۔ انھوں نے ”عمر و عیار“ اور ”چیونٹی نامہ“ کے علاوہ چار جلدوں میں بچوں کے لیے گیت اور نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ”ہفت بیکر“ میں ان کے سات افسانے شامل ہیں۔ ان کی شاعری کی اہم خصوصیت غنائیت اور گفتگویی ہے۔ ان کی نظموں کا ایک اور پہلو منظر نگاری ہے۔ ان کے اردو گیتوں میں ہندی بخور کا بے تکلفانہ استعمال مناس بہر دیتا ہے۔ ان کی تشبیہات اچھوتی اور نادر ہوتی ہیں۔ برجستہ اور نثری ترتیب ان کے مصرعوں کی پہچان ہے۔ ان کے کلام میں سادگی، دلکشی، موسیقیت اور تغزل پایا جاتا ہے، اسی بنا پر انھیں ”ابوالاثر“ کا خطاب دیا گیا۔

مشق



۱۔ الطاف حسین حالی کے کلام سے متعلق استاد محترم / اُستانی صاحبہ کے بتائے ہوئے اشارات اور نکات کو غور سے سنیں۔ ان نکات اور اشارات کی روشنی میں درج ذیل کلام کی فہم کا تجزیہ کریں اور اپنی رائے دیں:

تمھاری بات تھی، احکام تھے، کہنا تھا، آئیں تمھیں
 تمھی تم تھے، زمانے میں تمھاری داستانیں تمھیں

تمھاری عزتیں تمھیں، اوج تھا، رتبہ تھا، شانیں تمھیں
 تمھارے ذکر میں سرگرم، دنیا کی زبانیں تمھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

۲۔ حفیظ جالندھری کی شامل نصاب نظم ”انسانِ کامل کی برکات“ کے درج ذیل اشعار کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کریں:

نہ حاصل تھی جو قوت بادشاہوں کج کلاہوں کو
یہ خوش بختی صلائے عام تھی سارے زمانے کو
قدم زن ہو گیا انسان آزادی کی راہوں پر
یہاں دہقان خود تھا اپنی بکشتِ زیست کا مالی
گری برقی انخوت، خرمنِ نبض و کدورت پر
ملی پامال سبزے کو اجازت لہلہانے کی
ہوئی آنسو بھری آنکھوں کو جرأت مسکرانے کی

۳۔ ”انسانِ کامل کی برکات“ ایک طویل نظم ہے جس میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ حفیظ جالندھری سے قبل یہ کام الطاف حسین حالی اپنے اسلوب سے یہ کارنامہ سرانجام دے چکے تھے۔ تمام طلبہ اس کلام کو اپنے حافظے سے دیگر مثالوں (الطاف حسین حالی کی مد و جزر اسلام سے) کے ساتھ ادا کریں۔

۴۔ ”شاہنامہ اسلام“ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل منظوم اسلامی تاریخ ہے جس میں شاعر اسلام حفیظ جالندھری نے اسلامی تاریخ کے اہم واقعات بالخصوص حربی واقعات کو منظوم کیا ہے۔ ”شاہنامہ اسلام“ کے ساتھ ساتھ تمام طلبہ ”مد و جزر اسلام“ از الطاف حسین حالی کا مطالعہ بھی کریں تو معلوم ہو گا کہ دونوں شعرائے کرام کا مقصد اور غرض و غایت ایک ہی تھی یعنی نبی کریم ﷺ کی بعثت مبارک سے دنیائے عالم کو جو خیر و برکات ملیں انھیں نظم کی صورت میں پیش کیا گیا۔ لیکن دونوں شاہکار ادب پاروں کی ساخت الگ الگ ہے۔ الطاف حسین حالی نے ”مد و جزر اسلام“ کو مسدس کی ساخت (بیئت) میں لکھا جب کہ حفیظ جالندھری نے ”شاہنامہ اسلام“ کو مثنوی کی ہیئت میں لکھا ہے۔ طلبہ دونوں کی غرض و غایت اور ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ اور تبصرہ (تنقید و استحسان) کریں۔

۵۔ نظم ”انسانِ کامل کی برکات“ کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۶۔ نظم ”انسانِ کامل کی برکات“ کو پڑھ کر شاعر اور قاری کے نقطہ کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کریں۔

۷۔ مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ”اسلام ایک امن پسند مذہب“ کے موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۱۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔



درج ذیل میں سے غزل، مسدس، مخمس بیت کی شناخت (امتیاز) کریں:

پھولا شفق سے، چرخ پہ جب، لالہ زارِ صبح
 گزارِ شب، خزاں ہوا، آئی بہارِ صبح
 کرنے لگا فلک، زرِ انجم، ثارِ صبح
 سرگرم ذکرِ حق ہوئے، طاعت گزارِ صبح
 تھا چرخِ انصاری پہ، یہ رنگ، آفتاب کا
 کھلتا ہے جیسے، پھول چمن میں، گلاب کا
 (میر انیس)

ہارِ بچہ اطفال ہے، دنیا مرے آگے
 ہوتا ہے شب و روز، تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے، اورنگ سلیمان مرے نزدیک
 اک بات ہے، اعجازِ مسحا مرے آگے

جز نام نہیں، صورتِ عالم، مجھے منظور
 جز وہم نہیں، ہستی اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں، گرد میں صحرا، مرے ہوتے
 گھستا ہے، جبینِ خاک پہ دریا، مرے آگے

مت پوچھ کہ، کیا حال ہے، میرا ترے پیچھے
 تو دیکھ کہ، کیا رنگ ہے، تیرا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے، مجھے سُفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

گو ہاتھ کو، جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو، ابھی ساغر و مینا، مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو بُرا کیوں کہو، اچھا! مرے آگے
(مرزا غالب)

دنیا میں، بادشاہ ہے سو ہے، وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا، ہے سو ہے، وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی
نعت جو کھا رہا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی
ککڑے چبا رہا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی
(نظیر اکبر آبادی)



اس نظم کی حد ریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی ادبی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب لہجے کے ساتھ زبانی (فی الہدیہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کر سکیں۔
- عبارت (منظوم) پڑھتے ہوئے تمام علامات اور قاف کا لحاظ رکھ سکیں۔
- کسی بھی نظم پر اسے میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر اور قارئین کے نقطہ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- نظم / غزل کے اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظم پر لحاظ بیت (غزل، مسدس، مخمس) میں امتیاز کر سکیں۔

خاص	مختصر	مختصر	خیال تازہ	مختصر	مختصر
الفاظ	مختصر	مختصر	مختصر	مختصر	مختصر

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو پابند نظم، آزاد نظم اور نظم معریٰ کے حوالے سے آگاہی دیں۔

پڑھنے سے پہلے پڑھیں
قیام پاکستان کے بعد شہرت پانے والے
تین شاعروں کے نام بتائیں۔



میں سوچتا ہوں،
لکھا ہے جو کچھ، پڑھا ہے جو کچھ، وہ کس لیے تھا
کہاں سے پوچھوں!
وہ کس لیے ہے کسے بتاؤں،
مجھے عقیدوں کے خواب دے کر کہا گیا، ان میں روشنی ہے!
چمکتی قدروں کی چھب دکھا کر مجھے بتایا یہ زندگی ہے
سکھائے مجھ کو کمال ایسے

یقین نہ لائیں سکھانے والے اگر انھی کو میں جاسناؤں
 میں کہہ نہ آ نکھوں کی دسترس میں نئے مناظر کہاں سے لاؤں
 کہاں پہ جنس کمال رکھوں، خیال تازہ کہاں سجاؤں
 زمین پاؤں تلے نہیں ہے، تو کیسے تاروں کی سمت جاؤں
 پرانی قدریں جو محترم ہیں
 انھیں سنبالوں یا آنے والے نئے عقیدوں کا مجید پاؤں
 وہ سب عقیدے، تمام قدریں خیال سارے
 جو مجھ کو سکے بنا کے بخشے گئے تھے میرے حواسِ خسے سے معتبر تھے
 جب اُن کو رہبر بنا کے نکلا
 تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے
 میں ایسے بازار میں کھڑا ہوں جہاں کرنسی بدل چکی ہے
 (میرے بھی ہیں کچھ خواب)

امجد اسلام امجد (۱۹۴۴ء-۲۰۲۳ء)

ایک پاکستانی اردو شاعر، ڈراما نگار اور گیت نگار تھے۔ ۵۰ سال کو محیط ادبی زندگی میں انھوں نے چالیس سے زائد کتابیں تصنیف کی۔ انھیں اپنے ادبی کام اور فی۔وی کے لیے اسکرین پلے کے لیے بہت سے اعزازات ملے، جن میں تمغائے حسن کارکردگی اور ستارہ امتیاز شامل ہیں۔
 امجد اسلام امجد کی پیدائش ۱۴ اگست ۱۹۴۴ء کو لاہور میں ہوئی۔ انھوں نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایم۔اے۔ او کالج لاہور کے شعبہ اردو میں استاد کی حیثیت سے کیا۔
 ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۹ء کے درمیان امجد اسلام امجد پاکستان ٹیلی ویژن نیٹ ورک کے ڈائریکٹر رہے۔ ۱۹۸۹ء میں انھیں اردو سائنس بورڈ کا ڈائریکٹر بنایا گیا۔ انھوں نے چلڈرن لائبریری، ویکٹ میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی تھیں۔ ان کی شخصیت پر تقریباً دس سے زائد تنقیدی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔
 امجد اسلام امجد کی وفات ۱۰ فروری ۲۰۲۳ء کو لاہور میں دل کا دورہ پڑنے سے ہوئی۔ ان کے شعری مجموعوں میں: ”پارش کی آواز“، ”شام سرانے“، ”اتنے خواب کہاں رکھوں“، ”نزدیک“، ”یہیں کہیں“، ”ساتواں در“، ”فشار“، ”سحر آج“، ”ساحلوں کی ہوا“، ”محبت ایسا دریا ہے“، ”برزخ“، ”اس پار“ اور ”وارث“ شامل ہیں۔ ڈراما ”وارث“ ان کی شناخت بنا۔

۱۔ درج ذیل موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب لہجے کے ساتھ کالج اسمبلی میں زبانی (فی الہدیہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کریں:

الف۔ بچپن کا شعور

ب۔ ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

ج۔ تحفظِ اطفال

۲۔ درج ذیل عبارت (منظوم) پڑھتے ہوئے تمام علامات اور قاف کا لحاظ رکھیں:

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں

چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے

نظر چڑا کے چلے جسم و جاں بچا کے چلے

ہے اہل دل کے لیے اب یہ نظمِ بہت و کشاد

کہ سنگ و خشت مقید ہیں اور سنگ آزاد

بہت ہے ظلم کے دستِ بہانہ جو کے لیے

جو چند اہل جنوں تیرے نام لیا ہیں

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی، منصف بھی

کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں

مگر گزارنے والوں کے دن گزرتے ہیں

ترے فراق میں یوں صبح و شام کرتے ہیں

۳۔ درج ذیل نظم پارے میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر اور قارئین کے نقطہ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کریں:

دلوں میں جاگ اٹھا تھا یہاں احساسِ خدمت کا

مریضِ انسانیت کا مل رہا تھا غسلِ صحت کا

رضا کاری کے رشتے سے تھا اس نکلتا کا شیرازہ

یہاں سرور ہر چہرہ تھا ، جیسے پھول ہو تازہ
یہاں سرمایہ و محنت سے غائب تھی حدِ فاصل
کہ جس کا نام سرمایہ ہے محنت ہی کو تھا حاصل
متاعِ محنت و سرمایہ تھے شیر و شکر دونوں
دفاعِ جبر شخصی کے لیے ، سینہ سپر دونوں

۴۔ درج ذیل نظم پارے کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں:

کہاں پہ جنسِ کمال رکھوں، خیالِ تازہ کہاں سجاؤں
زمین پاؤں تلے نہیں ہے، تو کیسے تاروں کی سمت جاؤں
پُرانی قدریں جو محترم ہیں
انھیں سنبھالوں یا آنے والے نئے عقیدوں کا بھید پاؤں
وہ سب عقیدے، تمام قدریں خیالِ سارے
جو مجھ کو سکے بنا کے بخشے گئے تھے میرے حواسِ خم سے معتبر تھے
جب اُن کو رہ بر بنا کے نکلا

تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے
میں ایسے بازار میں کھڑا ہوں جہاں کرنسی بدل چکی ہے
۵۔ ”نئی نسل کا نوحہ“ نظم کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔



درج ذیل میں مسدس، مخمس، اور غزل میں امتیاز کریں:

یوں کہنے کو، میرا یہ اظہار بہت ہے
یہ دل، دلِ نداں سہی، خوددار بہت ہے

دیوانوں کو اب، وسعتِ صحرا نہیں درکار
وحشت کے لیے، سایہِ دیوار بہت ہے

بچتا ہے، گلی گلوچوں میں، نقارۃ الزام
ملزم کہ خموشی کا، وفادار بہت ہے

جب حسنِ نکلَم پہ، کڑا وقت پڑے تو
اور کچھ بھی نہ باقی ہو، تو تکرار بہت ہے

خود آئینہ گر آئینہ چھوڑے، تو نظر آئے
دھکا ہوا ہر شعلہٴ رخسار، بہت ہے

منصف کے لیے، اذنِ سماعت پہ ہیں پہرے
اور عدل کی زنجیر میں، جھٹکار بہت ہے
(زہرہ نگار)

چلنا وہ بادِ صبح کے، جھونکوں کا، دم بہ دم
مرغانِ باغ کی، وہ خوش الحانیاں، بہم
وہ آب و تابِ نہر، وہ موجوں کا چچ و خم
سردی ہوا میں، پر نہ زیادہ، بہت، نہ کم
کھا کھا کے اوس، اور بھی سبزہ، ہرا ہوا
تھا موتیوں سے، دامنِ صحرا، بھرا ہوا
(میر انیس)

مسجد بھی، آدمی نے بنائی ہے، یاں میاں
بنے ہیں، آدمی ہی امام، اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں، آدمی ہی قرآن، اور نمازیاں
اور آدمی ہی، ان کی پڑاتے ہیں، بُتیاں
جو ان کو، تازتا ہے سو ہے، وہ بھی آدمی
(نظیر اکبر آبادی)

داستان تیاری میں باغ کی

۷



اس نظم کی حد ریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کلام / بات کو آغاز / درمیان سے سن کر، نظم کے مرکزی خیال، نکتے یا تصویر تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ اور موضوع بیان کر سکیں۔
- طویل کلام کو اپنے حافظے سے دیگر مثالوں کے ساتھ ادا کر سکیں۔
- مختلف مصنفین / شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کا تجزیہ کر سکیں۔
- مختلف مصنفین / شعرا کی تخلیقات اور ادب پاروں کو پڑھ سکیں اور اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہو سکیں اور عصری تناظر میں اس کا تجزیہ اور تبصرہ کر سکیں۔
- مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متن میں متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- متن پڑھ کر خیالات، آراء اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ کر سکیں۔
- مختلف اصناف ادب (منثور / منظوم) کی ڈرامائی تشکیل کر سکیں۔

خاص	مئے آرخوانی	منقول و معقول	زربفت	قاز اور قرقرے	چھپیں
الفاظ	صنڈل	دست بستہ	شاخ شنبو	نشرن	زرنگار

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو پابند نظم، آزاد نظم اور نظم معری کے حوالے سے آگاہی دیں۔



مشوی کس طرح کی نظم کو کہتے ہیں اور فکری اور فنی اعتبار سے یہ دوسری نظموں سے کس طرح مختلف ہے؟

کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا
ہوا رنگ سے جس کے لالہ کو داغ
لگے جس میں زربفت کے سائبان
دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
کیا پھوٹنا لطف اس میں سا

مئے آرخوانی چلا سا قیا!
دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
عمارت کی خوبی، دروں کی وہ شان
چھپیں اور پردے بندھے زرنگار
دیے چار سو آئینے جو لگا

وہ مغل کا فرش اُس میں ستھرا کہ بس
 زمیں پر تھی اِس طور اُس کی جھلک
 زمیں کا کروں واں کی کیا میں بیاں
 بنی سنگ مرمر سے چوڑے کی نہر
 زمرہ کے مانند سبزے کا رنگ
 روش کی صفائی پہ بے اختیار
 چمن سے بھرا باغ، گل سے چمن
 چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
 کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشان
 کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار
 کہیں جعفری اور گیندا کہیں
 عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
 کہیں زرد نسریں کہیں نسترن
 پڑی آبِ بُو، ہر طرف کو ہے
 گلوں کا لبِ نہر پہ جھومنا
 خراماں صبا صحن میں چار سو
 کھڑے نہر پہ قاز اور قرقرے
 صدا قرقوں کی، بطوں کا وہ شور
 صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے بھول
 درختوں نے برگوں کے کھولے ورق
 ساں قمریاں دیکھ اُس آن کا
 کنیزانِ مہِ رو کی ہر طرف ریل
 کوئی کیسکی اور کوئی گلاب
 کوئی سیوتی، اور ہنس مکھ کوئی

بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس
 ستاروں کی جیسے فلک پر چمک
 کہ صندل کا اک پارچہ تھا عیاں
 گئی چار سو اُس کے پانی کی لہر
 روش کا، جواہر ہوا جس سے سنگ
 گل اشرفی نے کیا زرِ نثار
 کہیں زمرس و گل، کہیں یاسمن
 کہیں رائے تیل اور کہیں موگرا
 مدن ہان کی اور ہی آن ہان
 جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار
 ساں شب کو داؤدیوں کا کہیں
 ہر اک گل سفیدی سے مہتاب دار
 عجب رنگ پر زعفرانی چمن
 کریں قمریاں سرو پہ چھپے
 اُسی اپنے عالم میں مٹھ چُومنا
 دماغوں کو دیتی پھرے گل کی بُو
 لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے
 درختوں پہ بگے، منڈیروں پر مور
 پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول
 کہ لیں طوطیاں بوستان کا سبق
 پڑھیں باپ پنجم گلستان کا
 چنبیلی کوئی، اور کوئی رائے تیل
 کوئی مہِ رتن اور کوئی ماہِ تاب
 کوئی دل لگن، اور تن سکھ کوئی

پلا جب وہ اس ناز و نعمت کے ساتھ
 ہوئی اُس کے کتب کی شادی عیاں
 معلم، اتالیق، مٹی، ادیب
 کیا قاعدے سے شروع کلام
 معانی و منطق، بیان و ادب
 خبردار، حکمت کے مضمون سے
 لگا بیت و ہندسہ تا نجوم
 لیا ہاتھ جب خامہ مشک بار
 شکستہ لکھا اور تعلیق جب
 گیا نام پر اپنے وہ دل پذیر
 پدر اور مادر کی شفقت کے ساتھ
 ہوا پھر انھیں شادیوں کا سماں
 ہر اک فن کے استاد بیٹھے قریب
 پڑھانے لگے علم اس کو تمام
 پڑھا اُس نے منقول و معقول سب
 غرض جو پڑھا اُس نے، قانون سے
 زمیں آسمان میں پڑی اُس کی دھوم
 لکھا نسخ و ریحان و خطِ غبار
 رہے دیکھ حیراں اتالیق سب
 ہر اک فن میں سچ گنج ہوا بے نظیر
 (مثنوی: سحر الہیان)

میر حسن (۱۷۳۶ء-۱۷۸۶ء)

نام میر غلام حسن اور حسن تھی محض تھا۔ دہلی کے محلہ سید واڑہ میں پیدا ہوئے۔ نامور بھو گو شاعر میر ضاحک کے بیٹے، میر خلیق کے والد اور مشہور مرثیہ نگار میر انیس کے دادا تھے۔ تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ دہلی کے اُچرنے پر اپنے والد کے ساتھ فیض آباد چلے گئے اور وہاں نواب سالار جنگ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ بعد ازاں اُن کے بیٹے نواب نوازش علی خاں کی مصاحبت اختیار کر لی۔ جب نواب آصف الدولہ نے اپنا دار الحکومت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا تو یہ بھی لکھنؤ آ گئے۔

شعر و شاعری کا نکلنا اُن کو دراشت میں ملا تھا۔ انھوں نے غزلیں اور قصائد بھی لکھے ہیں تاہم اُن کی اصل وجہ شہرت مثنوی ”سحر الہیان“ ہے جسے اُردو کی بہترین مثنوی کا درجہ حاصل ہے۔ یہ مثنوی ایک منظوم داستان ہے جس میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی واقعہ نگاری، کردار نگاری اور منظر کشی کی کامیاب ترین کوشش کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی معاشرت، تمدن اور رسم و رواج کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ اس مثنوی کے بعض شعریا مصرعے ضرب المثل بن چکے ہیں۔ اس مثنوی کا اندازِ بیاں رواں اور بے ساختہ ہے۔ زبان اس قدر صاف اور سادہ ہے کہ ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی تازہ اور دل کش معلوم ہوتی ہے۔



۱۔ درج ذیل میں شامل نصاب مثنوی کے حصے میں سے چند اشعار آغاز اور چند اشعار درمیان سے دیے جا رہے ہیں۔ اک طالب علم ان اشعار کی درست تلفظ کے ساتھ بلند خوانی کرے۔ باقی طلبہ دونوں حصوں کو سن کر، نظم کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھیں اور موضوع بیان کریں:

(آغاز کے اشعار)

مے ارغوانی پلا سا قیا!	کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا
دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ	ہوا رنگ سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی، دروں کی وہ شان	لگے جس میں زربفت کے ساہان
چھتیں اور پردے بندھے زربکار	دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
دیے چار سو آئینے جو لگا	گیا چھوٹا لطف اُس میں سا
وہ محل کا فرش اُس میں سترا کہ بس	بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس
زمین پر تھی اِس طور اُس کی جھلک	ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

(نظم کے درمیان کے اشعار)

چمن سے بھرا باغ، گل سے چمن	کہیں زمرس و گل، کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا	کہیں رائے بیل اور کہیں مو گرا
کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشان	مدن بان کی اور ہی آن بان
کہیں ارغواں آور کہیں لالہ زار	جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار
کہیں جعفری اور گیندا کہیں	سماں شب کو داؤ دیوں کا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار	ہر اک گل سفیدی سے مہتاب دار
کہیں زرد نرس کہیں نسرین	عجب رنگ پر زعفرانی چمن

۲۔ مثنوی ایک طویل نظم ہوتی ہے جس میں ایک داستان کو قصہ در قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ شامل نصاب نظم پارہ ”داستان تیاری میں باغ کی“ بھی میر حسن کی معروف مثنوی ”سحر البیان“ کا ایک جزو ہے جو بذاتِ خود طویل ہے۔ آپ اسے غور سے پڑھیں اور اسے اپنے حافظے سے دیگر مثالوں کے ساتھ یاد کریں۔

۳۔ میر حسن کا تعلق اردو کے ”دبستانِ لکھنؤ“ سے تھا۔ ناگفتہ بہ سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کی وجہ سے دیگر تخلیق کاروں کی طرح آپ بھی اپنے خاندان کے ساتھ دلی سے ہجرت کر کے ریاستِ اودھ گئے تھے۔ ریاستِ اودھ اُن دنوں خوش حالی اور قارغِ الہالی کی ایک ایسی تصویر تھا جس میں دولت کی ریل پیل کے باعث، تصنع، دکھاوا اور بناوٹ پورے معاشرے کا مزاج تھا۔ شکوہِ لفظی، زبان و بیان پر روزمرہ محاورات کی چھاپ اور کلام کی دیگر ظاہری خوبیاں ”دبستانِ لکھنؤ“ پر چھائی ہوئی تھیں۔ اس تناظر میں مذکورہ مثنوی کی زبان و بیان کی اہمیت اجاگر کریں۔

اسی زمانے کے آس پاس ”دبستانِ دلی“ ہندوستان میں ہندو اسلامی تہذیب کے زوال کا رونا رورہا تھا۔ الطاف حسین حالی ”مد و جزرِ اسلام“ کے ذریعے مسلمانانِ ہند کو شکوہ و رقت کے آئینے میں مستقبل دکھانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ میر حسن ہوں یا الطاف حسین حالی دونوں نے اپنے عہد کو اپنی شاعری میں قلم بند کر دیا ہے۔

آپ دونوں شعرا کی تخلیقات اور ادب پاروں کو پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں ان کا تجزیہ کرنے کے ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کریں۔ جہاں مشکل پیش آئے اپنے استاد محترم / استانی صاحبہ سے رہ نمائی حاصل کریں۔

مقن میں متبادلات سے واقفیت:

ماہرینِ لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کی تمام زبانیں ایک دوسرے سے الفاظ کا لین دین کرتی ہیں۔ قدیم زبانوں سے لے کر جدید زبانوں تک یہ عمل تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ فی زمانہ سوشل میڈیا کی وجہ سے دنیا ”گلوبل ولیج“ بن چکی ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں، تہذیبوں اور ثقافتوں کے مختلف زبانیں بولنے والے ایک دوسرے کے ساتھ باہم منسلک ہو گئے ہیں۔ اس لیے زبانوں کا یہ لین دین نہ صرف زیادہ ہو گیا ہے بلکہ اپنی اثر پذیری کی وجہ سے اس کی رفتار میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ کسی بھی زبان کے الفاظ کسی دوسری زبان کے متبادل لفظ کے طور پر اپنا مکمل اظہار اور الجراح کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اردو زبان میں بھی علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی زبانوں کے متعدد الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اشعار ہویں صدی عیسوی سے پیشتر اردو زبان پر ہندی، سنسکرت، عربی اور فارسی کی چھاپ تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کے غاصبانہ قبضے کے بعد خاص طور پر انگریزی کے متعدد الفاظ اردو میں راہِ پانا شروع ہوئے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سرکاری اور نجی سطح پر شعوری کوششیں بھی ہوئیں۔ جو معاملہ سر سید احمد خاں اور اکبر الہ آبادی سے شروع ہوا تھا اس نے اب تو یہ صورتِ حال اختیار کر لی ہے کہ انگریزی زبان کے بے شمار الفاظ اپنی اصل کے اعتبار سے ہی اردو میں استعمال ہو رہے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اردو میں انگریزی یا غیر مانوس بھی نہیں لگتے۔ یہ اردو زبان کے دامن کی وسعت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگرچہ انگریزی زبان کے ان الفاظ کا متبادل اردو زبان میں بھی مستعمل ہے۔ مثلاً: ٹیبل، چیئر، پلیٹ، اسکول، روڈ، موٹر وے وغیرہ

۴۔ متبادلات کی تلاش ایک عمدہ اور دل چسپ ذہنی مشق ہے۔ ذیل میں اکبر الہ آبادی کے چند اشعار دیے جا رہے ہیں۔ آپ ان اشعار کے مفہوم کو برقرار رکھیں اور متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے ان کا استعمال کریں:

چننی اس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
دل، جوشِ مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پیاری اور مجھ کو پیارا لکھے
القاب میں دیکھیے تو ”ڈیر کلو“ ہے

میں ہوا ان سے رخصت لے اکبر
وصل کے بعد خیمک یو کہ کر

چھوڑ لڑیچر کو اپنی ہسری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر، اسکول جا
چاردن کی زندگی ہے کوفت کا کیا فائدہ
کر کلر کی، کھا ڈبل روٹی، خوشی سے پھول جا
پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
مل کا آنا ہے، مل کا پانی ہے
آب و دانہ کی حکم رانی ہے

۵۔ اکبر الہ آبادی کے درج بالا اشعار نہ صرف اُن کا کلام ہے بلکہ اُن کی شاعری کا باقاعدہ ایک رویہ ہیں۔ اکبر الہ آبادی کے درج بالا اشعار کے متن کو پڑھ کر خیالات، آراء اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ کریں۔



۱۔ استاد محترم / استانی صاحبہ سے رہ نمائی لے کر ”داستان تیاری میں ہدایت“ کی ڈرامائی تشکیل کریں۔



حصہ غزل





غزل ۱: خواجہ میر درد

اس غزل کی ہر ریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔
- کسی نظم (منظوم کلام) میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر / مصنف اور قارئین کے نقطہ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۱۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔
- اصنافِ نظم کے محاسن (علم بیان) کو شناخت کر سکیں۔

خاص	جگ	مسیحائی	آہ اور زاری	عاشقِ یزاج	حبسہ مختصر
الفاظ	ادھر ادھر	نالہ	سو سو طرح سے	نردیکھا	آنکھ بھر دیکھا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو متن پڑھ کر حوالوں اور دلائل کے ساتھ متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ کرنے کے حوالے سے آگاہ کریں۔
- نعت اور تمہیاس کو استعمال کرے کے طریقے سے آگاہ کریں۔



بائیں سے دائیں

صوفی شاعر کے کہتے ہیں اور تصوف کیا ہوتا ہے؟

پڑھیں



جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر ، جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ، فریاد، آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا، سو کر دیکھا

اُن لیوں نے نہ کی مسیحا
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

زور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو، قصہ مختصر، دیکھا

(دیوان: میر درد)

خواجہ میر درد (۱۷۱۹ء-۱۷۸۵ء)

نام خواجہ میر، تخلص درد تھا۔ والد کا نام خواجہ محمد ناصر عندلیب تھا۔ والد کا تھان بھی شعر و شاعری کی طرف تھا۔ اُن کا دیوان ”نالہ عندلیب“ کے نام سے مشہور ہے۔ درد کی تعلیم و تربیت میں ان کے والد کا بھی بہت حصہ ہے۔ وہ ۲۸ برس کی عمر میں دنیا چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور ملکی انتشار کے باعث جب اکثر شعرا اپنی کو چھوڑ کر دوسرے شہروں کی طرف چلے گئے تو ان حالات میں درد و احمد شاعر تھے جو ہر حال میں وہاں موجود رہے اور زندگی کے آخری لمحات اپنی ہی اسی بارہوری میں گزاریے، جہاں اُن کا قیام رہا تھا۔

درد کو موسیقی سے بھی بہت شغف تھا۔ وہ خود اس فن میں صاحبِ کمال تھے۔ ان کے مکان پر ہر ماہ محفلِ سماع منعقد ہوتی تھی جس میں بڑے بڑے قوال اور ماہرینِ فن جمع ہوتے اور اپنا کمال دکھاتے۔ درد کی شاعری ان کی حقیقی زندگی کا عکس معلوم ہوتی ہے۔ وہ اردو کے سب سے بڑے صوفی شاعر تھے۔ ان کی شاعری تصوف کے سنجیدہ مسائل کے باوجود سادگی اور معنی آفرینی کے جوہر سے مالا مال ہے۔ ان کے یہاں بے تکلفی اور بے ساختہ پن نظر آتا ہے۔ اثر پذیری اور درد مندی ان کا خاص وصف ہے۔ ان کا دیوان اگرچہ مختصر ہے لیکن سراپا درد ہے۔



۱۔ درج ذیل سوالات کے جواب لکھیں:

الف۔ محبوب جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

ب۔ جگ میں آکر شاعر کس نتیجے پر پہنچا؟

اس شعر کا مرکزی خیال لکھیں۔

ج۔ نالہ، فریاد، آہ اور زاری ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

د۔ شاعر کو اپنے محبوب سے کیا شکایت ہے؟ بہ حوالہ شعر ۴

۲۔ شاعر نے قصہ مختصر کرنے کا کیوں کہا؟ بہ حوالہ شعر ۵

۲۔ مٹی مٹی غزل کے درج ذیل حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزیات کے ساتھ تبصرہ پیش کریں:

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تُو ہی آیا نظر ، جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تُو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ، فریاد، آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا، سو کر دیکھا

۳۔ تصوف کی روایات اور موضوعات کی مناسبت سے خواجہ میر درد کا نام بہت اہم ہے۔ میر درد کی اس غزل میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر / مصنف اور قارئین کے نقطہ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔

۴۔ طلبہ ”یوم اقبال“ کے مقاصد اور سامعین کی دلچسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے، مختلف اشعار، حوالہ جات کی مدد سے کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھیں اور صبح کی اسمبلی میں سنائیں۔

اصنافِ نظم کے محاسن: (علم بیان: تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل)

۱۔ تشبیہ اور ارکان تشبیہ

تشبیہ کے لفظی معنی ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینا یا مثال دینا۔ علم بیان کی رو سے ایک چیز کسی مشترک خوبی کی بنا پر دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے۔ جب کہ وہ خوبی دوسری چیز میں زیادہ پائی جاتی ہو تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً: چشمے کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہے۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

تشبیہ کے پانچ ارکان ہوتے ہیں:

مشبہ: جس کو تشبیہ دی جائے۔ جیسے اوپر دی گئی مثالوں میں پانی اور ہستی

مشبہ بہ: جس سے تشبیہ دی جائے۔ جیسے اوپر دی گئی مثالوں میں برف اور حباب

حرف تشبیہ: وہ حروف جو تشبیہ دینے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے اوپر دی گئی مثالوں میں کی طرح، کی سی

وجہ تشبیہ: وہ مشترک خوبی جسے واضح کرنا مقصود ہو۔ جیسے اوپر دی گئی مثالوں میں ٹھنڈک، عارضی یا نازک پن

غرض تشبیہ: وہ مقصد جس کے لیے تشبیہ دی جائے۔ جیسے اوپر دیے گئے شعر میں پانی کا ٹھنڈا ہونا، زندگی کا عارضی یا نازک ہونا

ii۔ استعارہ اور ارکان استعارہ

استعارہ کے لفظی معنی ادھار لینے کے ہیں۔ علم بیان کی رو سے جب کوئی لفظ اصل کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور اس کے حقیقی اور مجازی معنوں کا میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ تشبیہ میں جو بات مشبہ میں ہوتی ہے اس کا ذکر استعارہ میں نہیں ہوتا۔ لیکن استعارہ میں مشبہ بہ کو مشبہ مان لیا جاتا ہے۔ مثلاً: ماں اپنے بچے کے لیے کہے: چاند سو رہا ہے۔

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

ارکان استعارہ: استعارہ کے تین ارکان ہوتے ہیں۔

الف۔ مستعار لہ: جس کے لیے لفظ ادھار لیا جائے اس کا ذکر استعارے میں نہیں ہوتا۔ اوپر دی گئی مثالوں میں بچہ اور عظیم شخصیت (مرزا غالب) بہ طور مستعار لہ کے استعمال ہوئے ہیں۔

ب۔ مستعار منہ: جو لفظ یا معنی ادھار لیے جائیں۔ اوپر دی گئی مثالوں میں چاند اور روشن چراغ
ج۔ وجہ جامع: مشترک خوبی یا خرابی، اوپر دی گئی مثالوں میں خوب صورتی اور علم کی روشنی۔

iii۔ کنایہ

کنایہ کے لغوی معنی چھپی ہوئی، پوشیدہ یا مبہم بات کے ہیں۔ جب کوئی لفظ حقیقی کی بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس سے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکیں۔ مثلاً: بال سفید ہو گئے مگر عادتیں نہ بدلیں۔ یہاں بال سفید ہونا سے مراد عمر کا زیادہ ہونا ہے۔

اُسے کالے نے کانٹا سے مراد سانپ نے کانٹا۔

کنایہ کی جیسے اقسام بتائی جاتی ہیں: کنایہ قریب، کنایہ بعید، تلمیح، تعریض، رمز، ایما

iv۔ مجاز مرسل:

اگر کسی لفظ کو حقیقی کی بجائے مجازی (غیر حقیقی) معنوں میں استعمال کیا جائے اور دونوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔ مجاز مرسل کے استعمال کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

- (i) جزو کہ کر کل مراد لینا۔ مثلاً انسان کی زندگی چار دن کی ہے۔
- (ii) کل کہ کر جزو مراد لینا۔ مثلاً احمد لاہور میں رہتا ہے۔
- (iii) ظرف کہ کر مظروف مراد لینا۔ مثلاً اکرم نے بوتل پی۔
- (iv) مظروف کہ کر ظرف مراد لینا۔ مثلاً چائے چو لھے پر رکھی ہے۔

(v) سب بول کر مسبب مراد لینا۔ مثلاً آج تو بادل خوب برسے ہیں۔

(vi) مسبب بول کر سب مراد لینا۔ مثلاً دریابہ رہا ہے۔

(vii) ماضی بول کر حال مراد لینا۔ مثلاً کسی ریٹائرڈ پرنسپل کو اب بھی پرنسپل کہنا۔

(viii) مستقبل بول کر حال مراد لینا۔ مثلاً میڈیکل کے طالب علم / طالبہ کو ڈاکٹر کہہ کر پکارنا۔

۵۔ تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کے استعمال کے دو دو اشعار لکھیں۔



درج ذیل میں سے تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کی شناخت کریں:

یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
ساغرِ جم سے برا جامِ سفال اچھا ہے
دنیا کے پاس دینے والی نظر کہاں
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا
دیں صلواتیں قل کے بدلے
شہر میں ایک چراغ تھا نہ رہا
دھوم ہے پھر بہار آنے کی
کل اُس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
اُدے اُدے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن
دو گز زمیں نہ ملی کُوئے یار میں

جگنو کی روشنی ہے کاشانہ چمن میں
اور لے آئے بازار سے اگر ٹوٹ گیا
پلکوں سے گر نہ جائیں یہ موتی سنبھال لو
کہا میں نے کتنا ہے گل کو ثبات
سنگ زنی کی گل کے بدلے
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
کچھ کرو فکر مجھ دیوانے کی
جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
کتنا ہے بدنصیب ظفرِ دفن کے لیے



غزل ۲: مرزا اسد اللہ خان غالب

اس غزل کی ہد ریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی بھی نظم (غزل) کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلو پیڈیا، لغات وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے بر عمل استعمال کر سکیں۔
- نظم / غزل سے اشعار کی حوالوں (شاعری کا پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- اصنافِ نظم کے محاسن کو شناخت کر سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو کو یہ نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۱۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔

خاص	اُجزائے ایماں	اہلِ جہاں	دیواریںِ زنداں	پہناں	بزمِ آرائیاں
الفاظ	نگارِ طاقِ نسیاں	غزلِ خواں	موجد	کیش	وِستاں

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- درست آہنگ کو ملحوظ رکھتے ہوئے طلبہ کو با آواز بلند تحت اللفظ غزلِ ادائی کی نشست کروائی جائے۔ غزل خوانی سے قبل غالب کا سوانحی تعارف کروائیں۔ اردو غزل کی تاریخ میں غالب کے مقام اور مرتبے کا احساس پیدا کریں۔ علمِ بدیع کے حوالے سے اشعار میں مختلف صنعتوں کے استعمال کی وضاحت بھی کریں۔

اردو ادب میں شاعری کے علاوہ مرزا غالب کی شہرت کی وجہ کیا

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پہناں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگِ بزمِ آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

قید میں یعقوبؒ نے لی گو نہ یوسفؑ کی خبر
لیکن آنکھیں روزِ دیاورِ زنداں ہو گئیں

میں چن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے، غزل خواں ہو گئیں

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
بتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالبؒ تو لے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

(دیوانِ غالب)

مرزا اسد اللہ غالب (۱۷۹۷-۱۸۶۹ء)

مرزا اسد اللہ بیگ خان نام اور غالب تخلص تھا۔ انھیں نجم الدولہ، دبیر الملک نظام جنگ کے خطابات حاصل تھے، عرفیت مرزا نوشہ تھی۔ وہ اردو زبان کے سب سے بڑے شاعروں میں سے ایک سمجھے جاتے ہیں۔ آگرہ میں پیدا ہوئے اور دہلی میں وفات پائی۔ ان کے والد کا نام مرزا عبد اللہ بیگ تھا۔ غالب بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ ان کی پرورش میرزا نصر اللہ بیگ خان نے کی جو ان کے چچا تھے۔ آٹھ سال کے تھے کہ ان کے چچا کا بھی انتقال ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء میں قلعہ دہلی کی ہاتھ دھواڑمت اختیار کی۔ استاد محمد ابراہیم ذوق (۱۷۹۰-۱۸۵۷ء) کی رحلت کے بعد آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے اور ملک الشعر کا مرتبہ پایا۔ دیر سے سنسن کی بحالی کے بعد عمر کا آخری حصہ اس پشیمانی پر گزارا۔ البتہ والی راہپور کا وظیفہ تاحیات ملتا رہا۔

غالب اردو اور فارسی زبانوں کے نابغہ روزگار شاعر اور ادیب تھے۔ غالب کی ادبی اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف ان کی زندگی ہی میں کیا جانے لگا تھا۔ وہ انسانی نفسیات اور زندگی کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں انسانی جذبات، احساسات اور مشاہدات بڑی ہنرمندی سے موزوں ترین الفاظ میں بیان ہوئے ہیں۔ غالب شاعری میں اپنی مشکل پسندی کے رجحان کے لیے بھی معروف ہیں۔ غالب کے کلام میں نادر تشبیہات، تماثل، کنائے، ابجاز و اختصار، شوخی اور ظرافت، معنوی پہلو داری اور فکری عناصر کی آمیزش بے حد متحرک کرتی ہے۔

۱۔ اصنافِ لُغَم کے محاسن کو شناخت کر کے درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

- (i) مشترکہ صفت کی بنیاد پر ایک چیز کو دوسری چیز جیسا کہنا، کیا کہلاتا ہے؟
 الف۔ تشبیہ ب۔ استعارہ ج۔ کنایہ د۔ مجاز مرسل
- (ii) تشبیہ میں لفظ اپنے کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے؟
 الف۔ غیر حقیقی ب۔ مجازی ج۔ مرادی د۔ حقیقی
- (iii) استعارہ کے کتنے ارکان ہوتے ہیں؟
 الف۔ ایک ب۔ دو ج۔ تین د۔ چار
- (iv) بچے نے بسم اللہ پڑھی۔ یہ جملہ کس کی مثال ہے؟
 الف۔ مجاز مرسل کی ب۔ استعارہ کی ج۔ کنایہ کی د۔ تشبیہ کی
- (v) اسے کالے نے کاٹا۔ یہ جملہ مثال ہے:
 الف۔ محاورے کی ب۔ کنائے کی ج۔ ضرب المثل کی د۔ کہاوٹ کی
- (vi) کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہوا تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا یہ شعر مثال ہے:
 الف۔ تشبیہ کی ب۔ مجاز مرسل کی ج۔ کنایہ کی د۔ استعارے کی
- (vii) جس کو تشبیہ دی جاتی ہے اسے قواعد کی رو سے کیا کہیں گے؟
 الف۔ مستعار لہ ب۔ مشبہ بہ ج۔ مشبہ د۔ وجہ جامع
- (viii) تشبیہ کے ارکان ہوتے ہیں:
 الف۔ پانچ ب۔ چھ ج۔ سات د۔ آٹھ
- (ix) استعارہ میں جس سے معافی ادھار لیے جاتے ہیں، اسے قواعد کی رو سے کیا کہیں گے؟
 الف۔ وجہ تشبیہ ب۔ مستعار منہ ج۔ مستعار لہ د۔ وجہ جامع
- (x) دریائے رہا ہے۔ قواعد کی رو سے یہ جملہ کس کی مثال ہے؟
 الف۔ تشبیہ ب۔ استعارہ ج۔ کنایہ د۔ مجاز مرسل

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

- (الف) غالب کو کیا کچھ یاد تھا جو انھیں بھول گیا؟
 (ب) غالب نے کس کی آنکھوں کو دیوارِ زندن کا روزن کہا؟

(ج) غالب کے چمن میں آنے سے بلبلوں کے غزل خواں ہونے سے کیا مراد ہے؟

(د) مرزا غالب کے مطابق ملتیں کس طرح ایمان کے اجزا بن جاتی ہیں؟

(ه) مرزا غالب کے خیال میں انسان کی مشکلیں کس طرح ختم ہوتی ہیں؟

۴۔ درج ذیل اشعار کی حوالوں کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کریں:

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاقِ نسیاں ہو گئیں
قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزِ دیوارِ زنداں ہو گئیں
میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

۵۔ ”مرزا غالب نے اردو غزل میں ایک نئی روح پھونکی۔“ معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلو پیڈیا، لغات وغیرہ سے اس موضوع کا حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے بر محل استعمال کریں۔

۵۔ مرزا غالب کی غزل کے درج ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کا پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں:

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پہ پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں
یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

۶۔ مختلف سامعین اور مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل موضوعات میں سے کسی ایک پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھیں:

الف۔ صحت و صفائی

ب۔ مسئلہ کشمیر

ج۔ حب الوطنی



ایسے دو دو اشعار لکھیں جو تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کی ذیل میں آتے ہوں۔

غزل ۳: علامہ محمد اقبال

۳



اس نظم کی حد ریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- منظوم اور منشور اصنافِ ادب پڑھ کر مصنفین کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- اپنی گفتگو میں جذبہ اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات ادا کر سکیں۔
- نظم اور غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، تنقیدی محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- الفاظ و معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں لغت اور تھیسارس کا استعمال کر سکیں۔
- درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کر سکیں۔
- نظم / غزل کے عناصر (مصرع، مصرعِ ادلی، مصرعِ مثنوی، شعرِ قافیہ، ردیف، مطلع، مقطع، مطلعِ مثنوی) کو شناخت کر سکیں اور ان کا شاعرانہ استعمال سمجھ سکیں اور شاعری میں اس کے استعمال کے فہم کو وسعت دے سکیں۔
- جملوں کی (جملوں کی ساخت، بناوٹ، روزمرہ اور محاورے کے لحاظ سے لفظ فقرات) درستی کر سکیں۔

خاص	جہی	قناعت	رنج و بو	آشیاں	نظمیں
الفاظ	آہ و فغان	روز و شب	الچہ	زمان و مکاں	رازداں

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو علامہ اقبال پہ طور قومی شاعر کے بارے میں بتائیں اور علامہ اقبال کی شاعری کے مختلف تصورات سے آگاہی دیں۔



- علامہ اقبال کو شاعر مشرق کیوں کہا جاتا

ہے؟ پچھلی جماعت میں پڑھی گئی علامہ اقبال

کی غزل کا ایک شعر بتائیں۔



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
جہی، زندگی سے نہیں یہ فضاں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قنات نہ کر عالم رنگ و بو پر
 چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
 اگر کھو گیا اک نشین تو کیا غم
 مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں
 تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
 ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
 اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
 کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
 گئے دن، کہ تنہا تھا میں انجمن میں
 یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں
 (ہالی جبریل)

علامہ اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء)

آپ ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے، جبکہ ایف۔ اے، بی۔ اے اور ایم۔ اے (فلسفہ) پانترتیب ۱۸۹۵ء، ۱۸۹۷ء اور ۱۸۹۹ء میں کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں استاد بھی رہے۔ بعد میں انگلستان سے ہار ایٹ لاکیا اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ آپ کا سن وفات ۱۹۳۸ء ہے۔ اقبال شاعر، قومی سیاسی راہ نما، عظیم مفکر، دانش ور اور صاحب علم تھے۔ ان کی شاعری ملک و قوم کے لیے بیداری، آزادی، حرکت و عمل اور خودی و خودداری کا پیغام لے کر آئی۔

علامہ اقبال کی نظموں میں تغزل کی خوبی نمایاں ہونے کے ساتھ ساتھ موضوعات اور ہیئتوں کا تنوع بھی موجود ہے۔ آغاز میں علامہ اقبال نے ”ایک پہاڑ اور گہری“، ”ایک گائے اور بکری“، ”دعا“ جیسی نظمیں بچوں کے لیے لکھیں۔ ان کے ساتھ ”والدہ مرحومہ کی یاد میں“ جیسا مرثیہ بھی تخلیق کیا۔ تاہم آپ کی نظمیہ شاعری کے نقطہ عروج کی ابتدا ”شکوہ“ اور ”جواب شکوہ“ جیسی طویل نظموں سے ہوتی ہے۔ ان معرکہ الآرا نظموں کے بعد ”خضر راہ“، ”ساقی نامہ“، ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“، ”مسجد قرطبہ“ اور دیگر نظمیں بھی تحریر کیں جن میں عالم اسلام کے انحطاط اور زوال کا روناہا نہیں روایا بلکہ ماضی کے آئینے میں مستقبل کی تصویر بھی دکھانے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ، انحطاط و زوال کے اسباب، آزادی کی تڑپ، خودی، عشق اور عقل، مغربی تہذیب و تعلیم پر تنقید جیسے اہم موضوعات کو علامہ اقبال نے اپنی فکری و فنی چمکی کے ساتھ نظموں کا حصہ بنایا۔ ان کے اردو شعری مجموعوں میں ”ہائیکو در“، ”ضرب کلیم“، ”ہالی جبریل“، ”ارمغان حجاز“ جب کہ ”پیام شرق“، ”جاوید نامہ“ اور ”اسرار خودی، رموز بے خودی“ اور ”ذبورہ غم“ فارسی کلام کے مجموعے ہیں۔

اقبال پاکستان کے قومی شاعر ہیں۔ پاکستان بننے کا خواب بھی اقبال نے دیکھا تھا، اسی وجہ سے انھیں معصوم پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔ اقبال کی شاعری ہمارے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ان کے کلام کو زیادہ سے زیادہ پڑھیں تاکہ ہمارے اندر اسلامی اور پاکستانی سوچ پروان چڑھے۔

۱۔ متن / دی گئی غزل کے مطابق درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

(i) غزل کے مطلع کی بنیادی شرط ہے:

الف: دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں ب: دونوں مصرعے ہم ردیف ہوں ج: غزل کا پہلا شعر ہو د: غزل کا آخری شعر ہو

(ii) اس غزل کی ردیف ہے:

الف: اور بھی ہیں ب: اور ج: اور بھی د: بھی ہیں

(iii) غزل کے دوسرے شعر میں قافیہ استعمال ہوا ہے:

الف: امتحان ب: کارواں ج: آشیاں د: جہاں

(iv) غزل کے کون سے شعر کے دونوں مصرعوں میں مرکب عطفی استعمال ہوا ہے؟

الف: چوتھے ب: پانچویں ج: چھٹے د: ساتویں

(v) غزل کے مطابق ”شاہین“ کس طرف پرواز کرتا ہے؟

الف: آبادی کی طرف ب: جنگل کی طرف ج: آسمان کی طرف د: زمین کی طرف

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:

الف۔ اس غزل کا بنیادی تصور کیا ہے؟

ب۔ ”ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں“ اس مصرعے کی وضاحت کریں۔

ج۔ شاعر نے اس غزل کے کس شعر میں ”صنعت تضاد“ استعمال کی ہے؟ مثال دیں۔

د۔ غزل کا پانچواں شعر ”علم بیان“ کی کس قسم کی مثال ہے؟

۳۔ شامل نصاب غزل کو پڑھ کر ”علامہ اقبال“ کی غزل گوئی پر تبصرہ کریں۔

۴۔ درج ذیل اشعار کے حوالوں (فنی اور فکری جائزہ لیتے ہوئے) کے ساتھ تشریح کریں:

تھی، زندگی سے نہیں یہ فضا میں

یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر

چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشین تو کیا غم

مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا

کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

۵۔ طلبہ، علامہ اقبال کی نظم ”ایک گائے اور بکری“ کو اپنی گفت گو کے انداز میں تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیت میں پیش کریں۔

۶۔ درج ذیل جملوں کو ساخت، بناوٹ، روزمرہ اور محاوروں کے لحاظ سے درست کریں:

الف۔ زاہد اور میں مری کی سیر کو گیا۔

ب۔ دن بدن مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے۔

ج۔ فقیر نے مجھے دعا نکالی۔

د۔ ملزم، پولیس کو دیکھ کر سات چار، گیارہ ہو جاؤ۔

ہ۔ دوست وہ جو خوشی میں کام آئے۔

نعت اور تہیارس استعمال

اُردو زبان و ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمارے سامنے بہت سے ایسے الفاظ آتے ہیں جو ہمارے لیے غیر مانوس ہوتے ہیں اور ہم نہ صرف ان کے معانی اور مطالب سے واقف نہیں ہوتے بلکہ اس بات سے بھی بے خبر ہوتے ہیں کہ ان الفاظ کی اصل کیا ہے اور وہ کہاں سے اور کس زبان سے آئے ہیں اور اُردو میں آکر انھوں نے کیا شکل اختیار کی ہے؟ اسی طرح ان کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں اور ان کے استعمال کا طریقہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ جاننے کے لیے نعت کا سہارا لیا جاتا ہے۔

تھیارس لفظوں کا ارتقا بیان کرتا ہے۔ تھیارس لفظ یونانی زبان سے انگریزی میں آیا ہے اور اس کا مطلب ہے ذخیرہ یا خزانہ۔ بعد میں یہ لفظ خزینہ الفاظ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ تھیارس ہمیں مختلف موضوعات اور تصورات کے بارے میں مناسب لفظوں کی فہرست مہیا کرتا ہے۔

مثلاً: اگر ہم ”بے اطمینانی“ کے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہیں تو تھیارس ہمیں اس طرح کے الفاظ مہیا کرے گا: عدم طمانیت، نا آسودگی، اختلاف، ہدمزاجی، چڑچڑاپن، شکوہ شکایت، نکتہ چینی، دل برداشتگی، مایوسی، کرب، بیچ و تاب، ملال، ناراضی، جُزبُز، آزرده وغیرہ۔
۷۔ الفاظ و معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں درج ذیل کے لیے نعت اور تھیارس کا استعمال کریں:

مسجد، بدن، داستان، منڈی، فرنیچر، مدرسہ، دارالمطالعہ

۸۔ درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کریں۔

جگ، ادھر ادھر، نظر، جدھر، بدن، مسیحا، عاشق مزاج

نظم / غزل کے عناصر:

شعر:

مصرع: مصرع کے لغوی معانی ہیں دروازے کا ایک پت، ایک تختہ یا ایک طرف کا کواڑ۔ اصطلاح میں آدھا شعر، بیت یا فرد کا نصف حصہ۔ شعر کی ایک سطر کو مصرع کہتے ہیں۔

مصرع اولی: شعر کے پہلے مصرعے یا سطر کو مصرع اولی کہتے ہیں۔

مصرع ثانی: شعر کے دوسرے مصرعے کو مصرع ثانی کہا جاتا ہے۔

قافیہ: قافیہ لفظ قفوسے ماخذ ہے جس کے معانی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ شعری اصطلاح میں ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔ قافیہ کے بغیر غزل نہیں ہو سکتی۔

ردیف: ردیف کے لغوی معانی گھڑ سوار کے پیچھے ٹٹھنے والے کے ہیں۔ شعر اصطلاح میں قافیہ کے بعد دہرائے جانے والے الفاظ کو ردیف کہتے ہیں۔ ردیف کے بغیر غزل ہو سکتی ہے اس لیے جس غزل میں ردیف ہو گا اسے ”مردف“ غزل جب کہ جس غزل میں ردیف نہیں ہو گا اسے غیر مردف غزل کہیں گے۔

مطلع: مطلع کے لغوی معانی ہیں طلوع ہونے کا مقام۔ غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ یا ہم ردیف ہوں تو اسے مطلع کہا جاتا ہے۔

مطلع ثانی: قصیدے یا غزل میں اگر مطلع کے بعد ایسا شعر آجائے جس میں قافیہ ردیف کا اہتمام مطلع ہی کے طرز پر ہو تو اسے مطلع ثانی کہیں گے۔

مقطع: مقطع کے معانی قطع کرنے یا کاٹنے کے ہیں۔ غزل یا قصیدے کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں جس میں شاعر اپنا تخلص بھی استعمال کرے۔

۹۔ درج ذیل غزل میں سے شعر، مصرع، مصرع اولی، مصرع ثانی، قافیہ، ردیف، مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کو شناخت کریں اور ان کے شاعرانہ استعمال کے فہم کی وسعت کو سمجھیں:

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

تیرا در چھوڑ کے میں اور کدھر جاؤں گا
گھر میں گھر جاؤں گا صحرا میں بکھر جاؤں گا

تیزے پہلو سے جو اٹھوں گا تو مشکل یہ ہے
صرف اک شخص کو پاؤں گا جدھر جاؤں گا

چارہ سازوں سے الگ ہے برا معیار کہ میں
دخم کھاؤں گا تو کچھ اور سنور جاؤں گا

زندگی صبح کی مانند جلاتا ہوں ندیم
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا
(احمد ندیم قاسمی)



اپنے کالج کے کتب خانے سے علامہ اقبال کی کتاب ”ہائیکِ در“ سے کوئی سی غزل تلاش کریں اور اپنی استانی صاحبہ / استاد محترم کی نگرانی میں اسے ترنم کے ساتھ اپنی جماعت کے طلبہ ساتھیوں کو سنائیں۔

غزل ۴: محسن احسان

۴



اس غزل کی ہدایات کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مباحثوں، مذاکروں اور سیمیناروں میں حصہ لیتے ہوئے کسی موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کر سکیں۔
- غزل کی شاعری میں مطلع، مطلع جانی اور مقطع کو شناخت کر سکیں اور ان کے استعمال کی اہمیت واضح کر سکیں۔
- ڈبیکھیل لا بھریری / لا بھریری کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اس کا استعمال کر سکیں۔
- محاورات اور ضرب الامثال کے استعمال سے تخلیقی تمادیر میں معنویت اور معیار کو بڑھا سکیں۔
- مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متن میں متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- محازی اور اصطلاحی محضر میں گفت گو کر سکیں۔
- اصناف نظم کے محاسن (علم بدیع) کو شناخت کر سکیں۔

خاص	نشاطِ شام وصال	مہ و سال	سیرِ سما	چشم پوشی	امیر شہر جمال
الفاظ	آسیرِ جرم و ہوا	فکس	غم شناس	زعم خود نگری	منقرب و جاہ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو ڈبیکھیل لا بھریری / لا بھریری کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب سمجھاتے ہوئے اس کا استعمال کرنا سکھائیں۔ اس مقصد کے لیے طلبہ کو لا بھریری لے کر جائیں تاکہ مختلف الماریوں میں پڑی ہوئی مختلف کتابوں مثلاً: ناول، افسانے، ڈرامے، داستان، سفر نامے کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اس کا استعمال کریں۔

خبیر بختون خوا کے چند قوی سلع کے معروف
ادبوں اور شعرا کے نام بتائیں۔

وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے جو نشاطِ شام وصال دے
جو پلک جھپک میں گزر گئے مجھے پھر وہی مہ و سال دے
یہ گدازوں کی ہیں بستیاں یہاں چشم پوشی گناہ ہے
تو امیر شہر جمال ہے تو زکوٰۃ حسن و جمال دے

مجھے شوق سیرِ سا نہیں میں اسیرِ حرص و ہوا نہیں
میں قفس میں عمر گزار دوں وہ ضمانتِ پروہال دے

براغمِ شناس کوئی تو ہے، میرے آس پاس کوئی تو ہے
میرے حرف کو جو خلوص دے میرے لفظ کو جو کمال دے

تجھے زعمِ خود نگری سہی، مجھے فخرِ قربِ حبیب ہے
میں ہوں عکس عکس میں جلوہ گر مجھے آئینوں سے نکال دے

وہی تیرگی کی روایتیں، وہی ظلمتوں کی حکایتیں
تُو وکیلِ صبحِ حیات ہے، کوئی روشنی کی مثال دے

نہ ہے چاہِ منصب و جاہ کی، نہ ہوس ہے تخت و کلاہ کی
میں غریب ہوں تو غیور رکھ مجھے صرف رزقِ حلال دے

میری سوچ میں نئے موسموں کی گفتگو کی شمیم ہو
میں اسیرِ فکرِ قدیم ہوں مجھے تازگیِ خیال دے

ہے دعائے محسن بے نوا کہ نگارِ شعر کو ہو عطا
وہ چمک جو تابشِ مہر دے وہ مہک جو نایبِ غزال دے
(ناگزیر)

محسن احسان کا اصل نام احسان الہی تھا اور وہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو پشاور میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے انگریزی ادب میں ماسٹر کیا تھا اور ۳۵ سال تک اسلامیہ کالج، پشاور میں انگریزی کی تدریس سے وابستہ رہے تھے۔

محسن احسان کی نظموں اور غزلوں کے مجموعے ”نا تمام“، ”ناگزیر“، ”ناشنیدہ“، ”نارسیدہ“ اور ”سخن سخن مہتاب“ نعتیہ شاعری کا مجموعہ ”اجمل واکمل“، قوی نظموں کا مجموعہ ”مٹی کی مہکار“ اور بچوں کی شاعری کا مجموعہ ”پھول پھول چہرے“ کے نام سے اشاعت پذیر ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے خوش حال خان ٹھٹک اور رملن ہاکی شاعری کو بھی اردو کے قالب میں ڈھالا تھا۔ حکومت پاکستان نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں ۱۹۹۹ء میں صدارتی تمغا برائے حسن کارکردگی عطا کیا تھا۔ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۰ء کو محسن احسان برطانیہ کے شہر لندن میں وفات پا گئے۔ وہ پشاور میں پشاور یونیورسٹی کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔

مشق



۱۔ درج ذیل سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) ہم آواز الفاظ کو کیا کہتے ہیں؟

الف۔ ردیف ب۔ محاورہ ج۔ ذومعانی الفاظ د۔ قافیہ

(ii) قافیہ کے بعد دہرائے جانے والے الفاظ کو کہتے ہیں:

الف۔ ردیف ب۔ روزمرہ ج۔ تشابہات د۔ ہم آواز الفاظ

(iii) ایسی غزل جس میں ردیف استعمال ہو، اُسے کیا کہتے ہیں؟

الف۔ مردف ب۔ غیر مردف ج۔ مسجع د۔ بے وزن

(iv) مطلع، غزل کا کون سا شعر ہوتا ہے؟

الف۔ پہلا ب۔ دوسرا ج۔ درمیان کا د۔ آخری

(v) وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے جو نطاطِ شام وصال دے

اس شعر میں قافیہ کون سے الفاظ کو کہیں گے؟

الف۔ آنکھوں، نطاط ب۔ ڈال، وصال، سال ج۔ خواب، مجھے د۔ دے، دے

(vi) عورتوں سے متعلق باتیں کرنا۔۔۔ قواعد کی رو سے کس کے معانی ہیں؟

الف۔ قصیدہ ب۔ شہر آشوب ج۔ غزل د۔ مثنوی

۲۔ درج ذیل اشعار پڑھ کر دیے گئے سوالات کے جواب لکھیں:

وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے جو نطاطِ شام وصال دے

جو پلک چپک میں گزر گئے مجھے پھر وہی مہ و سال دے

یہ گداگروں کی ہیں بستیاں یہاں چشم پوشی گناہ ہے
تو امیر شہر جمال ہے تو زکوٰۃ حسن و جمال دے
مجھے شوق سیر سا نہیں میں اسیر حرص و ہوا نہیں
میں قفس میں عمر گزار دوں وہ ضمانتِ پروہال دے
براغم شاس کوئی تو ہے، برے آس پاس کوئی تو ہے
برے حرف کو جو خلوص دے برے لفظ کو جو کمال دے

سوالات:

الف۔ پہلے شعر میں شاعر نے کن خواہشات کا اظہار کیا ہے؟

ب۔ درج بالا اشعار میں قافیہ ردیف کی نشان دہی کریں:

ج۔ دوسرے شعر کا مرکزی خیال لکھیں۔

د۔ تیسرے شعر میں شاعر نے پروہال کی ضمانت کیوں طلب کی ہے؟

و۔ چوتھے شعر کے مطابق غم شاس نے شاعر کے لیے کیا کرنا ہے؟

ہ۔ شاعر کے خیال میں چشم پوشی کہاں گناہ ہے؟ بہ حوالہ شعر ۲

ز۔ دوسرے شعر میں شاعر نے امیر شہر جمال سے کیا مطالبہ کیا ہے؟

۳۔ درج ذیل موضوعات میں سے کسی ایک پر اپنے کالج میں ایک مذاکرہ، مباحثہ یا سیکی نار منعقد کرائیں اور اس میں حصہ لیتے ہوئے موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کر سکیں:

الف۔ جمہوری رویے

ب۔ مسئلہ کشمیر

ج۔ بین المذاہب ہم آہنگی

د۔ قانون کا احترام اور پابندی

مطلع، مطلع ثانی، مقطع

غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ ردیف ہوتے ہیں اگر مطلع کے بعد کے شعر میں بھی مطلع جیسا اہتمام ہو تو اسے مطلع ثانی کہیں گے۔

غزل یا قصیدے کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے مقطع کہلاتا ہے۔ مثلاً: فراق گورکھ پوری کی درج ذیل غزلیات میں مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کی مثالیں ملاحظہ کریں:

(مطلع)

شکل نمبر ۱۱

آج بھی قافلہ عشق رواں ہے کہ جو تھا

وہی میل اور وہی سنگِ نشاں ہے کہ جو تھا

(مطلع بیانی)

پھر ترا غم وہی رسوائے جہاں ہے کہ جو تھا

پھر فسانہ بہ حدیثِ دگراں ہے کہ جو تھا

(مقطع)

تیرہ بختی نہیں جاتی دلِ سوزاں کی فراقِ

شمع کے سر پہ وہی آج دھواں ہے کہ جو تھا

مثال نمبر: ۲

(مطلع)

کارگر عشق میں اب تک غمِ پنہاں نہ ہوا

میں ابھی بے خبر کُلفتِ ہجراں نہ ہوا

(مطلع بیانی)

مانعِ دشتِ نوردی مجھے زنداں نہ ہوا

در و دیوار سے کچھ ہوش کا سماں نہ ہوا

(مقطع)

اہلِ زنداں کا یہ مجمع ہے ثبوت اس کا فراقِ

کہ بکھر کر بھی یہ شیرازہ پریشاں نہ ہوا

۴۔ اس غزل کے مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں اور دو تین جملوں میں ان کے استعمال کی اہمیت واضح کریں۔

۵۔ مجازی اور اصطلاحی محضر کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل تراکیب کو استعمال میں لا کر طلبہ آپس میں گفتگو کریں:

آسمان سے باتیں کرنا، ہاتھ دکھانا، سبز باغ دکھانا، گریہ یعقوب، قبر دارا، اینٹ سے اینٹ بجانا، آنکھیں دکھانا، قارون کا خزانہ

۶۔ درج ذیل شعر کی تشریح کریں اور اس کا مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کریں:

آگے اس متکبر کے ہم، خدا خدا کیا کرتے ہیں

کب موجود خدا کو، وہ مغرور خود آرا جانے ہے۔

اصنافِ نظم کے محاسن کا تصور اور شناخت (علمِ بدیع: تعارف اور اقسام)

۱۔ صنعتِ تلمیح: تلمیح کے لغوی معانی ہیں اشارہ کرنا، کلام میں قرآنی آیت، حدیثِ مبارکہ یا کسی تاریخی، مذہبی واقعے کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔

چشمِ اقوام، یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعتِ شانِ ورفعتنا کت وکزک دیکھے

ii۔ صنعتِ تکرار: کلام میں لفظ یا الفاظ کو تکرار کے ساتھ استعمال کرنا یعنی اشعار میں ایک لفظ یا الفاظ کو بار بار استعمال کرنا صنعتِ تکرار کہلاتا ہے۔ مثلاً:

پتھر کو گھر کہ کہ کر
بد کو بہتر کہ کہ کر
ہم نے ماحول بگاڑا ہے
رہ زن کو رہ بر کہ کہ کر

شاعر نے ان اشعار میں لفظ ”کہ“ کو تکرار کے ساتھ استعمال کر کے ایک حسن پیدا کیا ہے جسے صنعتِ تکرار کہیں گے۔ اسی طرح

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل عمر کم کسی سے ملتا ہے

iii۔ صنعتِ مراعاتِ النظیر: کلام میں ایسے متعدد الفاظ لے کر آنا جن کی آپس میں کوئی نہ کوئی نسبت ہو لیکن وہ باہم متضاد نہ ہوں صنعتِ مراعاتِ النظیر کہلاتا ہے۔ مثلاً:

ہو مرا ریشہ امید وہ نخل سر سبز
جس کی ہر شاخ میں ہو پھول ہر اک پھول میں پھل

اس مثال میں نخل، سرسبز، پھول، شاخ اور پھل ایک ہی نسبت کے الفاظ ہیں۔

iv۔ رعایتِ لفظی: کسی لفظ کو اس طرح استعمال کرنا کہ اس کے دو معانی نکلیں۔ ایک معنی تو موقع محل کے مطابق ہو اور سننے والے کا ذہن بھی اس طرف جائے لیکن ذرا غور کرنے پر اس سے دوسرے معانی نکلیں۔

لام نستعلیق کا ہے اس بیت خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے
اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

v۔ صنعتِ مبالغہ: ”مبالغہ“ سے مراد ہے، حد سے بڑھنا، شعری اصطلاح میں مبالغہ اُس صنعت کا نام ہے جس کے سے ذریعے کسی شے یا شخص کی بعید از قیاس (نا قابلِ یقین حد تک بڑھا چڑھا کر) تعریف یا مذمت کی جائے:

یارو! شبِ فراق میں رویا ہوں اس قدر
تھا چوتھے آسمان پہ پانی کر کر

vi۔ صنعتِ حسنِ تعلیل: کلام میں کسی بات یا چیز کی علت (وجہ یا سبب) بیان کرنا جو درحقیقت علت نہ ہو۔ شاعری میں حسنِ تعلیل دراصل وہ صفت ہے جس میں شاعر ایسی چیز کو کسی چیز کی وجہ یا سبب فرض کرتا ہے جو دراصل اس کی علت نہیں ہوتی۔ مثلاً:

کون سی ہے وہ مصیبت مجھ پہ جو ٹوٹی نہیں
رات دن گردش میں بہت آسمان میرے لیے
سجدہ شکر میں ہے شاخ ثمر دار ہر اک
دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عزوجل
۷۔ درج ذیل اشعار میں سے رعایت لفظی، حسن تعلیل، صنعت تلمیح، صنعت تکرار، صنعت مراعات النظیر اور صنعت مبالغہ کی شناخت کریں:

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کے رہ نما کرے کوئی

شانے سے بل نکال دیے رُلفِ یار کے
اک مار ہم نے زیر کیا ، مار مار کے

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو، بھیتی بھی تو، ہاراں بھی تو، حاصل بھی تو

یارو! شبِ فراق میں رویا ہوں اس قدر
تھا چوتھے آسمان پہ پانی کر کر

اڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ، حیات کا
کھولا ہوا تھا، دھوپ سے ، پانی فرات کا

سُرخی اڑی تھی پھولوں سے، بیزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اترا تھا سائے کی چاہ سے



- ڈیجیٹل لائبریری کو استعمال کرتے ہوئے منیر نیازی کے تمام شعری مجموعوں کی فہرست مرتب کریں اور ہر شعری مجموعے کے سامنے اس کا سال اشاعت بھی تحریر کریں۔



غزل ۵: ادا جعفری

اس غزل کی تشریح کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی ادبی، علمی یا سماجی موضوع پر اپنے مسائل، تجربات اور مشاہداتی روایتی میں استدلال، درست تفسیر اور عمدہ ادب و لہجہ کے ساتھ زبانی (فی الہدیہ) یا لکھی (نوٹی) تقریر کر سکیں۔
- مباحثوں، مذاکروں، سینی، ندروں میں مسر لیتے ہوئے کسی موضوع کے حق و مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کر سکیں۔
- نظم، غزل کے اشعار کی مبالغوں (شاعری کے پس منظر، انداز، بیانیات، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- درست تلفظی فہم کے لیے اسرار کا استعمال کر سکیں۔
- محاورات اور ضرب الامثال کے استعمال سے تمثیل میں معنویت اور معیار کو بڑھا سکیں۔
- شاعرانہ صنعتوں (سم بدیع) کی شناخت کر سکیں اور ان کے استعمال کے استثنائی نقطہ نظر کی وضاحت کر سکیں۔

خاص	دل کے کنول	بنکام سحر	سکڑی دھوپ	خفت	خورشید و صحن
الفاظ	سکڑی دھوپ	سحر	سکڑی	دو چار قدم	ازل سے

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو ”اردو میں غزل گو شاعرات“ کے موضوع پر ایک لکچر دیں۔



ماہنامہ تعلیم و ترقی

علم بدیع اور علم بیان کیا ہوتا ہے اور کلام میں
ان کی کیا اہمیت ہے؟

پڑھیں



یہ فخر تو حاصل ہے بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں
جلنا تو خیر چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں

تھے کتنے ستارے کہ سرشام ہی ڈوبے
بنجام سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

جو مچھیل گئے جس کے کڑی دھوپ کے تیور
تاروں کی خشک مچھاؤں میں وہ لوک جٹے ہیں

اک جمع بھائی تو کئی اور جلا لیں
ہم کردش دوراں سے بڑی پال چٹے ہیں
(کھیات ادا جعفری)

ادا جعفری (۱۹۲۳ء-۲۰۱۵ء)

مزید یہاں نام تخلص ادا اور قلمی نام ادا جعفری ہے۔ ابتدا میں ادا جعفری کے قلمی نام سے لکھا کرتی تھیں۔ شادی کے بعد ادا جعفری کہلا گئیں۔ پرائیویٹ میں پتیارہ ہو گئیں۔ ابھی تین سال کی تھیں کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے اس طرح پرورش کی کہ محرومی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ شاعری میں شروع میں اختر کشمیری اور مرزا جعفر علی خاں اثر سے اصلاح لی۔ ادا جعفری کا پہلا مجموعہ کلام ”میں ساز و سوزندنی رہی“ ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ ان کی دیگر کتابوں میں ”شہر درد“، ”غزالاں تم تو واقف ہو“، ”ساز و سخن بہانہ“ ہے شامل ہیں۔ انھیں آدم جی ادبی انعام مل چکا ہے۔ ادا جعفری کا انداز بیان سادہ، پُر اثر اور دل کش ہے۔ انھوں نے غزل کے روایتی موضوعات میں بھی نیا پن اور جدت پیدا کر کے انھیں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔



۱۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) درج ذیل میں سے کس لغوی معانی ہیں ”اشارہ کرنا“؟

الف۔ تلمیح ب۔ تضاد ج۔ تکرار د۔ مراعات النظیر

(ii) پتا پتا، بونا بونا حال ہمارا جانے ہے جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

یہ شعر کس صنعت کی مثال ہے؟

الف۔ صنعت مبالغہ ب۔ صنعت تلمیح ج۔ صنعت مراعات النظیر د۔ صنعت تکرار

(iii) اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں عارضی میری زندگانی ہے

یہ شعر مثال ہے:

الف۔ رعایت لفظی کی ب۔ صنعت مبالغہ کی ج۔ صنعت تکرار کی د۔ صنعت لف و نشر کی

(iv) کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے رہ نما کرے کوئی

یہ شعر کس صنعت کی مثال ہے؟

الف۔ تکرار کی ب۔ تضاد کی ج۔ تلمیح کی د۔ حسن تعلیل کی

(v) کس صنف شاعری کے ہر شعر کا موضوع الگ ہوتا ہے؟

الف۔ مرثیہ ب۔ قصیدہ ج۔ شہر آشوب د۔ غزل

(vi) ہم آواز الفاظ کو کیا کہتے ہیں؟

الف۔ قافیہ ب۔ ردیف ج۔ ذو معانی لفظ د۔ ہم معنی لفظ

(vii) پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی ساحل سے سرچلتی تھیں موجیں فرات کی

اس شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

الف۔ حسن تعلیل ب۔ مراعات النظیر ج۔ رعایت لفظی د۔ مبالغہ

(viii) علاماتِ اوقاف میں یہ علامت کس کی ہے؟

الف۔ مصرع کی ب۔ شعر کی ج۔ تخلص کی د۔ حذف کی

۲۔ درج ذیل موضوعات پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجہ کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ) اور یاد کی ہوئی (تقریر کر کے):

الف۔ میڈیا لٹریسی (صحافتی موضوع)

ب۔ سائنس اور ٹیکنالوجی (علمی موضوع)

ج۔ اقبال کشاہین (ادبی موضوع)

مباحثہ کے آداب:

بحث و مباحثہ ہماری روزمرہ زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ اپنی سوچ، نقطہ نظر اور افکار و خیالات کو دوسروں تک پہنچانے اور انھیں اپنی بات منوانے اور قائل کرنے کے لیے ہم اکثر بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے ہیں۔ بعض اوقات بحث و مباحثہ کے اصولوں اور آداب سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو قائل کرنے میں ہمیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے خاص طور پر اُس وقت جب طلباء و طالبات کو کسی بحث و مباحثہ کے مقابلے میں حصہ لینا ہو۔ اگر ہم چند اصولوں کو پیش نظر رکھیں تو ہم یہ کام بہ آسانی کر سکیں گے۔

اہم اور ضروری نکات مکمل طور پر ذہن نشین ہونے چاہئیں۔ آپ پر یہ بالکل واضح ہو کہ آپ اس مباحثے میں کیوں شرکت کر رہے ہیں۔ مقرر کیے گئے وقت سے کسی طور تجاوز نہ کریں۔ کیا بولنا ہے، کتنا بولنا ہے؟ اپنا نقطہ نظر کیسے پیش کرنا ہے؟ اس سب کے لیے یہ بات یاد رکھیں کہ الفاظ کا چناؤ، زیر و بم، ادائی، تلفظ، لہجہ کا اتار چڑھاؤ اور باڈی لینگویج آپ کے دلائل کو مضبوط اور مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہال میں موجود دیگر شرکا کے دلائل کو بھی غور سے سنیں۔ بعض اوقات فی الہدیہ کوئی جملہ، شعر، دلیل یا قول ذہن میں آسکتا ہے جو ایک لمحے میں ساری بازی الٹ دے۔ اپنے دلائل کے اُن پہلوؤں پر ضرور غور کیجیے جن پر فریق مخالف اعتراض کر سکتا ہو۔ انداز نہایت واضح اور دو ٹوک ہو۔ تہذیب و شائستگی اور سنجیدگی سے اپنا نقطہ نظر پیش کریں اور ایسا کرتے ہوئے کوئی جملہ ایسا استعمال نہ جو کسی دل آزاری کا باعث ہو۔

سیاسی، مذہبی، مسلکی شخصیات اور نظریات پر تنقید سے اجتناب کریں۔ موضوع کے حق میں یا مخالفت میں بولیں؛ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بس قتل، بُرد باری اور رواداری کے جذبے کے ساتھ اپنے دلائل پیش کر کے سامعین، حاضرین اور منصفین کو قائل کرنے کی کوشش کریں۔ آخر میں مباحثے کے منصفین کے فیصلے کو حتمی سمجھ کر خند و پیشانی سے قبول کرنے کا حسن ظن اور طرف بھی آپ کے اندر ہونا چاہیے۔

۳۔ اپنے اساتذہ کی زیر نگرانی اور رہنمائی میں کالج میں بین الکلیاتی سطح پر درج ذیل موضوعات میں سے مباحثے، مذاکرے یا کسی نار کا انعقاد کرائیں جس میں خود بھی حصہ لیتے ہوئے موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کریں:

الف۔ مسئلہ کشمیر

ب۔ تعلیم امن وقت کی اہم ضرورت

ج۔ بین المذاہب ہم آہنگی

د۔ برداشت اور رواداری

۴۔ غزل کے درج ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیاں، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں:

یہ فخر تو حاصل ہے بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں
جلنا تو خیر چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں
تھے کتنے ستارے کہ سرِ شام ہی ڈوبے
بنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

۵۔ درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کریں:

قدم، مقدر، سرِ شام، تیر، خنک، گردش

۱۔ ضرب المثل: یہ ایک مکمل جملہ ہوتا ہے اور کسی واقعے کو بتانے اور اس پر مہر تائید ثبت کرنے کا ایک نرا انداز ہے جس سے گفت گو اور کلام میں چاشنی پیدا ہوتی ہے اور مضمون نہایت عمدہ ہو جاتا ہے۔ ضرب المثل کو کہاوت بھی کہتے ہیں۔ جیسے: انگور کٹھے ہیں۔

ii۔ محاورہ: وہ یادہ سے زائد الفاظ جو حقیقی کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوں محاورہ کہلاتا ہے۔ مثلاً: آنکھیں دکھانا، آسمان سے باتیں کرنا۔

۶۔ درج ذیل محاورات اور ضرب الامثال کو اس طرح استعمال کریں کہ ان سے تحریر میں معنویت اور معیار بڑھ سکے:

آگ بگولا ہونا، خون سفید ہونا، ٹھوٹا بولنا، گھوڑے بچ کر سونا، مٹھی گرم کرنا،

کانھو کی ہانڈی بار بار نہیں چڑھتی، اُلٹے بانس بریلی کو، جس کی لامٹی اس کی بھیمن، نیز می کھیر، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا



کالج اہلگیری سے میر انیس، علامہ اقبال اور فیض احمد فیض کے کلام کے کلیات جاری کرائیں اور ان میں سے ایسے اشعار تلاش کریں (ہر صنعت کے زیادہ سے زیادہ ۱۰ اشعار) جن میں صنعت تلمیح، رعایت لفظی، صنعت مراعات النظر، صنعت حسن تعلیل، صنعت مبالغہ، صنعت تکرار کا استعمال کیا گیا ہو۔ لکھے گئے ان اشعار پر استفسانی نقطہ نظر کی وضاحت کریں۔

فرہنگ

کمال نفس اور مکارم اخلاق

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ایذا رسانی	تکلیف دینا	بردباری	برداشت، تحمل
پست نگاہ	نیچی نظریں کر کے	تائید رسانی	رب کی تائید
رفع	بلندی	تکوار سائل کرنا	تکوار گلے میں لٹکانا
جزالت	روانی، کثرت	جوامع الکلام	کلام جس کے بہت سے معانی ہوں
نمود و کرم	بخشش اور مہربانی	حاشیہ بردار	درباری، نوکر
حلیم	اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام، بردبار	خصائل	عادتیں، کردار
خود سری	اپنے آپ بہتر سمجھنا، ضدی، مغرور، خود پسند	خیر خواہ	بہتری چاہنے والا
شائستگی	تمیز، تہذیب	شستگی، الفاظ	الفاظ کی پاکیزگی، سلیس، رواں
شائکل	وضع قطع، حلیہ، عادات	صادق اللہ	لجھ کے اعتبار سے سچا
غیظ و غضب	شدید غصہ	اغزش	خطا، عیب، لڑکھڑاہٹ

محشر

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
استدعا	درخواست، گزارش	اعراف	دورخ اور جنت کے درمیان مقام
ابغض	دل میں رکھی جانے والی دشمنی	چنیل میدان	جس میدان میں درخت اور پانی نہ ہو
خیر مقدم کرنا	خوش آمدید کہنا	سفید پوش	اچلے پھڑے پہنے والا، کم آمدنی ہونے کے باوجود باوقار زندگی گزارنے والا
شکل مسخ ہونا	شکل بگڑنا یا تبدیل ہونا	صور	بگل، آواز جو حضرت اسرافیل حشر کے دن نکالیں گے
عنق و	دشمنی		

ماں جی

الفاظ	معنی	لفظ	معنی
البر	کم سن، بھولا بھالا	آشوب چشم	آنکھوں کا بہنا۔ ایک بیماری
بے حجابی	بے پردگی، بے شرمی	پانہنی	جس طرف سونے والے کے پاؤں ہوں
پایادہ	پیدل	پنیدا	برتن کا نیچے والا حصہ
جوق در جوق	بڑی تعداد میں	چشم و چراغ	اولاد، بیٹا
حاجت روائی	ضرورت پوری کرنا	دائستہ	جان بوجھ کر
رغبت	شوق، دل چسپی	رفتہ رفتہ	آہستہ آہستہ
زیب تن	پہننا	زیریں حصہ	والا حصہ
قرق کرنا	ضبط کر لینا	لوچلنا	گرم ہوا چلنا، سخت گرمی
مفلوک الحال	غریب	منہک	مصروف
ناگہانی	اچانک آنے والی	ورثہ	باپ دادا سے ملی ہوئی چیز
وضع داری	رکھ رکھاؤ		

رستم و سہراب

الفاظ	معنی	لفظ	معنی
بیرہن	لباس	سخن ہائے نیاز	عاجزی سے کہی گئی باتیں
فقاں	رونادھونا	قہر و غضب	سخت غصہ
قضا	موت	موذی	زہریلا
ناشاد	اداس، ناخوش	نہاں رکھنا	چھپانا

شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے

الفاظ	معنی	لفظ	معنی
استمرار	مسل، لگاتار	آفتابہ	لونا
بربنائے ایں وجوہ	ان وجوہات کی بنیاد پر	برخاسگی	محفل ختم ہونا
پرچہ لگنا	معلوم ہونا، خبر ملنا	تقاضائے عمری	عمر کا تقاضا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تھر تھری	کانپنا	خوش خلقی	اچھے اخلاق
دھرم	مذہب	ڈیوڑھی	مکان کا وہ حصہ جو پیر وئی دروازے سے جڑا ہو
ستم ظریفی	ظلم، زیادتی	سوپان روح	روح کے لیے بھی تکلیف کا باعث
شائستگی	تمیز، تہذیب	شقہ	خط، رقعہ
ضعفِ صحت	صحت کی کم زوری / خرابی	طوئیں	ایک قسم کی بڑی شمع، فوجی نشان
عالی نسب	خاندان کا اعلیٰ ہونا	قبر پوش	قبر کے اوپر رکھا کپڑا
کبیدگی	رنج، ملال	گریہ و بکا	رونا دھونا
لوبان	خالص خوش بو	مقوم	اپنی قسمت، مقدر
موئے پریشاں	بکھرے بال	نرم خوئی	نرم عادت

شروع قصے کا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
آب دیدہ ہونا	آنکھوں میں آنسو آنا، رونا	باز پُرس	پوچھ گچھ
پامردی	بہادری	جمالی جہاں آرا	دنیا کو سجانے والی خوب صورتی
جہاں گرد	دنیا میں گھومنے والا	چھتر	بادشاہوں وغیرہ پر سایہ کرنے والی چھتری
خاصہ	شادی کھانا	خزانہ معمور	بھرے ہوئے خزانے
ڈبلا پے	ڈبلا یا کم زور ہو جانا	ڈھنڈورا	شور، اعلان
رعیت	رعایا، عوام	شادیانے بھانا	خوشی منانا
صبح خیزے	صبح سویرے ٹوٹ مار کرنے والے	طالع	قسمت کا ستارہ
غول بیابانی	بھوت پریت	فانوس	قدیل، لائٹین
کلان دھرنا	توجہ سے سننا	کور نشات	درہاڑی سلام
لیل و نہار	رات اور دن، حالات	لشکر مرقہ	بلند یعنی طاقت ور لشکر
منصفی	فیصلہ کرنا، انصاف کرنا	مقیش	چاندی یا سونے کے تار، چمک دار
نیمت و نابود کرنا	تباہ کر دینا	یک ہارگی	اچانک

بہادر خان کی سرگزشت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
انبار	ڈھیر	پالیز	سبزہ زار، کھیت
چیش بینی	آنے والے حالات کا اندازہ لگانا	تجربہ کھانا	غصے میں ہونا، بے چینی
وانچی	تقل، ہمیشہ	رویہ شی	شوہ کو چھیالینا
قبر شق	قبر کا کھل جانا	کاریز	زمین کے اندر پانی بہنے کا راستہ
ساتا پیتا کسان	خوش حال کسان	مزارعت	کھیتی باڑی
مفت	مرضی، خوشی		

کافی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
زوالہ	کمی پوری کرنا، زائل کرنے کا عمل	استعداد اب رائے عامہ	عام لوگوں کی رائے پوچھنا
کثرت	زیادہ ہونا	آمیزش	ماہوت
بھینی بھینی	لطیف خوش بو	پشیمان	شرمندہ
تانی کا مہو	کھانے پینے کی تلخی	آفکرات	پریشانیوں، فکریں
جرح	سوال جواب، بحث، ہنگامہ	چراندے ہو کر	جھڑپا کر
بھکار، بڑکا	فساد یافتہ کو ختم کرنا	راقمہ اسطوہ	سطریں یعنی تحریر لکھنے والا
فیع ش	بہت زیادہ آوازیں	سوندھی سوندھی	منہ بانی نہ سے نکلنے والی خوشبو
شہر، شہب	توجہ یا محبت کے قابل	صریحاً	بائیں، واضح
قابل التفات	الٹی سیدھی باتیں	قوت شامہ	سہ گھنٹے کی قوت
کج بھجی	بے فائدہ، بکواس	کھید کرنا	عقبات کاٹنا
لغو	سمجھنا، قیاس کرنا	ماکوات	کھانے کی چیزیں
مردول کرنا	عقل کی باتیں	معتدل قوام	درمیانے درجے کا خمیر
مقتوات	سکون یا خوشی دینے والی	منطق	وہیل
مغرب	باریک	مہک	خوشبو
مہین	یقین	نفس مارہ	گنہگار یا برائی پر ابھارنے والا
موقوف			

مینار

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اختراع	نئی چیز یا نئی دریافت کرنا	بادہ کش	شراب پینے والا
برق	مینار	برشکال	موسم برسات
جہان نو	نئی دنیا	جلوہ گاہ	جہاں سے نظارہ کیا جاسکے
چلمن	پردہ	سد	رکاوٹ، دیوار
سنگ و جشت	پتھر اور اینٹ	سنگارخ	پتھریلی یا پتھر پلا
شق	ٹکڑا، حصہ، جزو	شیون	روتنا، ماتم
ملالت	اطمینان، تسلی	عرش	بحری جہاز کی اوپر کی سطح
فن حرب	لڑائی یا جنگ کا فن	کوتاہ قامت	چھوٹا قد
لیائی	لپٹنے کا عمل، گارے کی تہ جمانا	مضر	نقصان دہ

نظریہ پاکستان

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اقتدار	حکومت	الحاد	بے دینی، توحید کو نہ ماننا
انتشار	افرا تفری	باہمی نفاق	آپس کی نا اتفاقی
جمعیت	قومیت	خدا ترسی	خدا کا خوف، رحم دلی
زمین نشین کرنا	یاد رکھنا	رواداری	پاس، لحاظ
رک بیچنا	نقصان پہنچانا	شیوہ	عادت، طور طریقہ
طرز معاشرت	رہن سہن	عمل پیہم	مسلل جدوجہد
غلبہ	چھا جانا، غالب آنا	فریب	دھوکا
فلاح و بہبود	بہتری	قدم جمانا	قبضہ جمالینا
مسکھم	مضبوط	مقاہمت	صلح
ناگوار گزرنا	اچھا نہ لانا	ولولہ	جوش، ہمت

حمد

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
التجائیں	دعا کیں، در خواستیں، گزارشیں	تاعمر	ساری زندگی
خطائیں	غلطیاں، گناہ	رس گھولنا	لطف پیدا کرنا، سریلی آواز
سنگِ اسود	سیاہ پتھر جو خانہ کعبہ میں نصب ہے	صدا	آواز
طالب	چاہنے والا، خواہش مند	غلاف	پردہ
مقبول ہونا	مشہور ہونا		

نعت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
إذن	اجازت	جادو رحمت	رحمت کا راستہ
جواد	اللہ کا صفاتی نام، بخشش کرنے والا	سپرد قلم کرنا	لکھنا
مدحت	تعلیف	منحرف ہونا	پھر جانا، سرکشی یا بغاوت کرنا

میں روزے سے ہوں

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
برخور ۱۰	بڑا، بچہ	بہر زیارت	دیکھنے کے لیے
تکوار	بار بار دہرائنا، جھگڑا	ڈمچی	ڈم پر باندھا جانے والا کپڑا
کڑا کے چلنا	بچ کے چلنا	کرب	ازیت، تکلیف
گفتار	بات چیت	لحن	سریلی آواز

نثار میں تری گلیوں کے۔۔۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
استوار کرنا	مضبوط کرنا	اونچ	بلندی، حکومت
اہل بوس	لاالچی لوگ	بست و کشا	انتظامیہ
بہم ہونا	میسر/دست یاب ہونا	خدائی	اقتدار

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
روزِ زنداں	قید خانے کا روشن دان	یرت	رسم
سگ	کتا	سلاسل	زنجیریں، بیڑیاں
سگ و خشت	پتھر اور اینٹ	طالع	قسمت، نصیب، مقدر
طواف	پھیرا، گھومنا، چکر لگانا	گردشِ یل و نہار	رات دن کی گردش، حالات
گرفت	پکڑ	مدعی	دعویٰ کرنے والا

انسانِ کامل کی برکات

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پہاں	تباہ، برباد، ذلیل و خوار	پوشاکیں	لباس
خرمن	کھلیاں، ذخیرہ، انبار	زیت	زندگی، عمر
سجدہ ریز	سجدہ کرنا	صلائے عام	ہر ایک کے لیے دعوت
عجز	انکساری	کچ کلاہوں	غرور کرنے والوں
مخزنِ خوبی	خوبیوں کا خزانہ	نیوشی	اچھے مشورے پر توجہ دینا

نئی نسل کا نوحہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بھید	راز	جنسِ کمال	اعلیٰ قسم کی چیز
خمشہ	پانچ	دستِ رس	پہنچ

داستانِ تیاری میں باغ کی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اتالیق	ترتیب دینے والا، استاد	بوستان	باغ، شمعِ سعدی کی کتاب
چارچہ	کلزا، حصہ	چن	پردہ
خامہ مشک ہار	قلم جس سے خوش بو آئے	دست بستہ	ہاتھ باندھے
زربفت	سونے چاندی کے تاروں سے بنا کپڑا	قاز	کوٹھ، آبی پرندہ

معنی	الفاظ	معنی	الفاظ
فائزائیں	قمریاں	ہلکے سے مشابہ ایک پرندہ	قرقرے
چھتوں	منڈیروں	نہر کے کنارے	پ نہر
تعلیم دینے والے استاد	معلم	حکمت و فلسفہ	معقول
خوب سورت	مہر و	روایت سے حاصل شدہ علم	منقول

غزل ۱ (میر درد)

معنی	الفاظ	معنی	الفاظ
دنیا	جگ	رونا دھونا	آہ و زاری
مرض کا علاج کرنا	سیحانی کرنا	ہر طریقے سے	دوسو طرح سے

غزل ۲ (مرزا غالب)

معنی	الفاظ	معنی	الفاظ
چھپا ہوا	پنہاں	محفل جمانا	ہزم آرائیاں
عادی	خوگر	رسموں کا ترک کرنا	ترک رسوم
روشن دان، سوراخ	روزن	مدرسہ، مکتب، اسکول	دبستان
نزل سنا	غزل خواں	قید خانہ	زندہاں
ایک ذات کو ماننے والا	موحد	عادت	کیش

غزل ۳ (علامہ اقبال)

معنی	الفاظ	معنی	الفاظ
خالی	تہی	محفل، مجلس	انجمن
وقت اور جگہ	زمان و مکان	راز کو جاننے والا	راز داں
جو مل جائے اس پہ راضی ہونا	قناعت	خوب صورت دنیا	عالم رنگ و بو
		روئینہ منہ، کریمہ وزاری کے مقامات	مقامات آہ و فغان

غزل ۴ (محسن احسان)

الفاظ	معنی	عربی	معنی
اسیر	قیدی	اسیرِ فہرِ قدیم	پرانی سوچ کا قیدی
آگِ چوں	ارد گرد، قریب	ہما بترِ مہر	سورج کی روشنی، چمک
تخت و کلاہ	اقتدار، تخت اور چوڑی	تیر کی	اندھیرا تاریکی
کھتم پوشی	چھپانا	حرس و ہوا	لاٹھی
نود گمری	خود پسندی، خود داری	زعم	گمان، خیال، غرور
سیر کا	آسمان، وقت، زمانہ، موقع	شیم	صبح کی ہوا
خیم شاس	دکھ کو سمجھنے والا	غیور	غیر مت مند
قریبِ حبیب	دوست کا قریب ہونا	قفس	بجھرہ
منسوب و جاہ	شان و شوکت	نافِ نزال	ہرن کی ناف

غزل ۵ (ادا جعفری)

الفاظ	معنی	عربی	معنی
تہور	مزاج، نگاہ کا انداز	فنگ	ٹھنڈ، سرد
خورشیدِ دھلنا	سورج کا غروب ہونا	سرِ شام	شام ہوتے ہی
کزی دھوپ	سخت دھوپ، گرمی	گردشِ دوران	حالات، زمانہ، دنیا
مقدر	قسمت، تقدیر	ہنگامِ سحر	صبح کے ہنگامے، رونق

محترم امجد اقبال عرصہ پچیس سال سے اردو مضمون کی تدریس و تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم۔ فل اردو کی ڈگری حاصل کی۔ ۲۰۰۲ء سے شعبہ اردو، اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز جی ۱۰/۴، اسلام آباد میں بہ طور ایسوسی ایٹ پروفیسر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وفاقی تعلیمی بورڈ، اسلام آباد جیسے پروفیشنل ادارے میں متعدد بار کمیٹی آف کورسز کے رکن کی حیثیت سے بھی سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سطح پر اپنی خدمات پیش کر چکے ہیں۔ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجے کے اردو لازمی کے ماڈل پرچوں کی تیاری میں نیم کا حصہ اور ٹرینر بھی ہیں۔ آرمی پبلک اسکول اینڈ کالج راول پنڈی، سٹی اسکول اسلام آباد، نرس اسکول اینڈ کالج اسلام آباد، الہدیٰ اسکول اینڈ کالج اسلام آباد میں حاصلاتِ تعلیم کی تدریس کے حوالے سے بہ طور ٹرینر کے بھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن کی مختلف سطحوں اور درجوں کی نصابی کتب میں بہ طور مصنف / مؤلف کام کیا۔ نیشنل کری کیولم کاؤنسل میں مختلف درجوں کی تدریسی کتب کے ساتھ ساتھ نیشنل بک فاؤنڈیشن کی طرف سے اشاعت پذیر ہونے والی تصانیف و تالیفات پہ بھی نظر ثانی کی خدمات سرانجام دی ہیں۔

ڈاکٹر خالد اقبال یاسر (تمغائے امتیاز)

ڈاکٹر خالد اقبال یاسر پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے (تاریخ) اور قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم ایس سی (مطالعہ پاکستان) کرنے کے بعد انھوں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے اقبالیات میں ایم۔ فل کیا اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ خالد اقبال یاسر ادبی، علمی اور تعلیمی اداروں کی سربراہی کے فرائض سرانجام دے چکے ہیں۔ وہ طویل عرصے تک اکادمی ادبیات پاکستان کے سہ ماہی ادبی جریدے، ادبیات کے مدیر اعلیٰ رہے ہیں۔ ان کے شعری مجموعے ”دربست“، ”گردش مزاج“ اور ”مخصوصی“ شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے بہت سی کتب اور مقالات کے تراجم بھی کیے ہیں۔ ان کے مقالے مسئلہ تحقیقی جراند میں شائع ہوتے ہیں۔ حکومت پاکستان نے ۲۰۱۰ء میں انھیں اعلیٰ سول ایوارڈ: ”تمغائے امتیاز“ سے نوازا۔ انھوں نے نمل یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبہ تصنیف و ترجمہ کے ناظم کے طور پر بھی کام کیا۔

جناب محمد شاہین ملغانی بلوچ

جناب محمد شاہین ملغانی بلوچ کا تعلق درس و تدریس کے شعبے سے ہے۔ آپ پاکستانی زبانوں کے ایم فل اسکالر ہیں۔ آپ نے اردو، اقبالیات اور سرانجی زبان و ادب میں ایم۔ اے کی ڈگریاں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے حاصل کیں۔ آپ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے علاوہ میجر فاؤنڈیشن آزاد جموں و کشمیر کے لیے بھی تدریسی کتب لکھ چکے ہیں۔ آپ نے کئی درسی کتب کی نظر ثانی کے فرائض بھی انجام دیے۔ آپ کے مضامین اور شاعری تعلیمی اداروں کے رسائل میں چھپتی رہتی ہے۔ آج کل آپ وفاقی نظامتِ تعلیمات اسلام آباد کے زیر اہتمام ایک تعلیمی ادارے میں بہ طور مدرس اردو اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے ہیں۔